فہرستِ مضامین

بصائر و عبر

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یحییٰ مدنیؒ کا وصال	۴	محمد اعجاز مصطفیٰ

مقالات و مضامین

قرآن مجید کیا ہے؟ (۴)	۱۰	حضرت مولانا محمد ادریس میرٹھیؒ
ووٹ کی شرعی حیثیت!	۱۶	مولانا قاضی محمد نسیم
جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی، کردار و اثرات	۲۱	مفتی رفیق احمد بالاکوٹی
برقی تصویر (۱)	۲۶	مفتی شعیب عالم
قنوتِ نازلہ کا حکم اور ادائیگی کا طریقہ	۳۱	مفتی محمد راشد ڈسکوی

یادِ رفتگان

مفتی عبد المجید دین پوریؒ، سنگین واردات میں شہید...	۳۸	مفتی عزیز الرحمٰن
شہیدِ علم	۴۰	مولانا محمد یوسف افشانی
ایک اور جنتی بسوئے فردوسِ بریں	۴۴	مولانا ڈاکٹر منظور احمد مینگل
مفتی محمد عبد المجید دین پوریؒ کی شہادت	۴۷	مولانا محمد اَزہر
مسندِ بنوریؒ کے جانشین....اُن کی یادیں	۵۰	مفتی احمد ممتاز
حضرت مفتی عبد المجید دین پوریؒ.....شہادت	۵۲	مولانا عبد القیوم حقانی
ایک دیا اور جلا میر کے مَے خانے میں	۵۸	مولانا محمد کامران اجمل
کراچی.......علماء کی قتل گاہ!	۶۲	مولانا سید عدنان کاکاخیل
مادرِ علمی کے نام	۶۵	مولانا محمد مسعود اَزہر
مجموعۂ محاسن شخصیت	۶۸	محمد اُسامہ مجاہد دین پوری
یار زندہ صحبت باقی	۷۸	مفتی ابولبابہ شاہ منصور
’’تنگ آمد‘‘	۸۰	جناب سیلانی صاحب
ایک چراغ اور بجھا دیا گیا.....!	۸۳	مولانا محمد شفیع چترالی
تا اَبد اُونچا رہے اُن کی عظمت کا نشاں!	۸۸	مولانا حمزہ احسانی

نقد و نظر

میدانِ فتویٰ کا نایاب شہسوار	۹۹	مفتی راشد ابوبکر
خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را	۱۰۴	مفتی عبدالمنعم فائز
حضرت مفتی شہیدؒ کا تدریسی انداز	۱۰۶	مولوی محمد عمران ممتاز
حضرت دین پوری شہیدؒ کے ملفوظات	۱۱۲	مولانا محمد سفیان بلند
لہولہو بنوری ٹاؤن	۱۲۵	مولانا حافظ محمد اسد
تری مرگِ ناگہاں کا مجھے ابھی تک یقیں نہیں ہے	۱۲۷	مولانا محمد زین العابدین
بستیٔ دین پور کا دُرِ شہوار	۱۳۱	مولانا محمد یاسر عبداللہ
لہو ہمارا بُھلا نہ دینا	۱۳۵	مولانا محمد عمران ولی
مفتی عبدالمجید دین پوری شہیدؒ کی یادیں	۱۴۰	مولانا عبدالصمد
شفیق باپ کی شہادت	۱۴۳	محمد افضل شاکر
اِک ستارہ جو کہکشاں ہوگیا	۱۴۷	مولوی عزیر محمود دین پوری
میرے مشفق ومہربان ابو جی	۱۵۱	محمد شعیب دین پوری
مستور مگر مسحور کن شخصیت!	۱۵۳	مولانا محمد زبیر شمس الضحیٰ
میدانِ فتویٰ کا عظیم شہسوار	۱۵۹	مفتی عبداللہ حسن زئی
مفتی عبدالمجید دین پوریؒ کی شہادت	۱۶۲	قاضی محمود الحسن اشرف
تواریخِ وفات حضرت مفتی عبدالمجید دین پوری شہیدؒ	۱۶۴	مولانا خلیل احمد تھانوی، لاہور
''کاروڑ'' کا گلِ سرسبد	۱۶۶	مفتی شعیب عالم
یادوں کے بجھے ہوئے سویرے!	۱۷۶	مولانا محمد بلال بربری
مجموعۂ محاسن مفتی صالح محمد کاروڑی شہیدؒ	۱۸۱	مولانا عبدالحمید ناخدا

دار الافتاء

الکحل کی آمیزش والے رنگوں کا استعمال	۱۸۵	مولوی عثمان الدین سردار

نقد ونظر

	۱۸۹	ادارہ

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یحییٰ مدنیؒ کا وصال

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للّٰہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ

جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے فاضل وسابق استاذ، محدث العصر حضرت علامہ سید محمد یوسف بنوری قدس سرہٗ کے تلمیذ وشاگرد رشید، تبلیغی جماعت کے امیر دوم حضرت جی حضرت مولانا محمد یوسف رحمہ اللہ کے محبّ ومرید، قطب الاقطاب شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی نور اللہ مرقدہٗ کے مصاحب وخلیفہ مجاز، جامعہ معہد الخلیل الاسلامی بہادرآباد کے بانی، رئیس ومہتمم، عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کراچی کے سرپرست وراہنما، ہزاروں متوسلین کے مرشد ومصلح، استاذ العلماء، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یحییٰ مدنیؒ ۳؍ربیع الثانی ۱۴۳۴ھ مطابق ۱۴؍فروری ۲۰۱۳ء بروز جمعرات گیارہ بجے دن اس دنیا فانی کی ۷۵؍بہاریں گزار کر اپنے خالق حقیقی سے جاملے۔ **إنا للّٰہ وإنا إلیہ راجعون، إن للّٰہ ماأخذ ولہ ماأعطیٰ وکل شیء عندہٗ بأجل مسمیٰ۔**

اہالیانِ پاکستان پر عجیب صدمات اور آزمائش کا وقت آن پڑا ہے کہ ایک طرف علماء، طلبہ اور عوام کو آئے دن مظلومانہ، وحشیانہ اور سفاکانہ طریقے سے شہید کیا جارہا ہے تو دوسری طرف اکابر، بزرگ، اولیاء اللہ جو مصیبت، غم اور پریشانی کے حالات میں ڈھارس اور امیدوں کا چراغ ثابت ہوتے ہیں، ایک ایک کر کے دنیا سے اُٹھتے چلے جارہے ہیں۔

ابھی حضرت مولانا مفتی عبدالمجید دین پوری شہیدؒ، حضرت مولانا مفتی صالح محمد کاروڑی شہیدؒ

اوران کے ساتھی طالب علم حسان علی شاہ شہیدؒ اور جامعہ کے شہید طلبہؒ کا غم تازہ ہی تھا کہ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یحییٰ مدنیؒ بھی داغِ مفارقت دے گئے۔

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ رقم طراز ہیں: ''ہمارے شیخ قطب عالم برکۃ العصر حضرت مولانا محمد زکریا مدنی نوراللہ مرقدہٗ بڑے درد سے فرمایا کرتے تھے کہ: ''افسوس! اب امت کے غم میں کوئی رونے والا بھی نہیں رہا'' یہ ناکارہ روسیاہ تمام اہل قلوب اور مسلمان بھائیوں کی خدمت میں عرض کرتا ہے کہ ہمارے یہ تمام حالات حق تعالیٰ شانہ کی ذات عالی کے قہر وغضب کا مظہر ہیں۔ تمام حضرات متوجہ الی اللہ ہوکر بارگاہ الٰہی میں گڑگڑائیں اورامت کے حق میں دعا والتجا کریں، کیونکہ امت پس رہی ہے، اعدائے اسلام اس کی تکابوٹی کررہے ہیں، درندوں کی فوج درفوج اس کو چیرنے پھاڑنے اورنوچنے میں مصروف ہے، لیکن امت کے حالِ زار پر سیلِ اشک بہانے والی آنکھیں بہت کم ہیں۔ اپنے فرقہ، اپنی جماعت، اپنے گروہ یا اپنے ذاتی غم میں گھلنے والے تو بہت ہیں، لیکن وہ قلوب ناپید ہوتے جارہے ہیں جو امت کے غم میں ایسے گڑگڑائیں اور ایسا بلبلائیں کہ کریم آقا کو ان پر رحم آجائے۔ شاید کوئی زبان ایسی نہیں رہی جو امت کی حالتِ زار پر بارگاہِ الٰہی میں دعا والتجا اور آہ وفغاں سے شورِ محشر برپا کردے۔ آہ! یہ امت جس کے سر پر ''خیر امت'' کا تاج رکھا گیا تھا، آج اپنی جگہ طعمۂ اغیار بنی ہوئی ہے۔ اس کی حالت اس گلے کی سی ہے جس کو بھیڑیئے چیر پھاڑ کررہے ہوں، لیکن اس کا کوئی گلہ بان اور پاسبان نہ ہو:

تیرے محبوب کی ہے یہ نشانی
مرے مولا! نہ اتنی سخت سزا دے

ایسے حالات اور ماحول میں قرآن کریم کی درج ذیل آیت انسان کی عارضی زندگی کی حقیقت کو ان الفاظ میں بیان کرتی:

''كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ وَنَبْلُوْكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً وَّإِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ''. (الأنبياء:۳۵)

''ہر جان نے موت کا ذائقہ چکھنا ہے، ہم تمہیں آزماتے ہیں برائی اور بھلائی کے ساتھ، تم سب کو ہماری طرف ہی لوٹ کر آنا ہے''۔

یعنی اللہ تعالیٰ ہر حالت میں آزمائش کرتے ہیں، کبھی سختی کی حالت میں، کبھی نرمی کی صورت میں، کبھی تنگی کی حالت میں اور کبھی فراخی کی حالت میں، کبھی بیمار کرکے اور کبھی تندرستی دے کر، کبھی محتاجی دے کر اور کبھی دولت مندی دے کر۔ یہ آزمائش اس لئے ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ دنیا والوں پر ظاہر فرمادیں کہ سچے لوگ کون ہیں اور جھوٹے کون ہیں۔ اللہ تعالیٰ اُمتِ مسلمہ اور خصوصاً اہل پاکستان کے

ساتھ عافیت کا معاملہ فرمائیں اور ہمیں مزید صدمات اور سانحات سے محفوظ و مامون فرمائیں۔

حضرت مولانا محمد یحییٰ مدنیؒ کو اللہ تعالیٰ نے بہت ہی اعلیٰ اور ہمہ جہت اوصاف سے متصف فرمایا تھا۔ آپؒ کے حالات اور آپؒ کی زندگی کے معمولات پڑھ اور دیکھ کر یوں محسوس ہوتا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپؒ کو اس دنیا میں بھیجا ہی اپنے دین متین کی خدمت اور اشاعت کے لئے تھا، اس لئے کہ جس بچہ نے اسکول اور کالج کے امتحانات میں اعلیٰ کارکردگی دکھائی ہو، گھر میں مال و دولت کی ریل پیل ہو، افرادِ خانہ کاروبار میں لگے ہوئے ہوں، ان سب کو چھوڑ چھاڑ کر اوائل عمری میں تبلیغ دین کے لئے نکل جانا، بزرگوں کی صحبت اور خدمت میں لگے رہنا اور اُن کے ذوق کے مطابق اپنے آپ کو ڈھالنا اور زندگی بھر ان کے مسلک و مشرب سے سرمو انحراف نہ کرنا، یہ صرف آپ ہی کا خاصہ تھا۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ آپ کے اندر انابت، توکل، للّٰہیت، فنائیت، کسر نفسی، عاجزی، سخاوت، ہمدردی جیسی صفات کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھیں۔ دین اور اہل دین کے لئے کڑھنا، تڑپنا، ان کے لئے دعائیں کرنا، اسی طرح انہیں مفید مشوروں سے نوازنا آپؒ کے معمولاتِ زندگی میں اہم معمول کے طور پر شامل تھا۔

حضرت مولانا محمد یحییٰ مدنیؒ کی پیدائش تقریباً ۱۹۳۸ء میں الحاج شیخ محمد یونس مرحوم کے ہاں لدھیانہ میں ہوئی۔ آپ کے دادا، تایا اور والد بسلسلۂ تجارت دہلی سے مشرقی پنجاب کے شہر لدھیانہ میں آکر قیام پذیر ہوگئے۔ آپ کی برادری کا شعار: صوم وصلوٰۃ کی پابندی، فریضۂ حج وزکوٰۃ کی ادائیگی، علماء کے ساتھ محبت، ان کے درسِ قرآن کے حلقوں میں بیٹھنا اور ان کی خدمت و مدارات کرنا رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپؒ پانچ چھ سال کی عمر میں ہی حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوری قدس سرہٗ کی زیارت سے مشرف ہوگئے تھے۔

آپؒ کو پانچ سال کی عمر میں ایک استانی صاحبہ کے پاس ناظرہ قرآن کریم پڑھنے کے لئے بٹھا دیا گیا، پھر اسکول میں داخل کرایا گیا، اسی اثناء میں ہندوستان تقسیم ہوگیا، آپؒ کے والدین نے پہلے لاہور اور اس کے بعد مستقلاً کراچی کو اپنا مسکن بنالیا۔

کراچی آکر پڑھائی کا منقطع سلسلہ پھر شروع کیا، چوتھی جماعت میں داخلہ لیا، ۱۹۵۶ء میں میٹرک کا امتحان پاس کیا اور اسی دوران تبلیغی جماعت سے تعلق ہوگیا اور یہی تعلق آپؒ کو دین کی طرف راغب کرنے کا سبب بنا۔ کالج کی تعلیم کے ساتھ ساتھ تین دن، چلہ اور اس سے زیادہ وقت تبلیغ میں لگنے لگا، یہاں تک کہ ۱۹۵۹ء میں پاکستان کے تبلیغی مرکز رائے ونڈ میں قیام کرلیا۔

آپؒ نے پہلی بیعت حضرت جی مولانا محمد یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ سے تبلیغ کے دوران ہی کرلی

تھی۔ آپؒ اکثر حضرت جیؒ کے ساتھ ہی رہتے تھے اور فرماتے تھے کہ: حضرت جیؒ مولانا محمد یوسفؒ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا نور اللہ مرقدہٗ کے عاشقِ صادق اور دل سے مطیع تھے۔ حضرت شیخؒ کو اپنا محسن اور تبلیغی کام کا سرپرست سمجھتے تھے۔ حضرت جیؒ حضرت شیخ قدس سرہٗ کے اعلیٰ مقام کی وجہ سے اپنے تبلیغی احباب، کام کرنے والوں، خاص کر پرانوں کے بارے میں دل سے چاہا کرتے تھے کہ وہ حضرت شیخ قدس سرہٗ کی صحبت میں وقت گزاریں۔

آپؒ نے انٹر سائنس تک کالج میں تعلیم حاصل کی اور ۱۹۵۹ء سے ۱۹۶۶ء تک تبلیغ کی غرض سے مختلف ممالک: ہندوستان، حجاز، اردن، شام، عراق، کویت، بحرین، سوڈان اور حبشہ میں جماعتوں کے ساتھ آنا جانا رہا۔

حضرت جیؒ مولانا محمد یوسف رحمہ اللہ کے وصال کے بعد حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی قدس سرہٗ سے آپؒ نے بیعت کی۔ حضرت مولانا محمد یحییٰ مدنیؒ اپنی بیعت کا واقعہ خود لکھتے ہیں:

۱۹۶۵ء میں حبشہ جماعت میں گیا، آخر میں حجاز واپسی ہوئی۔ ۱۹۶۶ء میں شام، اردن، پاکستان ہوتے ہوتے پھر حجاز مقدس واپسی ہوئی۔ حضرت جی مولانا انعام الحسن صاحب مدظلہ العالی مع حضرت قدس سرہٗ حجازِ مقدس تشریف لائے تو اس وقت بندہ نے حضرت کے ایک بہت ہی قریبی عزیز کے واسطے سے اپنے تعارف کے ساتھ کہ میں سہارن پور میں حاضر ہوتا رہا ہوں، بیعت کی درخواست کی، حضرت قدس اللہ سرہٗ نے جواباً کہلوایا کہ:

''میں اُسے خوب جانتا ہوں، اُس سے کہہ دینا کہ یوسف کی بیعت میری ہی بیعت تھی کہ میں نے ہی اُسے بیعت پر کھڑا کیا تھا، اب اگر تمہاری طبیعت میری طرف ہے تو خدمت کے لئے میں بھی حاضر ہوں''۔

پھر کیا تھا، دوسرے ہی دن بعد نمازِ فجر مدرسہ صولتیہ کے دیوان میں، جہاں حضرت شیخؒ کی مجلس ذکر ہوتی تھی، حضرت والا نے الفاظِ بیعت و توبہ کہلوائے۔

حضرت مولانا محمد یحییٰ مدنیؒ نے مدینہ منورہ میں سکونت اختیار کرلی تھی، اس لئے آپؒ کے نام کے ساتھ ''مدنی'' لکھا جاتا ہے اور آپؒ مدینہ منورہ سے سہارن پور حضرت شیخ قدس سرہٗ کی خدمت میں وقتاً فوقتاً حاضری دیا کرتے تھے۔ حضرت مولانا محمد یحییٰ مدنیؒ فرماتے ہیں: ایک مرتبہ بندہ نے حضرت قدس سرہٗ سے یکسو ہوکر صرف ذکر شغل کرنے کی اجازت چاہی تو فرمایا کہ:

''معمولات کے اہتمام اور پابندی کے ساتھ تبلیغی کام میں بھی شرکت کرتے رہو''۔

اور مزید لکھتے ہیں کہ: معاش کے سلسلہ میں مدینہ پاک میں دو ایک گھنٹے پارٹ ٹائم کے طور پر ٹائپ کا کام کرنے کی اجازت چاہی تو فرمایا: ''فی الحال تمہارے لئے کسی مشغلہ کی رائے نہیں، ہر شب جمعہ کو استخارہ اہتمام سے کرتے رہو''۔

مزید فرمایا کہ: ''والدین سے جو کچھ ملتا ہے، اس میں تدبیر وانتظام کے ساتھ اپنی ضروریات پوری کرو، دوسروں کو جب تک عطایا وغیرہ نہ کرو جب تک اللہ کی طرف سے تم پر ہدایا کا دروازہ نہیں کھلے''۔

حضرت مولانا محمد یحییٰ مدنیؒ اپنی خلافت کے احوال میں لکھتے ہیں: حسب معمول سحری شروع کی، سحر سے فراغ پر الحاج ابوالحسن آئے اور آواز دی کہ بھائی یحییٰ! حضرت یاد فرمارہے ہیں، بندہ معتکف میں حاضر ہوا، حضرت قدس سرہٗ سبز عمامہ باندھے ہوئے مراقب تھے، الحاج احمد ناخدا افریقی ثم مدنی مدظلہ العالی قریب میں بیٹھے ہوئے تھے اور دو زرد رنگ کے مصلے حضرت قدس سرہٗ کے سامنے رکھے ہوئے تھے، نیز پہنچنے پر حضرت قدس سرہٗ نے پوچھا کہ آ گئے؟ اور اس کے بعد میرا اور الحاج احمد ناخدا صاحب کا ہاتھ پکڑا، ارشاد فرمایا:

''اللہ جل شانہٗ نے مجھے جو حسن ظن تم دونوں سے پیدا فرمادیا ہے، اس حسن ظن کے ساتھ تم دونوں کو بیعت کی اجازت دیتا ہوں''۔

پھر ایک مصلی ہم دونوں کو عنایت فرمایا اور یہ ارشاد فرمایا کہ: ''یہ اس لئے تاکہ سلسلہ آگے چلے''۔

حضرت مولانا محمد یحییٰ مدنیؒ فرماتے ہیں کہ: حضرت شیخ قدس سرہٗ جب طویل قیام کی نیت سے حجاز مقدس تشریف لائے تو دس ماہ آپ کا قیام رہا اور ان دس ماہ میں حضرت شیخ قدس سرہٗ کے ساتھ ہی رہنا ہوا۔ اس سفر میں حضرت مولانا محمد یحییٰ مدنیؒ نے حضرت شیخ سے عرض کی کہ کالج کی تعلیم تو حاصل کی، اب علم دین پڑھنے کی خواہش ہے۔ آپ نے بخوشی اجازت مرحمت فرمائی اور ایک روز اقدام عالیہ میں بسم اللہ کرائی۔ میں نے عرض کیا کہ سہولت سے تکمیل کی دعا بھی فرمادیں تو حضرت شیخ قدس سرہٗ نے فرمایا کہ: کردی۔

آپؒ نے ۱۹۷۰ء سے ۱۹۷۴ء تک جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن میں درسِ نظامی کی تکمیل کی۔ محدث العصر حضرت علامہ محمد یوسف بنوری نوراللہ مرقدہٗ کی شفقتیں اور عنایتیں خوب سمیٹیں۔ بخاری شریف حضرت بنوریؒ سے پڑھنے کی سعادت حاصل کی۔

دینی تعلیم سے فراغ پر رمضان ۱۹۷۴ء میں مع اہل وعیال پھر مدینہ منورہ واپسی ہوئی اور حضرت شیخ قدس سرہٗ کی خدمت کے لئے ہر وقت کے حاضر باش ہوگئے۔ مجلس ذکر، مجلس عمومی، حرم شریف کی نشست اور خدمت میں شرکت روزانہ کا معمول بن گیا۔

جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن میں تدریس کے بارہ میں لکھتے ہیں: ''افریقہ کے رمضان میں حضرت والا سے اپنے بچوں کی تعلیم کے سلسلے میں کراچی قیام کے دوران جامعۃ العلوم الاسلامیہ میں تدریس کا مشورہ کیا، خوشی کا اظہار اور اجازت فرمائی۔ دوسال سے جامعہ میں ابتدائی مدرس کی خدمت پر مامور ہوا''۔

اپنے ادارہ جامعہ معہد الخلیل الاسلامی کی ابتداء کا احوال کچھ یوں لکھتے ہیں:

''کراچی میں اللہ تعالیٰ نے وسیع مکان عنایت فرمایا، جس میں انہی کے فضل اور توفیق سے ایک مدرسہ تحفیظ القرآن کھولا ہے، ان شاء اللہ! اس میں آگے ترقی ابتدائی کتب کی تدریس کرنے کا ہے، اللہ تعالیٰ آسان فرمائے''۔ (یہ معلومات ''حضرت شیخ الحدیث اوران کے خلفائے کرام'' کتاب سے لی گئی ہیں)

حضرت مولانا محمد یحییٰ مدنیؒ نے اس ادارہ کی بنیاد، اخلاص، توکل اور اعلائے کلمۃ اللہ کی غرض سے رکھی اور طے کیا کہ اس ادارہ میں شہری بچوں میں دین سے زیادہ دنیوی اور عصری تعلیم کی طرف رجحان ہوتا ہے، ان بچوں میں دین کا رجحان پیدا کرنے اور اُنہیں دین کی طرف راغب کرنے کی زیادہ ضرورت ہے اور ساتھ ہی طے فرمایا کہ اس دینی درس گاہ میں صرف دینی تعلیم ہی نہ ہوگی، بلکہ دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ روحانی تربیت، تزکیۂ نفس اور ذکر واذکار کی بھی عملی مشق ابتداء ہی سے کرائی جائے گی۔ الحمدللہ! حضرت نے اس پر عمل کرکے دکھایا۔ اسی تعلیم وتربیت کا اثر ہے کہ حضرت کی تمام اولاد الحمدللہ! عالم باعمل اور حضرت کے لئے صدقۂ جاریہ ہے۔ آپؒ کے ادارہ میں اکثر اساتذہ آپ ہی کے تربیت یافتہ اور اس ادارہ سے فارغ التحصیل ہیں۔ تحفیظ سے شروع ہونے والا یہ مکتب اب جامعہ بن چکا ہے۔ طلبہ وطالبات ہر ایک کے لئے دورہ حدیث تک تعلیم کا انتظام ہے اور اسی کے ساتھ دارالافتاء کا بھی اجراء کیا گیا ہے، جس کے صدر حضرت مولانا مفتی عبدالمجید دین پوری شہیدؒ تھے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ آپ کے اس ادارہ کو دن دوگنی رات چوگنی ترقی عطا فرمائیں اور ہر قسم کے شرور وآفات اور بلیات سے اس کی حفاظت فرمائیں۔ حضرتؒ نے اپنے پسماندگان میں ۷/بیٹے، ۵/بیٹیاں جو ماشاءاللہ ایک کے علاوہ سب کے سب عالم وعالمات ہیں اور حضرتؒ کے خطوط پر دین کا کام کررہے ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ انہیں ثابت قدمی عطا فرمائیں اور ان سے زیادہ سے زیادہ دین کا کام لیں۔

اللہ تعالیٰ حضرتؒ کی حسنات کو قبول فرماکر آپ کو جوارِ رحمت میں جگہ عطا فرمائیں، آپؒ کے تمام صدقاتِ جاریہ کو قبول فرمائیں، آپؒ کے اقرباء، اعزہ اور مسترشدین ومتوسلین کو صبر جمیل عطا فرمائیں۔

وصلی اللّٰہ علیٰ خیر خلقہٖ سیدنا محمد وعلیٰ آلہٖ وصحبہٖ أجمعین

قرآن مجید کیا ہے؟

حضرت مولانا محمد ادریس میرٹھیؒ

(۴)

علم سے متعلق سورۂ بقرۃ- آیۃ الکرسی قرآن کی عظیم ترین آیتوں میں سے ایک آیت- میں ارشاد ہے:

”وَلاَیُحِیْطُوْنَ بِشَیْئٍ مِّنْ عِلْمِہٖ إِلاَّ بِمَا شَاءَ“ . (البقرۃ:۵۵)

ترجمہ:۔”اور وہ اس اللہ کے علم کی کسی بھی چیز پر احاطہ نہیں کر سکتے بجز اس کے جو وہ خود (بتلانا) چاہے“۔

اسی ”بِمَا شَاءَ“ کا مصداق قرآن مجید اور علوم وحی ہیں، یعنی قرآن مجید خود بھی ایک کتاب مبین ہے، مگر وہ بڑی کتاب- ام الکتاب- کا ایک حصہ ہے۔ معلوماتِ الٰہیہ سے متعلق سورۂ لقمان میں ارشاد ہے:

”وَلَوْ أَنَّ مَا فِیْ الْأَرْضِ مِنْ شَجَرَۃٍ أَقْلاَمٌ وَّالْبَحْرُ یَمُدُّہٗ مِنْ بَعْدِہٖ سَبْعَۃُ أَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ کَلِمَاتُ اللّٰہِ إِنَّ اللّٰہَ عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ“. (لقمان:۲۷)

ترجمہ:۔”اور اگر (بالفرض) زمین میں جتنے درخت ہیں (ان کے) قلم ہوں اور سمندر اور اس کے بعد اس میں اضافہ ہو (اسی جیسے) سات سمندروں کا (سیاہی ہوں) اور ان لاتعداد قلموں اور سیاہی سے لکھے جائیں تب بھی اللہ کے کلمات (معلومات) نہیں ختم ہوں گے۔ بے شک اللہ بہت زبردست (علم کا مالک) حکمتوں والا ہے“۔

یہ معلوماتِ الٰہیہ کی ”لامتناہی“ فراوانی کا اجمالی بیان ہے۔ اس کی کسی قدر تفصیل سورۂ انعام کی آیت ذیل میں بیان فرمائی ہے:

”وَعِنْدَہٗ مَفَاتِحُ الْغَیْبِ لاَیَعْلَمُھَا إِلاَّ ھُوَ وَیَعْلَمُ مَا فِیْ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَۃٍ إِلاَّ یَعْلَمُھَا وَلاَحَبَّۃٍ فِیْ ظُلُمَاتِ الْأَرْضِ وَلاَرَطْبٍ وَّلاَیَابِسٍ إِلاَّ فِیْ کِتَابٍ مُّبِیْنٍ“۔ (الانعام:۵۹)

ترجمہ:۔''اور اللہ کے پاس غیب (کے خزانوں) کی کنجیاں ہیں، جن کو اس کے سوا کوئی بھی نہیں جانتا اور جو کچھ بھی بر و بحر -خشکی اور تری- میں ہے سب کو وہ جانتا ہے اور (کسی بھی درخت کا) جو کوئی پتا جھڑتا ہے اس کو بھی وہ جانتا ہے اور نہیں ہے زمین کی تاریک -آنکھوں سے اوجھل- تہوں میں کوئی بھی دانہ اور نہ کوئی تر اور نہ کوئی خشک چیز، مگر وہ سب واضح (اور مفصل) کتاب میں لکھی ہوئی ہے''۔

اس آیت کریمہ میں ''کتاب مبین'' -واضح اور مفصل کتاب- لوح محفوظ ہی کا دوسرا نام ہے، جو تمام کائنات کے اس علم تفصیلی اور معلوماتِ خداوندی پر محیط ہے، جس کو اس نے بقدر ضرورت و مصلحت بصورتِ کتاب منضبط کیا ہے اور اسی کتاب کا ایک حصہ قرآن مجید ہے۔''فِیْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ'' -لوح محفوظ میں- اور ''فِیْ أُمِّ الْکِتَابِ'' -ام کتاب میں- کی ظرفیت کا یہی مطلب ہے۔

قرآن مجید اللہ کا ازلی، ابدی اور قدیم کلام ہے

اللہ کا کلام بھی اللہ جل وعلیٰ کی ذات کی دیگر صفات کی طرح ازلی، ابدی اور قدیم ہے اور زمانی حدود و قیود -ماضی وحال و مستقبل- سے بالاتر اور وراء الوراء ہے۔ اللہ کی ذات اور جملہ صفات کی طرح اس اعلیٰ وارفع کا کلام بھی عقل انسانی کی دسترس سے قطعاً باہر ہے، نہ ہی حدوث وتجدد اور تغیر وتبدل اس میں راہ پا سکتے ہیں۔ چنانچہ اسی مذکورہ بالا آیت کریمہ کا تیسرا فقرہ ''وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ الخ'' اس امر کی قطعی دلیل ہے کہ ''حوادثِ متجدّدہ'' یعنی دنیا میں نو بنو اور روز بروز پیش آنے والے واقعات وحالات -آج کل کی اصطلاح میں کہئے جدید حالات- کا بھی حق جل وعلیٰ کو روزِ ازل سے ہی علم ہے، یعنی اس کے علم کے اعتبار سے کوئی بھی چیز ''نئی'' نہیں ہے، جس کی بنا پر اس کے بنائے ہوئے قانون الٰہی میں کسی ترمیم واصلاح یا تغیر وتبدل کا سوال پیدا ہو، اسی لئے سورۃ الکہف میں ارشاد ہے:

''وَاتْلُ مَا أُوْحِیَ إِلَیْکَ مِنْ کِتَابِ رَبِّکَ لاَمُبَدِّلَ لِکَلِمَاتِہٖ وَلَنْ تَجِدَ مِنْ دُوْنِہٖ مُلْتَحَداً''۔ (الکہف:۲۷)

ترجمہ:۔''اور (اے نبی!) جو تیرے رب کی کتاب وحی کے ذریعہ تیرے پاس بھیجی گئی ہے، اس کی بے دھڑک لوگوں کے سامنے) تلاوت کرو (پڑھ کر سناؤ) اس کی باتوں کو کوئی بھی بدلنے والا نہیں اور تو اس کے سوا کوئی بھی پناہ کی جگہ نہ پائے گا''۔

اس آیت کریمہ میں تو مُبدّل -تبدیلی کرنے والے- کی قطعی نفی کی گئی ہے اور سورۂ یونس میں ''تبدیلی'' کے امکان کی قطعی نفی کی گئی ہے، ارشاد ہے:

''لاتَبْدِیْلَ لِکَلِمَاتِ اللّٰہِ'' (یونس) یعنی ''اللہ کی باتوں کے بدلنے کا امکان نہیں''۔

اور سورۃ الفتح کی آیت کریمہ ذیل میں اعلان فرماتے ہیں کہ جو لوگ کلام اللہ -اللہ کی کسی بات

یا حکم- کو بدلنا چاہتے ہیں، وہ کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے۔

''یُرِیْدُوْنَ أَنْ یُّبَدِّلُوْا کَلاَمَ اللّٰہِ قُلْ لَّنْ تَتَّبِعُوْنَا کَذٰالِکُمْ قَالَ اللّٰہُ مِنْ قَبْلُ''۔ (الفتح:۱۵)

ترجمہ:۔''وہ (پیچھے رہنے والے منافق) چاہتے ہیں کہ اللہ کے کلام (حکم) کو بدل دیں تو (ان سے) کہہ دو: تم ہمارے ساتھ ہرگز نہیں چلو گے، اسی طرح تمہارے متعلق کہہ دیا ہے اللہ نے پہلے سے''۔

اور تو اور خود صاحبِ الہام نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی اپنی طرف سے کوئی تبدیلی نہیں کر سکتے، کسی اور کی تو مجال کیا ہے کہ اللہ کے کلام -قرآن- اور احکامِ الٰہیہ میں تغیر وتبدل اور ترمیم وتصرف کا نام لے۔ سورۂ یونس میں ارشاد ہے:

''وَإِذَا تُتْلٰی عَلَیْھِمْ آیَاتُنَا بَیِّنَاتٍ قَالَ الَّذِیْنَ لاَیَرْجُوْنَ لِقَاءَ نَا ائْتِ بِقُرْآنٍ غَیْرِ ھٰذَا أَوْ بَدِّلْہُ قُلْ مَا یَکُوْنُ لِیْ أَنْ أُبَدِّلَہٗ مِنْ تِلْقَاءِ نَفْسِیْ إِنْ اتَّبِعُ إِلاَّ مَا یُوْحٰی إِلَیَّ إِنِّیْ أَخَافُ إِنْ عَصَیْتُ رَبِّیْ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ''۔ (یونس:۱۵)

ترجمہ۔''اور جب ان (منکروں) کے سامنے ہماری واضح آیات پڑھی جاتی ہیں تو وہ لوگ جن کو ہم سے ملنے کا اندیشہ نہیں ہے، کہتے ہیں: ''اس کے علاوہ کوئی اور قرآن لاؤ یا اسی کو بدل دو'' تم کہہ دو! میری مجال نہیں کہ میں اپنی طرف سے اس کو بدل دوں، میں تو صرف اس کی پیروی کرتا ہوں جو وحی میرے پاس بھیجی گئی ہے، میں تو اگر اس کی نافرمانی کروں تو ایک بڑے دن (روز قیامت) کے عذاب سے ڈرتا ہوں''۔

قرآن میں تغیر وتبدل کرنا بہت بڑا ظلم ہے

بہرحال اللہ جل وعلیٰ کی صفات ''علم'' اور ''قدرت'' وغیرہ کی طرح ''کلام'' بھی ازلی، ابدی اور قدیم ہے۔ اس میں تغیر وتبدل اور اصلاح وترمیم نہ صرف یہ کہ ممکن نہیں، بلکہ بندوں کے ساتھ بہت بڑی ناانصافی اور ظلم ہے۔ سورۂ ''ق'' میں ارشاد ہے:

''مَا یُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَیَّ وَمَا أَنَا بِظَلاَّمٍ لِّلْعَبِیْدِ''. (ق:۲۹)

ترجمہ:۔''میرے ہاں بات بدلی نہیں جاتی اور میں (اپنے) بندوں کے حق میں ناانصاف مطلق نہیں ہوں''۔

اس آیت کریمہ میں ''لـــدیّ'' -میرے ہاں- خاص طور پر قابل غور ہے، یعنی جب اللہ جل وعلیٰ کا کلام -احکام اور فیصلے سب کے سب- لامحدود علم وحکمت اور کامل قدرتِ تدبیر وتصرف یعنی انصاف پر مبنی ہیں تو ایسی صورت میں بفرضِ محال جو بھی تغیر وتبدل، ترمیم واصلاح کی جائے گی یقیناً وہ علم وحکمت

کے خلاف اور بندوں کے ساتھ سراسر ناانصافی اور ظلم ہوگی، اس لئے کہ اللہ جل شانہٗ کا کلمہ - فیصلہ - سچائی اور عدل وانصاف پر مبنی ہے، اس کا خلاف یقیناً جھوٹ اور ظلم ہوگا، سورۂ انعام میں ارشاد ہے:

''وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ صِدْقاً وَّعَدْلاً لاَمُبَدِّلَ لِكَلِمَاتِهٖ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ''. (الأنعام:۱۱۵)

ترجمہ:۔''تیرے رب کا کلمہ سچائی اور عدل (وانصاف) کے اعتبار سے پورا (اور کامل) ہو چکا (اب) اس کے کلمات میں کوئی بھی تبدیلی کرنے والا نہیں (ہوسکتا) بے شک وہ خوب سننے اور خوب جاننے والا ہے''۔

بہرصورت قرآن کریم کی تصریحات اور صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ قرآن مجید، لوح محفوظ اورام الکتاب سے بیت المعمور - آسمانی کعبہ - کے ایک حصہ میں جس کا نام بیت العزت ہے، ایک کتاب کی صورت میں اللہ جل وعلیٰ نے منتقل فرمایا، سورۂ طور میں ارشاد ہے:

''وَالطُّوْرِ وَكِتَابٍ مَّسْطُوْرٍ فِيْ رَقٍّ مَّنْشُوْرٍ وَالْبَيْتِ الْمَعْمُوْرِ وَالسَّقْفِ الْمَرْفُوْعِ وَالْبَحْرِ الْمَسْجُوْرِ إِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ مَّالَهٗ مِنْ دَافِعٍ''۔ (الطّور:۱تا۸)

ترجمہ:۔''قسم ہے (کوہ) طور کی اور (وصلی کے) طویل وعریض ورقوں میں لکھی ہوئی کتاب کی اور سدا آباد گھر کی اور (زمین کی) بلند چھت (آسمان اول) کی اور طوفان خیز سمندر کی کہ تیرے پردرگار کا عذاب ضرور واقع ہوگا اور کوئی بھی اس کو روک نہیں سکتا''۔

اس آیت کریمہ میں اللہ جل وعلیٰ نے پانچ عظیم مظاہر قدرت الٰہیہ کی قسم کھائی ہے، جن کی تشریح یہ ہے:

''الطور'' کوہ طور ہے، جس پر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بلاواسطہ پردہ کے پیچھے سے کلام فرمایا ہے۔قرآن مجید میں اس کلام کا تفصیلی بیان متعدد سورتوں میں مفصل مذکور ہے۔اسی کوہِ طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی درخواست ''رَبِّ أَرِنِيْ أَنْظُرْ إِلَيْكَ''-اے میرے رب! تو خود کو مجھے دکھلا دے، میں تیری طرف دیکھوں گا- کے جواب میں حق جل وعلیٰ نے رؤیت (دیدار) کے بجائے اپنی ایک تجلی-جلوہ- کا اسی کوہِ طور پر اظہار فرمایا ہے، جس کے نتیجہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام بیہوش ہوکر گر پڑے اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہوگیا اور ہوش میں آنے کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے مشتاقانہ اصرار سے توبہ کی ہے، تفصیل کے لئے سورۂ اعراف ملاحظہ فرمائیے۔اللہ جل وعلیٰ کی رؤیت کی طرح اُس سے کلام بھی براہِ راست اور رودررو کسی مادی مخلوق کے لئے ناقابل برداشت ہے، چنانچہ سورۂ حشر کے رکوع:۳ میں ارشاد ہے:

''لَوْأَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْآنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَأَيْتَهٗ خَاشِعاً مُّتَصَدِّعاً مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ وَتِلْكَ الْأَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ''۔ (الحشر:۲۱)

ترجمہ:۔ ’’اگر (بالفرض) ہم اس قرآن کو پہاڑ پر اتار دیتے تو تو دیکھ لیتا کہ وہ اللہ کے خوف سے جھک جاتا، پھٹ جاتا اور یہ مثالیں ہم لوگوں کے لئے بیان کرتے ہیں، تاکہ وہ (حقائق الٰہیہ کو) سوچیں اور سمجھیں‘‘۔

اور یہی ہے اس قرآن کا وہ لاہوتی ثقل- گرانی اور شدت- جس سے اللہ جل وعلیٰ نے نزولِ قرآن شروع ہونے کے بعد کی دوسری ہی سورت سورۂ مزمل میں اپنے نبی علیہ الصلاۃ والسلام کو بھی اور آپ ﷺ کی امت کو بھی آگاہ اور خبردار کیا ہے کہ وہ نزول قرآن کے وقت قرآن کے خارق العادۃ -خلاف عادت اور غیر معمولی- حال سے بے حال کردینے والی گرانی سے گھبرا نہ جائیں یا اس کیفیت کو کوئی مرض- مرگی کا دورہ، وغیرہ- نہ سمجھ بیٹھیں، ارشاد ہے:

’’إِنَّا سَنُلْقِیْ عَلَیْکَ قَوْلاً ثَقِیْلاً‘‘. (المزمل:۵)

ترجمہ:۔ ’’بے شک ہم تجھ پر (فرشتہ کے واسطے سے) ایک بھاری کلام القاء کریں گے‘‘۔

’’کتاب مسطور‘‘ قرآن مجید ہے جو وصلی- باریک جھلی- کے کشادہ اور طویل وعریض اوراق میں لکھا گیا ہے۔

’’البیت المعمور‘‘- آباد گھر- وہ آسمانی کعبہ ہے جو زمینی کعبہ کی بالکل محاذات میں ہے اور ہر وقت طواف کرنے والے فرشتوں سے بھرا ہوا اور آباد رہتا ہے۔

’’السقف المرفوع‘‘- بلند چھت- پہلا آسمان ہے جو ہر سمت سے اس روئے زمین کی چھت کے مانند ہے، جیسا کہ ہم عرض کرچکے ہیں۔ روایات اور احادیث سے اس اجمال کی تفصیل معلوم ہوتی ہے کہ سقفِ مرفوع -آسمان اول- پر ہی بیت المعمور ہے اور اسی کے کسی حصہ میں یا اس کے آس پاس بیت العزت ہے، جس میں پورا کا پورا لکھا ہوا قرآن رکھا گیا ہے۔ ’’ان لکھنے والوں کا‘‘ اور اس ’’قلم الٰہی‘‘ کا جس سے ام الکتاب- لوح محفوظ- اور قرآن لکھا گیا ہے اور ’’لکھنے‘‘ کا ذکر سورۂ قلم میں اور سورۂ عبس میں موجود ہے۔ سورۃ القلم میں ارشاد ہے:

’’وَالْقَلَمِ وَمَا یَسْطُرُوْنَ مَا أَنْتَ بِنِعْمَتِ رَبِّکَ بِمَجْنُوْنٍ‘‘۔ (القلم:۱،۲)

ترجمہ:۔ ’’قسم ہے قلم کی اور (فرشتوں کے) لکھنے کی کہ تو اپنے رب کے فضل وانعام سے پاگل ہرگز نہیں ہے‘‘۔

سورۂ عبس میں ارشاد ہے:

’’کَلَّا إِنَّهَا تَذْکِرَةٌ فَمَنْ شَاءَ ذَکَرَهٗ فِیْ صُحُفٍ مُّکَرَّمَةٍ مَّرْفُوْعَةٍ مُّطَهَّرَةٍ بِأَیْدِیْ سَفَرَةٍ کِرَامٍ بَرَرَةٍ‘‘۔ (عبس:۱۱،۱۲،۱۳،۱۴،۱۵،۱۶)

ترجمہ:۔ ’’ایسا نہیں ہے (کہ تم لوگوں کے پیچھے پڑو) بے شک یہ تو ایک نصیحت (کی

کتاب) ہے، پس جو چاہے اس سے نصیحت حاصل کر لے، لائق احترام بلند و برتر پاک پاکیزہ صحیفوں میں (لکھی ہوئی) بڑے رتبے والے نیک طینت لکھنے والوں کے ہاتھوں سے''۔

''**صحف مکرمة**'' سے مراد قرآن مجید کی ۱۱۴ سورتیں ہیں۔ اسی طرح سورۃ البینۃ میں حسبِ ذیل الفاظ میں خبر دی ہے:

''**رَسُوْلٌ مِّنَ اللهِ يَتْلُوْا صُحُفاً مُّطَهَّرَةً فِيْهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ**''. (البینۃ:۲،۳)

ترجمہ:۔''اللہ کا رسول جو پڑھ کر سناتا ہے، (باطل سے) پاک و پاکیزہ صحیفے جن میں محکم لکھے ہوئے مقیاس ہیں''۔

اس لئے کہ ہر سورت ایک مستقل صحیفہ-آسمانی کتاب- ہے اور یہ تمام صحیفے -سورتیں- خدائے پاک و برتر کا کلام ہونے کی بنا پر''لائق احترام'' اور رفعتِ مکان کے اعتبار سے''بلند و برتر'' اور باطل کی آمیزش سے ''پاک و پاکیزہ'' ہیں۔ ان کے لکھنے والے فرشتے بھی ملکوتی اور نوری مخلوق ہونے کی بنا پر''بڑے رتبے والے'' اور''نیک طینت'' ہیں، ان سے ذرہ برابر حکم الٰہی کی تعمیل لکھنے میں غلطی یا کوتاہی کا امکان ہے ہی نہیں۔

آسمان پر پورا قرآن کس تاریخ کو اترا؟

قرآن مجید حق جل وعلیٰ نے کتابی شکل میں لوح محفوظ سے آسمان اول پر ماہِ رمضان المبارک کی ستائیسویں شب لیلۃ القدر میں اتارا ہے، ارشاد ہے:

۱......''**شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْ أُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْآنُ هُدًى لِّلنَّاسِ**''. (البقرۃ:۱۸۵)

ترجمہ:۔''رمضان کا مہینہ وہ مبارک مہینہ ہے، جس میں قرآن اتارا گیا لوگوں کی ہدایت کے لئے''۔

۲......''**إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ**''. (القدر:۱)

ترجمہ:۔''بے شک ہم ہی نے اس (قرآن) کو لیلۃ القدر میں نازل کیا''۔

۳:......''**إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِيْ لَيْلَةٍ مُّبَارَكَةٍ إِنَّا كُنَّا مُنْذِرِيْنَ**''. (الدخان:۳)

ترجمہ:۔''بے شک ہم ہی نے اس (قرآن) کو اتارا ہے ایک برکت والی رات (لیلۃ القدر) میں، اس لئے کہ ہم (اپنے بندوں کو) خبردار کر دینے والے ہیں''۔

محققین مفسرین کا اس پر اتفاق ہے کہ اس''**لیلة مبارکة**'' سے لیلۃ القدر ہی مراد ہے، جیسا کہ سورۂ لیلۃ القدر میں تصریح ہے۔

(جاری ہے)

ووٹ کی شرعی حیثیت

مولانا قاضی محمد نسیم صاحب
مدرسہ نجم المدارس کلاچی

ووٹ امانت ہے اوراس کا صحیح استعمال اسلامی فریضہ ہے۔اس اسلامی ذمہ داری کو مفاد پرستی، سڑکوں، گلی کوچوں، کھمبوں، ٹرانسفارمروں اور آلو پیاز کی بھینٹ نہ چڑھایا جائے۔ملک پاکستان میں حالات دن بدن بدتر ہوتے جارہے ہیں۔انتخابات میں ووٹ استعمال کرتے وقت اس کو خالص دنیاوی معاملہ سمجھا جاتا ہے، حالانکہ ووٹ امانت ہے اوراس کا صحیح استعمال دینی فریضہ ہے۔اگر اہلِ وطن اس دینی امانت اوراسلامی فریضہ کی ادائیگی میں ہمیشہ کی طرح سُستی اور کاہلی برتتے رہے تو نہ ملک کا کوئی طبقہ محفوظ رہے گا اور نہ ہی کوئی مقام۔اگر ووٹ کا استعمال اسلامی فریضہ کی بجائے اپنے ذاتی مفادات کو مدنظر رکھتے ہوئے کیا جاتا رہا تو خدا نہ کرے یہ ملک ہی باقی نہ رہے گا۔اہل وطن کی یہ روش جو ملک میں چل پڑی ہے، اگر یکسر تبدیل نہیں کی جائے گی تو ملک سے بدامنی، غربت وافلاس، بے روزگاری کا خاتمہ ناممکن ہوگا۔جس طرح الیکشن کمیشن کی ذمہ داری ہے کہ وہ انتخابات کو صاف شفاف رکھنے کی ہر ممکن کوشش کرے تو ساتھ ساتھ امیدواروں کے صاف شفاف ہونے کی ذمہ داری کا احساس بھی پوری تندہی سے ادا کرے۔

الیکشن کمیشن سے زیادہ ذمہ داری عوام وووٹروں کی ہے کہ وہ ووٹ کو امانت اوراسلامی ذمہ داری کے طور پر استعمال کریں۔اکثر و بیشتر کئی دہائیوں سے دیکھا جارہا ہے کہ انتخابات کے شروع ہوتے ہی غریب عوام جو مہنگائی، غربت، بے روزگاری کی ماری ہوئی ہے، اور مفاد پرست اشخاص اس وقت کو غنیمت سمجھتے ہوئے لیڈروں، پارٹیوں اوران کے دلالوں سے کچھ وصول کرنے کے لئے دوڑیں لگانے لگ جاتے ہیں۔نوکریوں کے حصول اور آلو پیاز کی فکر میں بے حسی، مفاد پرستی اور ضمیر کی کمزوری بلکہ ضمیر فروشی کا ثبوت دیتے ہوئے اور ملک کی بقاء کو داؤ پر لگاتے ہوئے اپنی عزت نفس اوراپنے بڑوں کے ناموس کو پس پشت ڈال کر یہ سوداگر چھوٹے بڑے بیوپاریوں کے دروازے کھٹکھٹانے لگ جاتے ہیں۔الیکشن کی اصل روح اوراصل مقصد کسی کے پیش نظر نہیں ہوتا۔ ہر ایک امیدوار نے بھی اور ووٹروں نے بھی اپنے مفاد کو سب کچھ سمجھا ہوتا ہے، اوران کے مدنظر چل کی خیر کل کی خیر ہوتی ہے۔ووٹ استعمال کرنے کا مقصد ایسے

باکردار لوگوں کو منتخب کرنا ہوتا ہے جو ملک کے خیر خواہ ہوں، ملکی مفاد، ملک کی بقاء اور استحکام کا درد رکھنے والے ہوں اور نفاذِ شریعت ان کی اولین ترجیح ہو، نہ کہ ایسے آدمی کو منتخب کریں کہ جن کا نظریہ اور مشن صرف اور صرف اپنی تجوریاں بھرنا ہو، نیز یہ بھی ضروری ہے کہ امیدوار خدا اور رسول ﷺ کے دین کا باغی اور منکر بھی نہ ہو۔

ووٹ کا استعمال

ہم سنی مسلمان اپنا ووٹ اس امیدوار کے حق میں استعمال کریں گے جو صوم وصلوٰۃ کا پابند ہو، نشہ آور اشیاء کا عادی نہ ہو، جواری اور سود خور نہ ہو، وطن پاکستان کو جسے لاکھوں مسلمانوں نے جان، مال اور عزتوں کی قربانی دے کر اسلامی نظام حکومت، نظامِ معیشت، نظامِ عدالت کے لئے حاصل کیا تھا، اس کی مقنّنہ اور بااختیار اسمبلی میں غیر مسلم شریک نہ کیا جائے، بالکل اسی طرح جس طرح کہ روسی نظام کا قائل امریکہ کی ریاستوں میں شامل نہیں کیا جاتا اور اسی طرح امریکی نظام کو ماننے والا روسی حکومت میں برداشت اور شامل نہیں کیا جاتا۔ اگر ان شرطوں کا کوئی امیدوار نہ ملے تو اس سے بہتر ہے کہ پھر ووٹ استعمال ہی نہ کیا جائے۔

ووٹ ایک شرعی شہادت

ووٹ نمائندہ کے حق میں شہادت ہے۔ اور ہر اکیس سالہ شہادت کا اہل نہیں ہوتا، شہادت کے لئے صرف بالغ ہونا کافی نہیں، بلکہ جھوٹ کا عادی نہ ہونا بھی ضروری ہے یا خوفِ خدا کی وجہ سے جس کی علامت کم از کم صوم وصلوٰۃ کی پابندی ہے، جیسے سطور بالا میں عرض کیا گیا۔ مولانا مفتی محمد شفیعؒ نے معارف القرآن جلد دوم آیت ''أَنْ تُـؤَدُّوا الْأَمَـانَـاتِ إِلٰـى أَهْلِهَا'' کے متعلق لکھا ہے: آیت کا نزول اگرچہ ایک خاص واقعہ میں ہے، لیکن حکم عام جس کی پابندی پوری امت کے لئے ضروری ہے۔ ''إِنَّ اللّٰهَ يَـأْ مُـرُكُمْ أَنْ تُـؤَدُّوا الْأَمَـانَـاتِ إِلٰـى أَهْلِهَا'' یعنی اللہ تعالیٰ تم کو حکم دیتا ہے کہ امانتیں ان کے مستحقین کو پہنچایا کرو (اسی طرح ووٹ بھی ایک شہادت اور امانت ہے) جس کے ہاتھ میں کوئی امانت ہے، اس پر لازم ہے کہ یہ امانت اس کے اہل و مستحق کو پہنچادے۔ حکومت کے مناصب (عہدے) جتنے بھی ہیں، وہ سب اللہ کی امانتیں ہیں، جس کے امین وہ حکام اور افسر ہیں جن کے ہاتھ عزل ونصب کے اختیارات ہیں، ان کے لئے جائز نہیں کہ کوئی عہدہ کسی ایسے شخص کے سپرد کردیں جو اپنی عملی یا علمی قابلیت کے اعتبار سے اس کا اہل نہیں ہے، بلکہ ان پر لازم ہے کہ ہر کام اور ہر عہدہ کیلئے اپنے دائرۂ حکومت میں اس کے مستحق کو تلاش کریں۔

ایک حدیث میں ارشاد ہے: جب دیکھو کہ کاموں کی ذمہ داری ایسے لوگوں کے سپرد کردی گئی جو اس کے اہل نہیں تو (اب فساد کا کوئی علاج نہیں) قیامت کا انتظار کرو۔ اب ہر شخص یہ سوچ سمجھ کر ووٹ استعمال کرے کہ آیا میرا ووٹ ایسے شخص کے حق میں تو نہیں جارہا جس کا قرآن وحدیث سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔ آج جو پوری دنیا خصوصاً اسلامی ملک پاکستان میں جو فساد، بدامنی، دہشت گردی اور تخریب کاری کی

آگ سلگ رہی ہے، یہ ہمارے غلط انتخاب کا نتیجہ ہوتا ہے۔ قرآن کریم نے لفظ ’’أمانات‘‘ صیغۂ جمع لاکر اس کی طرف اشارہ کردیا کہ امانت صرف اسی کا نام نہیں کہ ایک شخص کا مال کسی دوسرے شخص کے پاس بطور امانت رکھا ہو، بلکہ امانت کی بہت سی اقسام ہیں، جن میں حکومتی عہدے بھی داخل ہیں۔ انتخابات میں ووٹ، ووٹر اور امیدوار کی شرعی حیثیت ’’مفتی محمد شفیع صاحبؒ‘‘ کے رسالے سے ضروری سمجھ کر تحریر کرتا ہوں۔

امیدواری

کسی مجلس کی ممبری کے انتخابات کیلئے جو امیدوار کی حیثیت سے کھڑا ہو، وہ گویا پوری ملت کے سامنے دو چیزوں کا مدعی ہے: ایک یہ کہ وہ اس کام کی قابلیت رکھتا ہے، جس کا وہ امیدوار ہے، دوسرے یہ کہ وہ دیانت داری سے اس کام کو انجام دے گا۔

اب اگر واقع میں وہ اپنے اس دعویٰ میں سچا ہے، یعنی قابلیت رکھتا ہے اور امانت و دیانت کے ساتھ قوم کی خدمت کے جذبے سے اس میدان میں آیا تو اس کا یہ عمل کسی حد تک درست ہے اور بہتر طریق اس کا یہ ہے کہ کوئی شخص خود مدعی بن کر کھڑا نہ ہو، بلکہ مسلمانوں کی کوئی جماعت اس کو اس کام کا اہل سمجھ کر نامزد کردے اور جس شخص میں اس کام کی صلاحیت ہی نہیں، وہ اگر امیدوار ہو کر کھڑا ہو تو قوم کا غدار اور خائن ہے، اس کا ممبری میں کامیاب ہونا ملک وملت کیلئے خرابی کا سبب تو بعد میں بنے گا، پہلے تو وہ خود غدار اور خیانت کا مجرم ہو کر عذابِ جہنم کا مستحق بن جائے گا۔

اب ہر وہ شخص جو کسی مجلس کی ممبری کیلئے کھڑا ہوتا ہے، اگر اس کو کچھ آخرت کی بھی فکر ہے تو اس میدان میں آنے سے پہلے خود اپنا جائزہ لے لے، اور یہ سمجھ لے کہ اس ممبری سے پہلے تو اس کی ذمہ داری صرف اپنی ذات اور اپنے اہل وعیال تک محدود تھی، کیونکہ بنصِ حدیث ہر شخص اپنے اہل وعیال کا بھی ذمہ دار ہے اور اب کسی مجلس کی ممبری کے بعد جتنی خلق خدا کا تعلق اس مجلس سے وابستہ ہے، ان سب کی ذمہ داری کا بوجھ اس کی گردن پر آتا ہے اور وہ دنیا وآخرت میں اس ذمہ داری کا مسئول اور جوابدہ ہے۔

ووٹ اور ووٹر

کسی امیدوارِ ممبری کو ووٹ دینے کی از روئے قرآن وحدیث چند حیثیتیں ہیں: ایک حیثیت شہادت کی ہے کہ ووٹر جس شخص کو اپنا ووٹ دے رہا ہے، اس کے متعلق اس کی شہادت دے رہا ہے کہ یہ شخص اس کام کی قابلیت بھی رکھتا ہے اور دیانت اور امانت بھی۔ اور اگر واقع میں اس شخص کے اندر یہ صفات نہیں ہیں اور ووٹر یہ جانتے ہوئے اس کو ووٹ دیتا ہے تو وہ ایک جھوٹی شہادت ہے، جو سخت کبیرہ گناہ اور وبالِ دنیا وآخرت ہے۔ صحیح بخاری شریف کی حدیث میں رسول کریم ﷺ نے شہادت کاذبہ کو شرک کے ساتھ کبائر میں شمار فرمایا ہے۔

جس حلقے میں چند امیدوار کھڑے ہوں اور ووٹر کو یہ معلوم ہے کہ قابلیت اور دیانت کے اعتبار سے فلاں آدمی قابل ترجیح ہے تو اس کو چھوڑ کر کسی دوسرے کو ووٹ دینا اس اکبر کبائر میں اپنے آپ کو مبتلا کرنا ہے۔ اب ووٹ دینے والا اپنی آخرت اور انجام کو دیکھ کر ووٹ دے، محض رسمی مروت یا کسی طمع و خوف کی وجہ سے اپنے آپ کو اس وبال میں مبتلا نہ کرے۔

دوسری حیثیت ووٹ کی شفاعت یعنی سفارش کی ہے کہ ووٹر اس کی نمائندگی کی سفارش کرتا ہے۔ اس سفارش کے بارے میں قرآن کریم کا یہ ارشاد ہر ووٹر کو اپنے سامنے رکھنا چاہئے:

”مَنْ يَشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَّكُنْ لَّهُ نَصِيبٌ مِّنْهَا وَمَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً سَيِّئَةً يَّكُنْ لَّهُ كِفْلٌ مِّنْهَا“. (النساء:۸۵)

ترجمہ: ”جو شخص اچھی سفارش کرتا ہے تو اس میں اس کو بھی حصہ ملتا ہے اور بری سفارش کرتا ہے تو اس کی برائی میں اس کا بھی حصہ لگتا ہے“۔

اچھی سفارش یہی ہے کہ قابل اور دیانت دار آدمی کی سفارش کرے جو خلق خدا کے حقوق صحیح طور پر ادا کرلے۔ اور بری سفارش یہ ہے کہ نااہل، نالائق، فاسق اور ظالم کی سفارش کرکے اس کو خلق خدا پر مسلط کرلے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ہمارے ووٹوں سے کامیاب ہونے والا امیدوار اپنے پانچ سالہ دور میں جو نیک یا بدعمل کرے گا، ہم اس کے شریک سمجھے جائیں گے۔

ووٹر کی ایک تیسری حیثیت وکالت کی ہے کہ ووٹ دینے والا اس امیدوار کو اپنا نمائندہ اور وکیل بناتا ہے، لیکن اگر یہ وکالت اس کے کسی شخصی (ذاتی) حق کے متعلق ہوتی اور اس کا نفع نقصان صرف اس کی ذات کو پہنچتا اور اس کا یہ خود ذمہ دار ہوتا، تو پھر بھی معاملہ ہلکا تھا، مگر یہاں ایسا نہیں، کیونکہ یہ وکالت ایسے حقوق کے متعلق ہے جس میں اس کے ساتھ پوری قوم شریک ہے، اس لئے اگر کسی نااہل کو اپنی نمائندگی کیلئے ووٹ دے کر کامیاب بنایا تو پوری قوم کے حقوق کو پامال کرنے کا گناہ بھی اس کے گردن پر رہا۔

خلاصہ یہ ہے کہ ہمارا ووٹ تین حیثیتیں رکھتا ہے: ا:...... ایک شہادت۔ ۲:...... دوسرے سفارش۔ ۳:...... تیسرے حقوقِ مشترکہ میں وکالت۔ تینوں حیثیتوں میں جس طرح نیک، صالح، قابل آدمی کو ووٹ دینا موجب ثوابِ عظیم ہے اور اس کے ثمرات اس کو ملنے والے ہیں، اسی طرح نااہل یا غیر متدین شخص کو ووٹ دینا جھوٹی شہادت بھی ہے اور بری سفارش بھی اور ناجائز وکالت بھی اور اس کے تباہ کن ثمرات بھی اس کے نامۂ اعمال میں لکھے جائیں گے۔

ضروری تنبیہ!

جس طرح قرآن وسنت کی رو سے یہ واضح ہوا کہ نااہل، ظالم، فاسق اور غلط آدمی کو ووٹ دینا گناہ عظیم ہے، اسی طرح ایک اچھے، نیک اور قابل آدمی کو ووٹ دینا ثواب عظیم ہے، بلکہ ایک فریضۂ شرعی ہے۔

قرآن کریم نے جیسے جھوٹی شہادت کو حرام قرار دیا ہے، اسی طرح سچی شہادت کو واجب ولازم بھی فرمایا ہے۔

آج جو خرابیاں انتخابات میں پیش آرہی ہیں، ان کی بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ نیک، صالح حضرات عموماً ووٹ دینے ہی سے گریز کرنے لگے، جس کا لازمی نتیجہ وہ ہوا جو مشاہدہ میں آرہا ہے کہ ووٹ عموماً ان لوگوں کے آتے ہیں جو چند ٹکوں میں خرید لئے جاتے ہیں اور ان لوگوں کے ووٹوں سے جو نمائندے پوری قوم پر مسلط ہوتے ہیں، وہ ظاہر ہے کہ کس کماش اور کس کردار کے لوگ ہوں گے! اس لئے جس حلقہ میں کوئی بھی امیدوار قابل اور نیک معلوم ہو، اُسے ووٹ دینے سے گریز کرنا بھی شرعی حرام اور پوری قوم وملت پر ظلم کے مترادف ہے۔

اور اگر کسی حلقہ میں کوئی بھی امیدوار صحیح معنیٰ میں قابل اور دیانتدار نہ ہو، مگر ان میں سے کوئی ایک صلاحیت کار اور خدا ترسی کے اصول پر دوسروں کی نسبت غنیمت ہو تو تقلیل شر اور تقلیل ظلم کی نیت سے اس کو بھی ووٹ دے دینا جائز، بلکہ مستحسن ہے۔ مختصر یہ کہ انتخابات میں ووٹ کی شرعی حیثیت کم از کم ایک شہادت کی ہے، جس کا چھپانا بھی حرام ہے اور اس میں جھوٹ بولنا بھی حرام اور اس پر کوئی معاوضہ لینا بھی حرام، اس میں محض ایک سیاسی ہار جیت اور دنیا کا کھیل سمجھنا بڑی بھاری غلطی ہے۔

آپ جس امیدوار کو ووٹ دیتے ہیں، شرعاً آپ اس کی گواہی دیتے ہیں کہ یہ شخص اپنے نظریے اور علم وعمل اور دیانتداری کی رو سے اس کام کا اہل اور دوسرے امیدواروں سے بہتر ہے۔ جس مقصد کے لئے یہ انتخابات ہو رہے ہیں، اس کی حقیقت کو سامنے رکھیں اور اس سے مندرجہ ذیل نتائج برآمد ہوتے ہیں:

۱:...... آپ کے ووٹ اور شہادت کے ذریعے جو نمائندہ کسی اسمبلی میں پہنچے گا، وہ اس سلسلہ میں جتنے اچھے یا بُرے اقدامات کرے گا، اُن کی ذمہ داری آپ پر عائد ہوگی، آپ بھی اُس کے ثواب یا عذاب میں برابر شریک ہوں گے۔

۲:...... اس معاملہ میں یہ بات خاص طور پر یاد رکھنے کی ہے کہ شخصی معاملات میں کوئی غلطی بھی ہو جائے تو اس کا اثر بھی شخصی اور محدود ہوتا ہے، ثواب بھی محدود، عذاب بھی محدود، لیکن قومی اور ملکی معاملات سے پوری قوم متاثر ہوتی ہے۔

۳:...... سچی شہادت کا چُھپانا از روئے قرآن حرام ہے، اس لئے کسی حلقۂ انتخاب میں اگر کوئی صحیح نظریہ کا حامل اور دیانت دار نمائندہ کھڑا ہے تو اس کو ووٹ دینے میں کوتاہی کرنا گناہ کبیرہ ہے۔

۴:...... جو امیدوار نظریۂ اسلامی کے خلاف کوئی نظریہ رکھتا ہے، اس کو ووٹ دینا ایک جھوٹی شہادت ہے، جو گناہ کبیرہ ہے۔

۵:...... ووٹ کو پیسوں کے معاوضے میں دینا بدترین قسم کی رشوت ہے اور چند ٹکوں کی خاطر اسلام اور ملک سے بغاوت ہے۔ دوسروں کی دُنیا سنوارنے کیلئے اپنا دین قربان کردینا کتنے ہی مال و دولت کے بدلے میں ہو، کوئی دانشمندی نہیں ہوسکتی۔ رسول پاک ﷺ نے فرمایا ہے کہ: ''وہ شخص سب سے زیادہ خسارے میں ہے جو دوسرے کی دنیا کے لئے اپنا دین کھو بیٹھے''۔

جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی، کردار واثرات

مفتی رفیق احمد بالاکوٹی

وسعت کا راز............تحدید کی تدبیر

جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی کو اللہ تعالیٰ نے من جملہ دیگر خصوصیات کے چار بنیادی خصوصیات اور امتیازات سے نوازا ہے: پہلی خصوصیت و امتیاز ''مقبولیت و مرجعیت'' ہے، جو حضرت بانیٔ جامعہ اوران کے رب کریم کے درمیان اخلاص تام ومناجات خاصہ کا نتیجہ ہے۔

دوسری خصوصیت: جو پہلی خصوصیت ہی کا ثمرہ ہے، وہ یہ ہے کہ امت کی نفع رسانی اور فیض فراہمی میں اس ادارے کو اللہ تعالیٰ نے ملک کے چپے چپے سے لے کر عالمِ انسانیت کے اطراف و اکناف تک رسائی اوراثر رورسوخ سے نوازرکھا ہے۔ پاکستان کا کوئی علاقہ یا دنیا کا کوئی خطہ بنوری ٹاؤن کے علمی وروحانی فیض سے شاید ہی خالی ہو،وللّٰہ الحمد والمنة۔

تیسری خصوصیت: خدمتِ دین، احیاءِ دین اور ابقاءِ دین کے لئے مخلصانہ، والہانہ جذبات وافکار یہاں کے ہر فاضل اور طالب علم کو غیبی خزائن کے طور پر ودیعت ہوجاتے ہیں، جن کی تحریض وتحریک، بنوری ٹاؤن کے طالبِ علم اور فاضل کو دینِ اسلام کی خدمت میں مصروف رکھنے کے لئے کسی نہ کسی شعبہ سے وابستگی پر مجبور کردیتی ہے، جس کا دنیوی صلہ اپنی مادرعلمی کی طرح مقبولیت و مرجعیت کی شکل میں ملنے لگتا ہے اور بنوری ٹاؤن کے فاضل کا دینی کردار، دین کے ہر شعبہ میں امتیازی وقائدانہ قرار پاتا ہے، جس کا فطری ردِعمل یہ سامنے آتا ہے کہ دشمنانِ اسلام اور ہر شعبۂ زندگی سے وابستہ بے دین افراد بنوری ٹاؤن کو اپنا حریف ومقابل سمجھ کراس کے بارے میں منفی فکر وعمل کا مظاہرہ کرتے ہیں اور جامعہ کو دور سے دیکھنے اور سننے والے سادہ لوح لوگ ایسے منفی افکار وکردار سے متاثر ہوکر غلط فہمی کا شکار بھی ہوجاتے ہیں۔

جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کی ایک چوتھی نمایاں، بے مثال خصوصیت جو مذکورہ تینوں خصوصیات کا مجموعہ، نتیجہ یا لازمہ ہے، وہ یہ ہے کہ بنوری ٹاؤن دنیا کے ان منفرد اداروں میں سے ایک

ادارہ ہے جہاں دنیا کے ہر ملک اور اپنے ملک کے ہر خطے اور ہر زبان کے طالب علم پڑھتے ہیں اور پڑھ چکے ہیں۔ مرکز (بنوری ٹاؤن) میں کراچی کی مقامی قوموں اور زبانوں والے جب کہ شاخوں میں کراچی سے باہر کی قوموں اور زبانوں والے طلبہ زیادہ ہیں۔ اس وقت مجموعی تعداد تقریباً ۱۲۰۰۰ ہے اور اس علاقائی ولسانی تنوع کے باوجود آج تک ہمارے علماء وطلبہ کے درمیان علاقائیت ولسانیت کی بنیاد پر پیش آنے والے کسی واقعہ کی ادنیٰ مثال پیش نہیں کی جاسکتی۔ یہ خصوصیت جامعہ کے علاوہ دیگر دینی مدارس میں بھی نمایاں طور پر موجود ہے جو خالص دینی تعلیم وتربیت کا نتیجہ ہے، بنوری ٹاؤن کو یہاں اپنے مدارس میں بھی ایک امتیاز حاصل ہے کہ یہاں ادارے کے اہتمام وانتظام کے اندر بھی علاقائی ولسانی شناخت کو دین ودیانت کے پاؤں تلے روندنے کی اعلیٰ مثال بھی ملتی ہے۔

چنانچہ جامعہ کے پہلے مہتمم وبانی محدث العصر حضرت علامہ سید محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ نسلاً حسینی سید، آبائی وطن کے لحاظ سے ہندوستان کی ریاست پٹیالہ کے ایک قصبہ ''بنور'' سے تعلق رکھنے والے تھے، پھر آباء واجداد تجارتی اسفار میں آتے جاتے جلال آباد اور پشاور میں اقامت پذیر ہوئے، حضرت بنوریؒ نے علمی وعملی زندگی ڈابھیل (گجرات) یا پھر سندھ میں گزاری، اور یہیں سندھ (کراچی) میں مدفون ہوئے۔ ان کے سانحۂ ارتحال کے بعد ان کی مسندِ اہتمام پر حضرت مولانا مفتی احمد الرحمٰن رحمہ اللہ مسند نشین ہوئے، جو نسلاً پشتون اور وطناً صوبہ پنجاب کے ضلع اٹک سے تعلق رکھنے والے تھے۔ ان کے بعد بنوری ٹاؤن کے مسندِ اہتمام پر حضرت مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار دہلوی شہید رحمہ اللہ فائز ہوئے، جو ہندوستان سے قیامِ پاکستان کی تحریک میں شامل ہو کر ہجرت کرکے آنے والے پاکستانیوں میں شمار ہوتے تھے، اور پھر ان کی شہادت فاجعہ کے بعد مسندِ اہتمام جن کے سپرد ہوا، وہ حضرت مولانا ڈاکٹر عبد الرزاق اسکندر صاحب (زید مجدھم و طال بقائھم بالصحۃ والعافیۃ) ہیں، جن کا آبائی تعلق ہزارہ ڈویژن کے ضلع ایبٹ آباد سے ہے۔

جامعہ بنوری ٹاؤن کی یہ بے مثال خصوصیات جہاں خالص وقف دینی ادارہ ہونے کی دلیل ہیں، وہاں لسانیات وعلاقائیت زدہ ذہنیت کے لئے مختلف زبانوں اور قوموں پر مشتمل حسین گلدستہ کا مظہر بھی ہیں، جہاں ہر قوم اور زبان کے لوگ بلا امتیازِ ذات سجتے اور جچتے رہے ہیں، اور الحمد للہ! اب بھی جامعہ کے ہر شعبہ میں یہی مظہر ومنظر پیش ہورہا ہے۔

جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی کی یہی وہ خصوصیات ہیں جو اعداءِ اسلام اور دشمنانِ وطن اور وحدتِ ملی کے ڈاکہ زنوں کو چبھتی ہیں اور وہ جامعہ کے بارے میں عدمِ برداشت کا شکار ہیں۔ ایک عرصہ سے مختلف حربوں کے ذریعہ بنوری ٹاؤن کے ''کردار واثرات'' کو کم کرنے کی ناکام

کوششیں ہورہی ہیں، کبھی جھوٹے پروپیگنڈے کئے جاتے ہیں، کبھی یہاں کے علماء وطلبہ کو آتے جاتے ہوئے جامِ شہادت تھما دیا جاتا ہے۔ لیکن دشمنانِ اسلام اور بنوری ٹاؤن کے حاسدین کو یہ معلوم ہونا چاہئے کہ جامعہ الحمدللہ! خالص دینی تعلیمی ادارہ ہے، جو دینِ اسلام کی نشر واشاعت اور حفاظت کے خدائی منصب کا رکھوالا ہے، جس طرح اسلام کو مٹانے والے خود مٹ گئے اور نیست و نابود ہوگئے، اسی طرح اس مرکزِ دین کو ویران کرنے اور اس کے ''کردار واثرات'' کو محدود کرنے کی ناکام کوششیں کرنے والے بھی خود ہی مٹ جائیں گے، إن شاء اللّٰہ۔

دینِ اسلام اور اسلامی مراکز کے دشمنوں کو یہ بھی معلوم ہونا چاہئے کہ بنوری ٹاؤن الحمدللہ! جس اخلاص وللّٰہیت کی بنیادوں پر قائم ہوا ہے، اس کا فیض قیامت تک جاری وساری رہے گا۔ علمائے اسلام اور طلبۂ دین اسی اخلاص وللّٰہیت سے اپنا اپنا حصہ پاتے رہیں گے اور گلشنِ بنوری کی چہل پہل یوں ہی برقرار رہے گی۔ حضرت بنوری رحمہ اللہ کے علمی کارواں کے اخلاص وللّٰہیت میں خونِ شہیداں سے مزید جلا تو پیدا ہورہی ہے، مگر ہمارے عزم واستقلال کو کوئی گزند نہیں پہنچی۔

دشمنانِ اسلام کو نہیں بھولنا چاہئے کہ اسلامی تاریخ میں جس تحریک اور مشن کی آبیاری شہداء کے خون سے ہوئی ہے، وہ تحریک محدود یا ختم ہونے کی بجائے پہلے سے زیادہ جوش وجذبہ کے ساتھ اپنی منزل کی طرف بڑھتی رہی ہے، وقتی خونی رکاوٹیں مزید طوفانی انداز سے آگے بڑھنے کا ذریعہ ثابت ہوتی رہی ہیں۔

دینِ اسلام اور بنوری ٹاؤن کے نادان دشمن اگر یہ سمجھتے ہیں کہ بنوری ٹاؤن کے علما وطلبہ کو خون میں نہلا دینے سے شاید بنوری ٹاؤن کا دینی وتعلیمی کردار محدود ہوجائے گا یا خدانخواستہ ختم ہوجائے گا تو یہ ان نادان دشمنوں کی بڑی نادانی ہے۔ دنیا جانتی ہے اور جو نہیں جانتے وہ جامعہ کے دفترِ تعلیمات سے اعداد وشمار لے کر اندازہ کرسکتے ہیں کہ جب ۱۹۹۷ء میں حضرت مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار شہید رحمہ اللہ اور حضرت مولانا مفتی عبدالسمیع صاحب رحمہ اللہ کو شہید کیا گیا تو اس وقت دورۂ حدیث سے فارغ ہونے والوں کی تعداد تقریباً ۲۴۰ تھی اور ان کے بعد حضرت بنوریؒ کی مسندِ حدیث کے ایک اور نمایاں بزرگ، بنوری ٹاؤن کے شجرِ سایہ دار، حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمہ اللہ کو ۲۰۰۰ء میں درندگی کا نشانہ بناتے ہوئے بنوری ٹاؤن سے چھینا گیا تو اس وقت طلبۂ حدیث کی تعداد میں پہلے سے تقریباً ایک تہائی (۳۴۴) اضافہ ہوچکا تھا اور جب ۲۰۰۴ء کو مسندِ بنوری کی رونق حضرت مولانا مفتی نظام الدین شامزئی شہید رحمہ اللہ کے سرمایۂ گراں مایہ سے بنوری ٹاؤن کو محروم کیا گیا تو تشنگانِ علوم نبوت کا بنوری ٹاؤن کی طرف رجحان پہلے سے کہیں زیادہ بڑھ چکا تھا، اُس وقت صرف دورۂ حدیث کے طلبہ کی تعداد پانچ سو سے متجاوز ہوچکی تھی، اسی طرح دیگر شہداء کے خون کی برکت سے طلبۂ دین کی دینی حمیت اور ایمانی

حرارت میں مزید اضافہ ہی ہوتا رہا اور بنوری ٹاؤن کی طرف علومِ دینیہ کے طلبہ کا رجحان ومیلان پہلے سے مزید بڑھتا ہی رہا، چنانچہ ۳۱؍جنوری ۲۰۱۳ء کے حالیہ واقعہ میں جب حضرت بنوریؒ کی مسندِ حدیث کے ایک اور معصوم وخلیق، نفیس وشریف، بےضرر وگمنام وارث، حضرت مولانا مفتی محمد عبدالمجید دین پوری شہید رحمہ اللہ اور ان کے رفقاء حضرت مولانا مفتی صالح محمد کاروڑی شہیدؒ اور مولانا حسان علی شہید رحمہم اللہ کو انتہائی بے دردی کے ساتھ ہم سے جدا کرلیا گیا تو اس وقت صرف دورۂ حدیث کے طلبہ کی تعداد ۶۱۳ ہے۔ اضافہ کا یہی تناسب مجموعی تعداد میں بھی ہوتا چلا آرہا ہے، لہٰذا ہمارے دشمنوں کو اس سے اندازہ لگانا چاہئے کہ بنوری ٹاؤن پر کاری سے کاری ضربیں لگانے سے اور بنوری ٹاؤن کے قلب وجگر یا دماغ اور ریڑھ کی ہڈی پر بار بار وار کرنے سے بنوری ٹاؤن کا ''کردار واثر'' محدود ومتاثر ہونے کی بجائے اپنے شہیدوں کے خون سے مزید جلا پاتا ہے اور بنوری ٹاؤن کے اساتذہ اور طلبہ کو بھرپور ہمت وحوصلہ کے ساتھ آگے بڑھنے اور اپنی منزل کی طرف گامزن رہنے کے لئے تازہ جوش و جذبہ ملتا ہے اور بنوری ٹاؤن پر عوام وخواص کے اعتماد میں مزید اضافہ ہی ہورہا ہے۔

بہرحال ہمیں اپنے شہیدوں کی جدائی کا طبعی حزن وملال اپنی جگہ ہے، اس سے بھی انکار نہیں، اگر دشمن یہ سمجھ کر خوش ہوسکتا ہے کہ اس نے ہمارے دلوں اور کلیجوں پر چھریاں چلادی ہیں اور ہماری ریڑھ کی ہڈی پر وار کرنے میں وہ کامیاب ہو چکا ہے تو بحیثیتِ دشمن وہ اُسے اپنی کامیابی گردانے، مگر ساتھ ساتھ یہ یقین بھی کرے کہ الحمدللہ! ہم جن بزرگوں کے پیروکار اور نام لیوا ہیں وہ خونِ شہادت کو قیمتی جانوں کے ضیاع سے زیادہ دینِ اسلام کی بقاء کی ضمانت سمجھتے ہیں اور اس ضمانت کے لئے کام آنے کو اپنے لئے باعثِ فخر وامتیاز گردانتے ہیں۔ اپنے شہیدوں کے خون سے ہمارے ایمان ویقین میں پختگی نصیب ہورہی ہے کہ ہمارے شہیدوں کے مقدس خون سے دین اسلام اور گلشنِ اسلام (بنوری ٹاؤن) کے کردار واثرات محدود ہونے کی بجائے الحمدللہ وسعت پذیر ہیں۔

اگر دشمنانِ اسلام ہمارے کردار واثرات کو مٹانے کے لئے ہمارے خون کو ضروری سمجھتے ہیں تو اُنہیں پہلے تو محسوسات ومشاہدات کی دنیا میں جاکر دیکھنا چاہئے کہ جتنا خون بہایا جائے گا، خون کے طوفانی سیلاب میں اتنا ہی اضافہ ہوتا رہے گا۔ اس سے بنوری ٹاؤن کے کردار واثرات میں قطعاً کمی نہیں آئے گی، جیسا کہ ہمارا ماضی اور حال اس پر شاہد ہیں۔

البتہ جامعہ بنوری ٹاؤن کراچی کے کردار واثرات کو محدود کرنے کی ایک ممکنہ صورت ہے، جس میں شاید دشمن کو کچھ کامیابی مل سکے، وہ صورت اصحابِ اخدود کے ''غلام'' کی طرح ہم خود بتا دیتے ہیں، وہ تدبیر یہ ہے کہ بنوری ٹاؤن کے کردار واثرات کو دو چیزوں سے وسعت مل رہی ہے: ایک وہ

اخلاص وللّٰہیت جس پر بنوری ٹاؤن قائم ہوا ہے۔ ظاہر ہے وہ تو حضرت بانیٔ جامعہ اور ان کے رب لم یزل کے درمیان ایک تعلق و ربط اور معاہدہ ہے، جو دائم رہنے کے لئے قائم ہو چکا ہے، اُسے ختم کرنا دشمنوں اور حاسدوں کے بس میں نہیں ہے۔ دوسری چیز جو بنوری ٹاؤن کے کردار و اثرات میں جلا پیدا کرتی جا رہی ہے، وہ یہاں کے علماء وطلبہ کا ناحق خون ہے، یہ ناحق خون ایک مادی جان تو چھین لیتا ہے، مگر شہید کے کردار وعمل کو اگلی نسلوں کے لئے محفوظ کرنے کا ذریعہ بھی بن جاتا ہے۔ اگر دشمن چاہتا ہے کہ وہ بنوری ٹاؤن کے کرادر و اثرات کو محدود کرنے میں کسی حد تک کامیاب ہو جائے تو اس کا یہی حل ہے کہ جامعہ کے علماء وطلبہ کا ناحق خون بہانے سے باز آ جائے اور بنوری ٹاؤن کو زمانہ کے فطری انحطاط کے مقابلے کے لئے چھوڑ دے۔ بنوری ٹاؤن سے وابستہ موجودہ یا آئندہ علماء وطلبہ اگر حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے اخلاص وللّٰہیت کی چھتری تلے مصروف کار رہے تو وہ کردار کی دنیا میں زندہ سلامت رہیں گے، ورنہ خود ہی زمانے کے فطری انحطاط کی نذر ہو کر گوشۂ گمنامی میں جا گزیں ہو جائیں گے۔ اُنہیں مٹانے کے لئے دشمن کو کسی تدبیر میں الجھنے کی ضرورت نہیں، تقدیر ہی کافی ہوگی۔

بہرکیف ہمارے حالیہ شہداء، پیکر اخلاص وعمل، مجسمۂ تقویٰ وتواضع، مخزنِ علم وتدین، منبعِ نصح و لطف حضرت اقدس مولانا مفتی محمد عبد المجید دین پوری شہید رحمہ اللہ اور ان کے نیکوکار با اعتماد رفیقِ کار، فرض شناس و ذمہ دار، دار الافتاء بنوری ٹاؤن کے محور و مدار مولانا مفتی صالح محمد صاحب شہید رحمہ اللہ اور ان کے دنیا و آخرت کے سفر کے ہمراہی و ہم رکاب، باوقار و باادب، خادم و شاگرد مولانا حسان علی شہید رحمہ اللہ اور ان کے بعد چند دنوں کے فاصلے سے جو طلبہ اس قافلۂ شہداء میں شامل ہوئے، ایک بنوری ٹاؤن کے درجۂ سادسہ کے جواں سال طالب علم روح اللہ باجوڑی اور درجۂ اولیٰ کے دو ننھے منے شہید طلبہ طلحہ فرید کراچوی اور عثمان ابراہیم کراچوی رحمہم اللہ ہیں، وہ بھی اپنے عنفوان شباب اور نوعمری میں اپنے خون سے بنوری ٹاؤن کے کردار و اثرت کو جلا بخشنے والے سعادت مند شہیدوں کے قافلے میں شریک وشمار ہوئے ہیں۔ جامعہ بنوری ٹاؤن کے شہیدوں کی تاریخ جب بھی پڑھی جائے گی، وہاں جامعہ کے اکابر و مشائخ شہداء کے ساتھ ساتھ ان نوعمر شہیدوں کو بھی یاد کیا جاتا رہے گا۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام شہداء کو اعلیٰ علیین میں رفعتیں اور بلندیاں نصیب فرمائے، چھوٹے بڑے تمام شہداء کے لواحقین و پسماندگان کو صبرِ جمیل اور اس پر اجرِ جزیل عطا فرمائے، آمین

مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَاعَاهَدُوااللّٰهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ وَمَابَدَّلُوْا تَبْدِيْلاً.

برقی تصویر

مفتی شعیب عالم
استاذ ومفتی دارالافتاء جامعہ

(پہلی قسط)

حرفے چند

جان دار کی شبیہ جو برقی آلات جیسے ٹی وی، موبائل وغیرہ پر نظر آتی ہے، وہ تصویر کی ترقی یافتہ شکل ہونے کی بناء پر حرام ہے یا آئینے کے عکس کی مانند جائز ہے؟ یہی اس تحریر کا موضوع ہے۔ یہ موضوع چونکہ خاص ہے، اس لئے بحث کے دیگر اطراف وجوانب جیسے تصویر کی تاریخ، حرمتِ تصویر کی علت، مذاہب فقہاء اور تصویر سے متعلق جزئی مسائل وغیرہ کو نظرانداز کردیا گیا ہے۔ اسی طرح جس شبیہ کے نقوش مستقل اور پائیدار ہوں، خواہ وہ فوٹوگرافک کاغذ پر یا عام کاغذ پر پرنٹ ہو یا پتھر اور دیوار پر نقش ہو یا کسی اور ٹھوس سطح پر ثبت ہو، اس کا تصویر ہونا چونکہ غیر اختلافی ہے، اس لئے وہ بھی ہماری بحث سے خارج ہے۔

جیسا کہ ذکر ہوا کہ اصل موضوعِ بحث برقی شبیہ ہے، مگر بحث کا آغاز رؤیت اور روشنی کے اصولوں سے کیا گیا ہے، کیونکہ ایک تو برقی شبیہ اول وآخر روشنی ہے، دوسرے اس کے حصول وتشکیل کا عام ذریعہ کیمرا ہے اور کیمرے کو سمجھنے کے لئے آنکھ کے اصول کو سمجھنا ضروری ہے، کیونکہ کیمرے کی بنیاد آنکھ کی ساخت پر ہے، آنکھ کو رؤیت کے لئے تو کیمرے کو حصول شبیہ کے لئے روشنی کی ضرورت ہے۔ اگر اس نقطۂ نگاہ سے مضمون ملاحظہ کیا جائے گا تو اس میں ایک منطقی ربط اور معنوی تسلسل محسوس ہوگا۔

فہم میں سہولت اور ضبط میں آسانی کے لئے گفتگو کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے: پہلا حصہ فنی تجزیہ وتحلیل اور دوسرا حصہ فقہی نقد وتفصیل پر مشتمل ہے۔ پہلے حصے کی حیثیت مقدمے اور تمہید کی ہے، جس میں زیادہ زور تعارف اور فنی نکات کی تشریح پر ہے، مگر اس خیال سے کہ طبیعت کو دلچسپی نتائج سے ہوتی ہے اور مقدمات سے گھبراتی اور تمہیدات سے اُکتاتی ہے، ہر بحث کے آخر میں نتیجہ بھی ذکر کردیا گیا ہے۔ جو حضرات فنی مباحث کو پسند ہی نہ کرتے ہوں، وہ دوسرے حصے سے مضمون کو شروع کرسکتے ہیں۔

مضمون میں کہیں کہیں تکرار بھی محسوس ہوگا، لیکن معمولی تکرار کو مباحث کے تشنہ رہنے پر ترجیح دی گئی ہے۔ یوں بھی سیاق وسباق بدل جائے تو تکرار، تکرار نہیں رہتا۔

کوشش کی گئی ہے کہ اصل مصادر اور مراجع کو بنیاد بنایا جائے، لیکن جہاں اصل مصادر دستیاب نہ تھے یا استفادے کی نوعیت ضمنی اور تائیدی تھی یا کسی کتاب کے مندرجات مسلمہ حقائق کا روپ دھار چکے ہیں، وہاں ثانوی مآخذ سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔

آخری گزارش یہ ہے کہ لاریب صرف کتاب اللہ ہے اور معصوم صرف انبیاء کرام علیہم السلام ہیں اور محفوظ ہستیاں صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی ہیں، ان کے علاوہ نہ کوئی عصمت کا دعویٰ کرسکتا ہے اور نہ کوئی اپنی رائے کو خطا سے پاک قرار دے سکتا ہے، اس لئے جو اہل علم کسی وجہ استدلال کی کمزوری یا کسی اور خامی کی نشاندہی فرمائیں گے، شکریے کے ساتھ اس کی اصلاح کردی جائے گی۔

حصہ اول: فنی تجزیہ وتحلیل

برقی تصویر کی تمثیل

ٹی وی وغیرہ پر جو صورتیں نظر آتی ہیں، وہ دراصل روشنی کے چھوٹے چھوٹے نقطے ہوتے ہیں، ان نقطوں کی وضاحت کے لئے ہم اخبار میں شائع شدہ تصویر کی مثال لے سکتے ہیں۔ اگر آپ اخبار میں چھپی کوئی تصویر دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ وہ چھوٹے چھوٹے باریک نقطوں سے مل کر بنی ہے، یہ نقطے کسی جگہ بہت گہرے اور سیاہ ہیں اور کسی جگہ ہلکے اور مبہم ہیں، تصویر کے روشن حصے میں نقطے بہت باریک ہیں، جب کہ سیاہ حصے میں کافی موٹے ہیں، ان ہی سیاہ وسفید نقطوں سے مل کر تصویر بنتی ہے اور یہی تصویر کے اجزاء کہلاتے ہیں۔

اخبار کی تصویر کی طرح ٹی وی اور موبائل پر ظاہر ہونے والی صورتیں اور شکلیں بھی چھوٹے چھوٹے نقاط کا مجموعہ ہوتی ہیں، جنہیں (dots) یا (pixels) کہا جاتا ہے۔ ان نقطوں پر جب پیچھے سے روشنی پڑتی ہے تو یہ چمکنے لگتے ہیں اور سب مل کر تصویر کی تشکیل کرتے ہیں۔ (۱)

یہ صورتیں جو اسکرین پر نمودار ہوتی ہیں، کیمرا اُنہیں کیسے بناتا اور دکھاتا ہے؟ یہ سمجھنے کے لئے آنکھ کے طریقہ کار کو جاننا ضروری ہے، کیوں کہ کیمرے کی بنیاد آنکھ پر ہے اور ماہرین تسلیم کرتے ہیں کہ کیمرا آج بھی بڑی حد تک آنکھ کے اصولوں پر کام کرتا ہے۔

رؤیت کی شرائط:

آنکھ دیکھتی ہے، مگر جب دیکھنے کی تمام شرطیں موجود ہوں، کوئی ایک شرط بھی مفقود ہو تو آنکھ دیکھنے سے قاصر رہتی ہے۔ امام فخر الدین محمد بن عمر الرازیؒ نے ''الأربعین فی أصول الدین'' میں ان شرطوں کو بیان کیا ہے جن کی موجودگی میں آنکھ دیکھ پاتی ہے اور جن میں سے کسی شرط کی غیر موجودگی میں آنکھ اپنی کارفرمائی سے معذور رہتی ہے۔ چنانچہ امام فخر الدینؒ لکھتے ہیں کہ '' موجودہ دنیا میں کسی شئے کو دیکھنے کی آٹھ شرطیں ہیں:

’’إن الاشیاء التی یجب حصول الأبصار فی الشاهد عند حصولها ثمانیة: أحدها :سلامة الحاسة، وثانیها: كون الشئ بحیث أن یكون جائز الرؤیة، وثالثها: أن لایكون فی غایة البعد، والرابع: أن لایكون فی غایة القرب، والخامس: أن یكون مقابلاً للرائی أو فی حكم المقابل، والسادس: أن لایكون فی غایة اللطافة، والسابع: أن لایكون بین الرائی و المرئی حجاب، والثامن: أن لایكون فی غایة الصغر. قالوا: عند حصول هذه الأمور الثمانیة یجب حصول الأبصار،إذ لولم یجب لجاز أن یحصل بحضرتنا جبال عالیة...... ونحن لانراها.‘‘ (كتاب الأربعین فی أصول الدین للإمام فخر الملة والدین محمد بن عمر الرازیؒ المتوفی سنة ست وستمائة من الهجرة ، الطبعة الأولیٰ المطبوعة بمجلس دار المعارف العثمانیة، ص:۲۱۲ .)

’’۱:......آنکھ کا صحیح وسالم ہونا۔
۲:......اس چیز کی رؤیت کا ممکن ہونا۔
۳:......اس کا بہت زیادہ دور نہ ہونا۔
۴:......اس کا بہت زیادہ قریب نہ ہونا۔
۵:......اس کا دیکھنے والے کے مقابل یا مقابل کے حکم میں ہونا۔
۶:......اس کا بہت زیادہ لطیف نہ ہونا۔
۷:......اس میں اور دیکھنے والے کے درمیان کسی چیز کا حائل نہ ہونا۔
۸:......اس کا بہت زیادہ چھوٹا نہ ہونا۔

ان شرطوں کی موجودگی میں اس شئ کی رؤیت ضروری ہوجاتی ہے، ورنہ لازم آئے گا کہ ہمارے سامنے اونچے اونچے پہاڑ ہوں اور وہ ہم کو نظر نہ آئیں۔‘‘(۲)

’’امام رازیؒ‘‘ نے رؤیت کے لئے جو شرطیں بیان کی ہیں، وہ اگرچہ اپنی جگہ صحیح اور درست ہیں، مگر تشریح طلب ہیں۔ موقع ومحل اور مقام کا تقاضا ہے کہ اُنہیں ذرا کھول کر بیان کیا جائے، وضاحت کے لئے حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحبؒ سے بہتر اور کوئی شخصیت نہیں ہوسکتی، کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے اُنہیں دقیق اور پیچیدہ مسائل کو عام فہم اور عوامی انداز میں بیان کرنے کا خصوصی ملکہ عطا کیا ہوا ہے، ان کی تقریر سے مذکورہ شرائط کی اچھی طرح وضاحت ہوجاتی ہے۔ حضرت کی تقریر اگرچہ طویل ہے، مگر دلچسپ ہے اور مقام کی وضاحت کے لئے ضروری بھی۔ آنکھ کے دائرۂ علم کو تنگ اور محدود ثابت کرتے ہوئے حضرت قاری محمد طیب صاحبؒ فرماتے ہیں:

’’آنکھ کا علم اول تو صرف جسمانیات تک محدود ہے، وہ مادیات کو تو دیکھ سکتی ہے،

روحانیات کو نہیں۔ باوجود انتہائی قریب ہونے کے آنکھ نے آج تک اپنی روح کو بھی نہیں دیکھا، جس سے واضح ہے کہ معنویات اور لطائف کے ادراک سے اُسے کوئی سروکار نہیں۔ آنکھ سے اگر صورت پوچھو تو بتا دے گی، لیکن اگر اس کی حقیقت اور معنویت پوچھنے لگو تو معذور رہ جائے گی۔ پھر جسمانیات کے دائرے میں بھی اسے ماضی اور مستقبل کے دیکھ لینے سے کوئی واسطہ نہیں۔ جو چیزیں جا چکی ہیں یا جو آنے والی ہیں، آنکھ اُن کے دیدار سے محروم ہے، اس لئے اس کا دائرہ عمل صرف حال رہ جاتا ہے۔ پھر جو چیزیں زمانہ حال میں موجود ہیں، ان کے دیکھنے کے لئے بھی تقابل شرط ہے کہ وہ آنکھ کے سامنے ہوں، دائیں بائیں یا پس پشت ہوئیں تو آنکھ ادراک سے عاجز رہ جائے گی۔ پھر جو چیزیں سامنے ہوں ان کے لئے بھی شرط ہے کہ نہ زیادہ دور ہوں، نہ بہت قریب ہوں، بلکہ معتدل فاصلے پر ہوں۔ پھر اس معتدل فاصلے کے لئے بھی شرط ہے کہ بیچ میں کوئی حائل اور حجاب نہ ہو، اگر ذرا سا پردہ بھی بیچ میں آجائے تو آنکھ پھر دیدار سے معذور رہ جاتی ہے۔ اور اگر آنکھ بلا حائل ہوکر دیکھے، پھر بھی اس چیز کا سکون میں ہونا شرط ہے، اگر وہ متحرک ہوگی تو نگاہ اس پر جم نہ سکے گی، اور اگر خواہ مخواہ نگاہ جمادی جائے تو گو دیدار ہو جائے گا، مگر غلط ہوگا، شئے کچھ سے کچھ دکھائی دینے لگے گی۔'' (خطبات حکیم الاسلام ج:۳،ص:۳۶۹ بتلخیص وتغییر یسیر)

رؤیت کی شرطوں کی اچھی طرح وضاحت ہو چکی ہے، تاہم ایک ایسی ضروری اور بنیادی شرط کا ذکر ابھی باقی ہے، جو اصل مقصود ہے اور جس پر آگے کی گفتگو مبنی ہے، اور جسے ذکر کئے بغیر بحث ناقص اور نامکمل رہے گی۔

روشنی کی ضرورت:

پیچھے جن آٹھ شرطوں کا بیان ہوا، وہ تمام کی تمام موجود ہوں، مگر روشنی نہ ہو تو آنکھ پھر بھی ادراک سے قاصر رہتی ہے۔ اس شرط کی ضرورت پر زیادہ دلائل قائم کرنے کی ضرورت نہیں ہے، روزمرہ کا مشاہدہ اور دن رات کا تجربہ اس پر دلیل ہے۔ اندھیرے میں تو ہم اردگرد پڑی اشیاء کو، بلکہ اپنے آپ کو بھی دیکھنے سے قاصر رہتے ہیں۔ یہ کوئی نیا سائنسی انکشاف یا جدید نظریے کی دریافت بھی نہیں ہے، انسان اس ضرورت سے بہت پہلے سے آگاہ ہے۔ افلاطون کے ''نظریۂ امثال'' کی وضاحت کرتے ہوئے نامور مغربی فلسفی ''برٹرینڈ رسل'' لکھتا ہے:

''افلاطون واضح عقلی تصور اور مخلوط حسی ادراک کے درمیان فرق واضح کرنے کی کوشش میں حس بصارت سے ایک تمثیل پیش کرتا ہے، وہ کہتا ہے کہ حس بصارت دوسرے حواس سے مختلف ہے، کیوں کہ اس کے لئے نہ صرف آنکھ اور شئے درکار

ہے، بلکہ روشنی بھی ۔ہم ان اشیاء کو واضح طور پر دیکھتے ہیں جن پر سورج کی روشنی پڑتی ہے۔شفق یا دھند لکے میں اشیاء غیر واضح دکھائی دیتی ہیں اور گھپ اندھیرے میں تو دکھائی ہی نہیں دیتیں۔'' (فلسفۂ مغرب کی تاریخ، برٹرینڈ رسل، ص:۱۷۳)

دل کش اور البیلے اندازِ بیان کے مالک، مولانا مناظر احسن گیلانی ''الدین القیم'' میں لکھتے ہیں:

''ابتدامیں، میں نے فلسفیوں کے اس گروہ کا ذکر کیا تھا جو سارے عالم کو چند گنے گنائے اوصاف پر ختم کردیتے ہیں، ان کو نارنگی میں زردی، ترشی، طول وغیرہ چند صفات کے علاوہ کچھ نظر نہیں آتا۔ وہ شجر وحجر، قرات وسیارات، شمس وقمر، سب کو صرف رنگ وروشنی کے مختلف مظاہر سمجھتے ہیں، ان کا بیان ہے کہ ان دوصفتوں یعنی ''رنگ وروشنی'' کو عالم سے سلب کرلو تو پھر آنکھ کے لئے یہاں کچھ بھی نہیں رہتا، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ رنگ بھی بالآخر روشنی ہی کے چند بھیسوں میں تبدیل ہوجاتے ہیں۔''**(۳)** (الدین القیم، ص:۱۱۲ مکتبہ اسعدیہ کراچی)

حواشی

۱:- اخبار میں چھپی تصویر اور برقی تصویر میں چند وجوہ سے فرق معلوم ہوتا ہے: ایک کا مادہ روشنی اور دوسرے کا سیاہی ہے، ایک متحرک اور دوسری ساکت ہے، ایک آناً فاناً تبدیل ہوتی رہتی ہے اور دوسری نقش اور ثبت ہوتی ہے۔ یہ تینوں فرق کس قدر اہمیت رکھتے ہیں؟ آگے ان پر گفتگو ہوگی۔

۲:-''الاربعین'' میں امام فخر الدین رازیؒ نے علم کلام کے چالیس مسائل بیان کئے ہیں، جن میں رؤیت باری کا مسئلہ بھی ہے۔معتزلہ نے اس مسئلے میں جمہور امت سے کٹ کر الگ راہ اختیار کی ہے۔ یہ فرقہ رؤیت باری کا انکار کرتا ہے اور عقلیت پسند ہونے کی وجہ سے اپنے موقف پر عقلی دلائل پیش کرتا ہے۔ امام رازیؒ عقل اور نقل کے جامع ہیں، بلکہ عقلیات کے تو امام ہیں، اس لئے جب کسی مسئلے پر قلم اٹھاتے ہیں تو موافق ومخالف اور عقلی ونقلی دلائل کا ڈھیر لگا دیتے ہیں اور ان پر تنقید کرتے جاتے ہیں۔ مذکورہ شرطیں معتزلہ کے موقف کی وضاحت میں امام رازیؒ نے ذکر کی ہیں، ہم نے انہیں استدلال میں اس لئے پیش کیا ہے کہ ''امام رازیؒ'' نے ان کے فی نفسہ درست ہونے یا نہ ہونے پر کوئی اشکال نہیں کیا ہے، بلکہ رؤیت کے مسئلے میں ان کا غیر متعلق ہونا بیان کیا ہے۔

۳:- حاصل یہ ہے کہ روشنی کے ذریعے اور وسیلے سے آنکھ دیکھ پاتی ہے اور یہی روشنی کے متعلق عوامی تصور ہے، مگر محققین اس سے ایک قدم آگے بڑھ کر کہتے ہیں کہ انسان' حقیقت میں روشنی کو ہی دیکھتا ہے۔مولانا مناظر احسن گیلانی کے حوالے سے گزر چکا ہے کہ ''روشنی کو عالم سے سلب کرلو تو پھر آنکھ کے لئے یہاں کچھ نہیں بچتا''۔

جبکہ حجۃ الاسلام، قاسم العلوم والخیرات، مولانا محمد قاسم نانوتویؒ لکھتے ہیں:

''یوں تو سارے اجسام معروض نور ہوتے ہیں اور اسی کے اعتبار سے سب محسوس ہوتے ہیں، اگر وہ نہ ہو تو پھر احساس اشکال اجسام، اور دیدار الوان اجسام کی کوئی ضرورت نہیں۔غرض اصل میں نور ہی نظر آتا ہے، اور اسی کی یہ رنگا رنگی الوان ہوتی ہے۔'' (قبلہ نما، ص:۱۹: مطبع قاسمی دیوبند، سن:۱۹۲۶)

(جاری ہے)

قنوتِ نازلہ کا حکم اور ادائیگی کا طریقہ

مفتی محمد راشد ڈسکوی
رفیق شعبہ تصنیف وتالیف جامعہ فاروقیہ کراچی

موجودہ زمانے میں قتل وغارت گری اتنی زیادہ عام ہوچکی ہے کہ سرکارِ دو عالم ﷺ کا وہ ارشاد روزِ روشن کی طرح واضح ہوکر سامنے آجاتا ہے کہ آں جناب ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”والذی نفسی بیده! لا تذهب الدنیا حتیٰ یأتي علی الناس یومٌ لا یدری القاتلُ فیم قتَل، ولا المقتولُ فیم قُتِل“. فقلتُ: فکیف ذالک؟ قال: ”الهرجُ! القاتل والمقتول فی النار“. (رواه مسلم فی صحیحه،عن أبی هریرة رضی اللّٰه عنه،کتاب الفتن وأشراط الساعة، باب لا تقوم الساعة حتیٰ یمر الرجل بقبر الرجل، رقم الحدیث: ۲۹۰۸،ص: ۱۱۸۲، دارالسلام)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آں جناب ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے کہ یہ دنیا ختم نہیں ہوگی، یہاں تک کہ ایک ایسا دن آجائے کہ قاتل کو یہ معلوم نہیں ہوگا کہ وہ کس وجہ سے قتل کررہا ہے اور نہ ہی مقتول کو معلوم ہوگا کہ اسے کس جرم میں قتل کیا گیا؟!“۔

اور پھر اسی پر بَس نہیں، یہ قتل وغارت اتنی بڑھی کہ اس کا رُخ ایک عالمی طاغوتی منصوبہ کے تحت باقاعدہ طور پر عامة الناس سے وارثانِ انبیاء، علماء اور طلباء کی طرف موڑ دیا گیا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ وارثانِ انبیاء تو شہادت جیسے مرتبۂ عظمیٰ پر فائز ہونے والے ہیں، لیکن ان کے قتل کے منصوبے بنانے والے اور اس فعلِ بد میں میں شریک ہونے والوں کی بدبختی کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ وہ ان اہلُ اللہ کی دشمنی پر کمربستہ ہیں۔

قربِ قیامت میں علم اٹھالیا جائے گا

ان اہلِ علم شخصیات کا قتلِ عام بھی علاماتِ قیامت میں سے ہے، جیسا کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”إن اللّٰه لا یقبض العلم انتزاعاً ینتزعه من العباد ولکن یقبض العلم بقبض

العلماء، حتیٰ إذا لم یبق عالما اتخذ الناس رء وساً جهالاً،فسُئلوا، فأفتوا بـغیر علمٍ، فضلوا و أضلوا''. (رواه الإمام البخاریؒ فی صحیحه،عن عبد الله بن عمرو بن العاص، کتاب العلم، باب کیف یقبض العلم، رقم الحدیث: ۱۰۰، ۱/۳۲، دار طوق النجاة)

ترجمہ: ''بے شک اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے درمیان سے علم کو اس طرح ختم نہیں فرمائیں گے کہ اُسے دفعۃً اٹھالیں، بلکہ علماءِ دین کے اٹھانے کی صورت میں علم کو اٹھالیں گے، یہاں تک کہ جب کوئی بھی عالمِ (حقیقی) باقی نہ رہے گا تو لوگ جاہلوں کو اپنا سردار بنالیں گے، ان جہلاء سے سوال کئے جائیں گے تو یہ بغیر علم کے فتویٰ دیں گے، خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے''۔

موجودہ حالات میں ایک سنت عمل

ان حالات میں کہ جب مسلمانوں پر کوئی بڑا حادثہ پیش آجائے ، مثلاً: طاعون کی وباء پھیل جائے ، یا کفار حملہ کردیں، یا خود مسلمانوں میں ہی قتل وغارت عام ہوجائے تو ایسے مواقع میں نبی اکرم ﷺ سے ایک خاص عمل کرنا ثابت ہے، جسے قنوتِ نازلہ کہتے ہیں۔

حضرت اَنس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ''نبی اکرم ﷺ نے ایک مہینہ تک نمازِ فجر میں قنوت (نازلہ) پڑھی، جس میں آپ ﷺ نے عرب کے بعض قبیلوں مثلاً: رِعْل، ذکوان، عُصَیَّہ اور بنی لحیان کے خلاف بددعا فرمائی تھی''۔

''عن اَنس بن مالک رضی اللّٰه عنه قال : إن نبی اللّٰه ﷺ قنت شهراً فی صلاة الصبح، یدعوا علیٰ أحیاء العرب علیٰ رِعْلٍ و ذَکْوان و عُصَیَّة وبنی لِحیان''. (صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب غزوة الرجیع ورعل وذکوان وبئر معونة)

چنانچہ! ملک کے موجودہ حالات کے پیشِ نظر صدر وفاق المدارس ومہتمم جامعہ فاروقیہ حضرت شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خان صاحب دامت برکاتہم العالیہ اور مہتمم جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی حضرت شیخ الحدیث مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر صاحب دامت برکاتہم العالیہ نے اپنے متوسلین اور ائمہ مساجد کو نصیحت فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اپنی اپنی مساجد میں قنوتِ نازلہ شروع کردیں تو اللہ رب العزت کی ذاتِ اقدس سے قوی امید ہے کہ حالات میں بہتری پیدا ہوجائے گی اور مسلمانوں کی دلی تسلی کے ساتھ ان قاتل اور بدبخت لوگوں کی اللہ تعالیٰ کی طرف سے گرفت کا عمل بھی شروع ہوجائے گا۔ اس لئے کہ ایسے حالات میں مصائب وبلیّات اور سختیاں دور کروانے کے لئے ،مسلمانوں کی فتح اور کافروں کی شکست (اور آفات کی دوری) کے لئے بالاتفاق نمازِ فجر کی جماعت میں قنوتِ نازلہ پڑھنا مسنون ومستحب ہے۔

چنانچہ! خاتمۃ المحققین علامہ شامیؒ نے لکھا ہے:

"(ولا یقنت لغیرہ إلا) لنازلة، فیقنت الإمام فی الجهرية. وفی حاشیة ابن عابدینؒ تحت قوله:"إلا لنازلة" قال فی الصحاح: النازلة: الشديدة من شدائد الدهر، ولا شک أن الطاعون من أشد النوازل...........قال أبو جعفر الطحاویؒ:إنما لا یقنت عندنا فی صلاة الفجر من غیر بلیة، فإن وقعت فتنة أو بلیة فلا بأس به، فعلهٗ رسول الله ﷺ".

(حاشية ابن عابدين، كتاب الصلاة ، مطلب:في القنوت للنازلة: ۲/۵۴۲، دار المعرفة، بيروت)

قنوتِ نازلہ سے متعلق بعض متفرق مسائل

چنانچہ! خیال ہوا کہ قنوتِ نازلہ سے متعلقہ مسائل،طریقہ کار اوراس میں پڑھی جانے والی دعا منظرِ عام پر لائی جائے ،تاکہ ائمہ مساجد کے لئے سہولت وآسانی ہو جائے ، ذیل میں وہ مسائل ذکر کئے جاتے ہیں اوراہلِ علم حضرات کے اطمینانِ قلب کے لئے حوالہ جات بھی ذکر کردیئے گئے ہیں:

☆ تنہا نماز پڑھنے والے کے لئے قنوتِ نازلہ پڑھنا درست نہیں ہے۔

"(فیقنت الإمام فی الجهرية) وفی حاشیة ابن عابدین تحت قوله:"فیقنت الإمام فی الجهرية"و ظاهر تقییدهم بالإمام أنه لا یقنت المنفرد". (حوالہ بالا)

☆ قنوتِ نازلہ احناف کے نزدیک صرف فجر کی نماز میں پڑھی جاسکتی ہے،البتہ امام شافعیؒ کے نزدیک قنوتِ نازلہ کا تمام نمازوں میں پڑھنا درست ہے۔

"(وأما القنوت فی الصلوٰت کلها للنوازل فلم یقل به إلا الشافعیؒ، وکأنهم حملوا ما روی عنه علیه الصلاة والسلام أنه قنت فی الظهر والعشاء کما فی مسلم، وأنه قنت فی المغرب أیضاً کما فی البخاری علی النسخ لعدم ورود المواظبة والتکرار الواردین فی الفجر عنه علیه الصلاة والسلام، وهو الصریح فی أن قنوتَ النازلة عندنا مختص بصلاة الفجر دون غیرها من الصلوات الجهرية".

(حاشية ابن عابدين، كتاب الصلاة ، مطلب:في القنوت للنازلة: ۲/۵۴۲، دار المعرفة، بيروت)

قنوتِ نازلہ پڑھنے کا طریقہ

☆ قنوتِ نازلہ پڑھنے کا طریقہ یہ ہے کہ نمازِ فجر کی دوسری رکعت میں رکوع کے بعد "سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ" کہہ کرامام کھڑا ہو جائے ،اورقیام کی حالت میں دعائے قنوت (جوآگے آرہی ہے) پڑھے اورمقتدی اُس کی دعا پرآہستہ آواز سے آمین کہتے رہیں، پھر دعا سے فارغ ہوکر "اللہ اکبر" کہتے ہوئے سجدے میں چلے جائیں اور بقیہ نماز امام کی اقتداء میں اپنے معمول کے مطابق ادا کریں۔

”وأنه يقنت بعد الركوع لا قبله، بدليل أن ما استدل به الشافعيؒ على قنوت الفجر، وفيه تصريح بالقنوت بعد الركوع، حمله علماؤنا على القنوت للنازلة، ثم رأيت الشرنبلاليؒ في مراقي الفلاح صرح بأنه بعده واستظهر الحموي أنه قبله، والأظهر ما قلناه، والله أعلم“.

(حاشیۃ ابن عابدین، کتاب الصلاۃ، مطلب: فی القنوت للنازلۃ: ۲/۵۴۲، دار المعرفۃ، بیروت)

☆ اگر دعائے قنوت مقتدیوں کو یاد ہوتو امام بھی آہستہ پڑھے اور مقتدی بھی آہستہ آواز میں پڑھیں اور اگر مقتدیوں کو یاد نہ ہو، جیسا کہ عام طور پر ہوتا ہے تو امام بلند آواز سے دعا کے کلمات کہے اور سب مقتدی آہستہ آہستہ آمین کہتے رہیں۔

”وهل المقتدي مثله أم لا؟ و هل القنوت هنا قبل الركوع أم بعده؟ لم أره. والذي يظهر لي أن المقتدي يتابع إمامه، إلا إذا جهر، فيؤمن“.

(حاشیۃ ابن عابدین، کتاب الصلاۃ، مطلب: فی القنوت للنازلۃ: ۲/۵۴۲، دار المعرفۃ، بیروت)

☆ قنوتِ نازلہ کے دوران دعا میں ہاتھوں کو لٹکایا جائے یا دعا کے انداز میں دونوں ہاتھوں کو اٹھایا جائے؟ اس بارے میں تفصیل یہ ہے کہ اس حالت میں احتمالاً تین طرح کی صورتیں اپنائی جاسکتی ہیں:

۱:......ناف کے نیچے ہاتھوں کو باندھا جائے، جیسا کہ عام طور سے قیامِ نماز میں باندھے جاتے ہیں۔

۲:......دونوں ہاتھ نیچے کی طرف لٹکائے جائیں۔

۳:...... دعا مانگنے کے انداز میں ہاتھ اُوپر اٹھا لئے جائیں۔ ان تین صورتوں میں سے پہلی دونوں صورتیں درست ہیں، لیکن ان میں سے دوسری صورت (یعنی: ہاتھوں کو لٹکائے رکھنا) بہتر ہے، جب کہ تیسری صورت (یعنی: دعا کی طرح ہاتھوں کو اٹھانا) مناسب نہیں ہے۔

حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ نے اپنی کتاب ”بوادر النوادر“ میں لکھا ہے:

”مسئلہ مجتہد فیہ ہے، دلائل سے دونوں طرف (یعنی: پہلی دوصورتوں کی طرف) گنجائش ہے اور ممکن ہے کہ ترجیح قواعد سے وضع (ہاتھ باندھنے) کو ہو۔ **کما هو مقتضىٰ مذهب الشيخين**، لیکن عارضِ التباس وتشویشِ عوام کی وجہ سے اِرسال کو ترجیح دی جاسکتی ہے، **کماهو مذهب محمد**“۔

(بوادر النوادر، نوے واں نادرہ، تحقیق ارسال یا وضع یدین در قنوتِ نازلہ: ۶/۱۲۲، ۱۲۳، ادارہ اسلامیات)

☆ قنوتِ نازلہ کی دعا پڑھنے کی حالت میں جو مسبوقین امام کے ساتھ نماز میں شریک ہوں، وہ تکبیرِ تحریمہ کہنے کے بعد قیام کی حالت میں امام کی دعا پر آہستہ آواز سے آمین کہتے رہیں، ان کی یہ رکعت شمار نہیں ہوگی (کیوں کہ ان کی شرکت امام کے رکوع سے اُٹھ جانے کے بعد ہوئی ہے) وہ امام کے سلام پھیرنے کے بعد اپنی دونوں رکعتوں کو حسبِ قاعدہ پورا کریں گے۔

☆ قنوتِ نازلہ کتنے دنوں تک جاری رکھی جائے؟ اس بارے میں کوئی مقدار متعین نہیں ہے کہ اتنے دن تک پڑھی جائے اور اس کے بعد پڑھنا جائز نہیں، بلکہ ضرورت کے موافق اس دعا کو جاری رکھا جائے، تاہم اتباعِ سنت کی غرض سے ایک مہینہ تک اس کو جاری رکھا جائے، جیسا کہ شروع میں ذکر کی گئی حدیثِ نبوی ﷺ میں ذکر ہوا۔

”قلت و فیه بیان غایة القنوت للنازلة أنه ینبغی أن یقنت أیاماً معلومةً عن النبی ﷺ، وھی قدرُ شھرٍ، کما فی الروایات عن أنسؓ: ”أنه ﷺ قنت شھراً ثم ترک“ فاحفظْه فھذا غایةُ اتباع السنة النبویة ﷺ“.

(إعلاء السنن، أحکام القنوت النازلة: ۶/۱۱۸، إدارة القرآن، کراچی)

قنوتِ نازلہ کی دعا

☆ دعائے قنوتِ نازلہ بہت سی روایات میں قدرے مختلف الفاظ کے ساتھ وارد ہوئی ہے، ان سب کو سامنے رکھتے ہوئے موجودہ حالات کے مطابق علماءِ عصر نے ایک جامع دعا نقل کی ہے:

﴿اللّٰھمَّ اھْدِنَا فِیْ مَنْ ھَدَیْتَ، وَعَافِنَا فِیْ مَنْ عَافَیْتَ، وَتَوَلَّنَا فِیْ مَنْ تَوَلَّیْتَ، وَبَارِکْ لَنَا فِیْ مَا أَعْطَیْتَ، وَقِنَا شَرَّ مَا قَضَیْتَ، إِنَّکَ تَقْضِیْ وَلَا یُقْضیٰ عَلَیْکَ، وَإِنَّه لَا یَذِلُّ مَنْ وَالَیْتَ، وَلَا یَعِزُّ مَنْ عَادَیْتَ، تَبَارَکْتَ رَبَّنَا وَتَعَالَیْتَ، نَسْتَغْفِرُکَ وَنَتُوْبُ إِلَیْکَ، وَصَلَّی اللّٰہُ عَلَی النَّبِیِّ الْکَرِیْمِ، اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلَنَا وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ وَلِلْمُؤْمِنَاتِ وَالْمُسْلِمِیْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ، وَأَلِّفْ بَیْنَ قُلُوْبِھِمْ وَأَصْلِحْ ذَاتَ بَیْنِھِمْ، وَاجْعَلْ فِیْ قُلُوْبِھِمُ الْإِیْمَانَ وَالْحِکْمَةَ،وَثَبِّتْھُمْ عَلیٰ مِلَّةِ رَسُوْلِکَ، وَأَوْزِعْھُمْ أَنْ یَشْکُرُوْا نِعْمَتَکَ الَّتِیْ أَنْعَمتَ عَلَیْھِمْ وَأَنْ یُوْفُوْا بِعَھْدِکَ الَّذِیْ عَاھَدتَّھُمْ عَلَیْهِ، وَانْصُرْھُمْ عَلٰی عَدُوِّکَ وَعَدُوِّھِمْ، اِلٰهَ الْحَقِّ، سُبْحَانَکَ؛ لَا اِلٰهَ غَیْرُکَ، اَللّٰھُمَّ انْصُرْ عَسَاکِرَ الْمُسْلِمِیْنَ، وَالْعَنِ الْکَفَرَةَ وَالْمُشْرِکِیْنَ وَمَنْ حَذَا حَذْوَھُمْ مِنَ الْأَحْزَابِ وَالْمُنَافِقِیْنَ الَّذِیْنَ یُکَذِّبُوْنَ رُسُلَکَ، وَیُقَاتِلُوْنَ أَوْلِیَاءَکَ مِنَ الطُّلَّابِ وَالْعُلَمَآءِ وَالْمُسْلِمِیْنَ، اَللّٰھُمَّ خَالِفْ بَیْنَ کَلِمَتِھِمْ، وَفَرِّقْ جَمْعَھُمْ، وَشَتِّتْ شَمْلَھُمْ، وَزَلْزِلْ أَقْدَامَھُمْ، وَأَلْقِ فِیْ قُلُوْبِھِمُ الرُّعْبَ، وَخُذْھُمْ أَخْذَ عَزِیْزٍ مُّقْتَدِرٍ، وَأَنْزِلْ بِھِمْ بَأْسَکَ الَّذِیْ لَا تَرُدُّہٗ عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِیْنَ﴾.

ترجمہ: ”یا اللہ! ہمیں راہ دکھلا اُن لوگوں میں جن کو آپ نے راہ دکھلائی، اور عافیت

دے اُن لوگوں میں جن کو آپ نے عافیت عطا فرمائی، اور کارسازی فرمایئے ہماری ان لوگوں میں جن کے آپ کارساز ہیں، اور ہمیں ان چیزوں میں برکت عطا فرمایئے جو آپ نے ہمیں عطا فرمائیں، اور ہماری ان چیزوں کے شر سے حفاظت فرمایئے جن کا آپ نے فیصلہ فرمایا، کیوں کہ آپ ہی فیصلہ کرنے والے ہیں، اور آپ کے خلاف کوئی فیصلہ نہیں کیا جاسکتا۔ بے شک آپ جس کی مدد فرمائیں وہ ذلیل نہیں ہوسکتا، اور عزت نہیں پا سکتا وہ شخص جو آپ سے دشمنی کرے۔ اے ہمارے رب! آپ بابرکت ہیں اور بلند و بالا ہیں۔ ہم تجھ ہی سے مغفرت طلب کرتے ہیں اور تیری ہی طرف رجوع کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ رحمتیں نازل فرمائے اس نبی پر جو بڑے کریم ہیں۔ اے اللہ! ہمارے اور مؤمن مردوں اور عورتوں کے اور مسلمان مَردوں اور عورتوں کے گناہ معاف فرمادے، اور اُن کے دلوں میں باہم الفت پیدا فرمادے، اور ان کے باہمی تعلقات کو درست فرمادے، اور اُن کے دلوں میں ایمان وحکمت کو قائم فرمادے، اور ان کو اپنے رسول ﷺ کے دین پر ثابت قدم رکھ، اور توفیق دے اُنہیں کہ شکر کریں تیری اس نعمت کا جو تو نے اُنہیں دی ہے اور یہ کہ وہ پورا کریں تیرے اس عہد کو جو تو نے ان سے لیا ہے، اور ان کی اپنے اور ان کے دشمنوں کے خلاف مدد فرما۔ اے اللہ! ان کافروں اور مشرکوں پر لعنت فرما، اور ان گروہوں پر جو ان کے نقشِ قدم پر چلتے ہیں اور منافقین پر جو آپ کے رسولوں کو جھٹلاتے ہیں، اور آپ کے اولیاء کو قتل کرتے ہیں، بالخصوص علماء، طلبہ اور عامۃ المسلمین کو۔ اے اللہ! خود انہیں کے اندر آپس میں اختلاف پیدا فرما، اور ان کی جماعت کو متفرق کردے، اور ان کی طاقت پارہ پارہ کردے، اور ان کے قدموں کو اُکھاڑ دے، اور ان کے دلوں میں مسلمانوں کا رعب ڈال دے، اور ان کو ایسے عذاب میں پکڑ لے، جس میں قوت وقدرت والا پکڑا کرتا ہے اور اُن پر اپنا ایسا عذاب نازل فرما جو آپ مجرم قوموں سے دور نہیں کرتے''۔

پانچوں نمازوں کے بعد امام ومقتدی سب یہ دعا کریں

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ نے جواہر الفقہ میں لکھا ہے کہ پانچوں نمازوں کے بعد امام اور مقتدی یہ دعا بھی مانگیں، وہ دعا موجودہ حالات کے پیشِ نظر قدرے تغیر وتبدل کے ساتھ نقل کی جاتی ہے:

''اَللّٰهُمَّ مُنْزِلَ الْكِتَابِ، سَرِيْعَ الْحِسَابِ، اَللّٰهُمَّ اهْزِمِ الْأَحْزَابَ، اَللّٰهُمَّ

اهْـزِمْهِـمْ وَزَلْزِلْهُمْ، اَللّٰهُمَّ انْصُرِ الْإِسْلَامَ وَالْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُجَاهِدِيْنَ الَّذِيْنَ يُـجَـاهِـدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِکَ حَقّاً، وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَائِمٍ فِيْ مَشَارِقِ الْأَرْضِ وَمَـغَـارِبِهَـا خَاصَّةً فِيْ بَاکِسْتَانَ وَأَطْرَافِهَا، اَللّٰهُمَّ احْفَظْنَا وَاحْفَظِ الطُّلَّابَ وَالْـعُـلَمَآءَ خَاصَّةً وَالْمُسْلِمِيْنَ عَامَّةً وَكَافَّةً، وَالْمَدَارِسَ وَالْمَعَاهِدَ الدِّيْنِيَّةَ كُلَّهَا، اَللّٰهُمَّ اسْتُرْ عَوْرَاتِنَا وَامِنْ رَوْعَاتِنَا، وَاكْنُفْنَا بِرُكْنِکَ الَّذِيْ لَا يُرَامُ، وَأَعِـنَّـا وَلَا تُـعِـنْ عَـلَيْنَا، وَانْصُرْنَا وَلَا تَنْصُرْ عَلَيْنَا، وَامْكُرْلَنَا وَلَا تَمْكُرْبِنَا، وَاهْـدِنَا وَيَسِّرِ الْهُدىٰ لَنَا، اَللّٰهُمَّ إِلَيْکَ نَشْكُوْا ضُعْفَ قُوَّتِنَا، وَقِلَّةَ حِيْلَتِنَا، وَهَوَانَنَا عَلىٰ النَّاسِ، إِنَّهٗ لَا مَلْجَأً وَلَا مَنْجَأً مِنْکَ إِلَّا إِلَيْکَ‘‘.

ترجمہ: ’’اے اللہ! اے کتاب نازل کرنے والے! جلد حساب لینے والے! یا اللہ! ان طاقتوں کوشکست دیدے، یا اللہ! اسلام، مسلمان اوران مجاہدین کی مددفرما، جو تیرے راستے میں زمین کے مشرق ومغرب میں خاص طور پر پاکستان اوراس کے گردونواح میں جہاد کرتے ہیں اورکسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پرواہ نہیں کرتے۔ یا اللہ! ہماری حفاظت فرما، خاص طور پرطلبہ اورعلماء کی اور عام طور پر عام مسلمانوں کی اور مدارس وتمام مراکز دینیہ کی حفاظت فرما۔ یا اللہ! ہماری کمزوریوں پر پردہ ڈال دے اورخوف کی چیزوں سے ہم کوامن عطا فرما۔اورہمیں اپنی اس طاقت کی پناہ میں لے جس کا کسی دشمن کی طرف سے بھی ارادہ نہیں کیا جاسکتا، اور ہماری مددفرمااور ہمارے مقابل کی مدد نہ فرمااورہم کوفتح دے، ہمارے مقابل کوفتح نہ دے، اور ہمارے مخالف کی مدد نہ فرما، اورہم کو ہدایت عطا فرما، اور ہمارے لئے ہدایت کوآسان فرما۔ یا اللہ! ہم آپ ہی کے سامنے اپنی کمزوری، بے سامانی اورلوگوں کی نظروں میں بے وقعتی کی شکایت پیش کرتے ہیں، کیوں کہ آپ کے عذاب سے نجات وپناہ بجز آپ کے کوئی نہیں دے سکتا‘‘۔

زندۂ جاوید

بہتا ہے شاہراہوں پہ اہلِ صفا کا خون
ہوتے ہیں آئے دن یہاں دین پوری شہید
قاتل سب ان کے قعرِ ہلاکت میں جائیں گے
زندہ ہمیشہ رہتے ہیں مرتے نہیں شہید

نتیجۂ فکر: لئیق احمد

مفتی عبدالمجید دین پوریؒ

سنگین واردات میں شہید کردیئے گئے

مفتی عزیزالرحمٰن
مدیرمسؤل ماہنامہ البلاغ، کراچی

ملک کی جو ابتر صورتحال ہے شاید ہی کوئی باشندہ ہو جو اس صورت حال سے فکرمند اور بے چین نہ ہو، ایک طرف معاشی بحران ہے، جو تیزی سے مزید بگاڑ کی طرف ہے کہ اصلاح حال کے لئے کوئی سنجیدہ کوشش ہوتی نظر نہیں آتی، جبکہ دوسری طرف بدامنی کی حالت بھی انتہا درجے تک المناک ہے۔ ہر آنے والا دن خوفناک واردات کی خبریں لے کر آتا ہے، اور ایسا لگتا ہے کہ چپّہ چپّہ تربیت یافتہ دہشت گردوں اور جرائم پیشہ مفسدین کے قبضے میں ہے۔

کچھ عرصے سے تو خاص طور پر مدارس کے طلبہ اور وہ اہل علم جن کی قطعاً کوئی سیاسی یا تنظیمی وابستگی نہیں ہے، بلکہ یکسوئی سے شبانہ روز دینی علوم کی تحصیل اور نشر و اشاعت میں مشغول ہیں، اُنہیں باقاعدہ منصوبہ بندی کے ساتھ نشانہ بنا بنا کر شہید کیا جارہا ہے۔ حال ہی میں جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے دو نامور علماء کرام کو شہید کرنے کا المناک واقعہ اسی سلسلہ کی تازہ مثال ہے۔

۱۸؍ربیع الاول ۱۴۳۴ھ (۳۱؍جنوری ۲۰۱۳ء) بروز جمعرات جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے نائب رئیس دار الافتاء و استاذ الحدیث مفتی عبدالمجید دین پوری صاحب اور رفیق دار الافتاء مفتی صالح محمد صاحب اپنے ایک تیسرے رفیق و خادم حافظ حسان صاحب کے ساتھ حدیث کا درس دینے کے لئے سندھی مسلم سوسائٹی میں واقع جامعہ درویشیہ جانے کے لئے روانہ ہوئے، نرسری کے پل سے اتر کر شارع فیصل پر مدرسہ جانے کے لئے لنک روڈ سے اُترے تو پہلے سے موجود موٹر سائیکل سوار دہشت گردوں نے فائرنگ کر کے ان تینوں کو شہید کرڈالا۔ تینوں حضرات موقع پر ہی جاں بحق ہوگئے۔

اس دہشت گردی کی تفصیلات حیرت انگیز طور پر موقع پر نصب ایک کیمرے میں ریکارڈ ہوگئیں۔ واقف حال لوگوں کا کہنا ہے کہ دہشت گرد نہایت تربیت یافتہ تھے، اور اس بات کا اطمینان کر کے کہ ان میں سے کسی میں بھی زندگی کی رمق باقی نہیں رہی، موٹر سائیکل پر سوار ہوکر، جبکہ دوپہر بارہ

بجے کے بعد کا وقت تھا اور شارع فیصل رواں دواں تھا، یہ سنگین مجرمانہ واردات کر کے آسانی سے چلے گئے، جائے واردات پر ایک دو مشتبہ کاریں بھی دیکھی گئیں۔

جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے نامور علماء و اساتذۂ حدیث کے خلاف یہ پہلی مجرمانہ واردات نہیں ہے، دہشت گردی کا شکار علمائے دین کی ایک طویل فہرست ہے۔ مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختارؒ، مولانا مفتی عبدالسمیعؒ، مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ، ڈاکٹر مفتی نظام الدین شامزئیؒ، مفتی محمد جمیل خانؒ، مولانا سعید احمد جلال پوریؒ وغیرہ جیسی نامور شخصیات اسی طرح کی دہشت گردی کا شکار ہوئی ہیں، لیکن آج تک کسی بھی قاتل کا پولیس اور ایجنسیاں کوئی سراغ نہیں لگا سکیں۔

اس ملک میں اور بالخصوص کراچی شہر میں تو ایسا لگتا ہے کہ عوام درندوں کے نرغے میں ہیں، کوئی دن خالی نہیں جاتا کہ آٹھ دس آدمیوں کا خون نہ ہوتا ہو، جبکہ اغواء، بھتہ خوری اور دیگر جرائم میں بھی اضافہ روزافزوں ہے۔ حکمران، پولیس کے تمام تر حفاظتی حصار میں ''حکومت'' کررہے ہیں، اور جمہوریت کے پانچ سالہ دور کی تکمیل کو ہی اپنے لئے بڑا اعزاز قرار دے رہے ہیں۔ لوٹ مار، قتل و غارت اور اغواء کے یہ خوفناک جرائم جن کی وجہ سے عوام عذاب میں ہیں، ان بے حس کرسی نشینوں کو اس سے کوئی سروکار نہیں ہے۔ لیکن واردات کا کھوج نہ لگانا اور جرائم پیشہ عناصر کا تعاقب نہ کرنا، اس وطن سے، یہاں کے عوام سے اور اس منصب سے سنگین غداری ہے، جس کی لاج رکھنے کا انہوں نے حلف اٹھایا ہے۔ اس غداری پر یہ قہرِ الٰہی سے نہیں بچ سکیں گے۔ جن شخصیات کو دہشت گردی کر کے شہید کیا گیا وہ علمی و دینی اثاثہ تھے۔ ان کا قتل صرف کچھ افراد کا نہیں، علمی و دینی خدمات کا بھی قتل ہے، جس کے پیچھے دشمنانِ ملک وملت کی خوفناک سازشوں کی موجودگی سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ مفتی عبدالمجید دین پوری صاحبؒ اور ان کے رفقاء مرحومین کی شہادت کا یہ صدمہ جو جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے منتظمین، اساتذہ، طلبہ اور ان شہداء کے اہل خانہ اور عزیز واقارب کو پہنچا، یہ ہم سب کا مشترک صدمہ ہے۔ جامعہ دارالعلوم کراچی میں یہ خبر بڑے رنج والم کے ساتھ سنی گئی، مختلف نمازوں میں دعاؤں کا اہتمام ہوا۔ بعض اساتذہ جنازے میں بھی شریک ہوئے اور دورۂ حدیث کے اساتذہ کا ایک وفد بھی تعزیت کے لئے جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن اور جامعہ درویشیہ دونوں جگہ حاضر ہوا۔

مولائے کریم مفتی عبدالمجید دین پوری صاحبؒ اور اُن کے رفقاء مرحومین کو شہادتِ عظمیٰ کے مقام عالی پر فائز فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا کرے، اور ان دینی مدارس، ان کے اساتذہ وطلبہ اور دیگر متعلقین کو اپنے حفظ وامان میں رکھے۔ آمین۔

شہیدِ علم

مولانا محمد یوسف افشانی
استاذِ حدیث ورئیس دارالافتاء جامعہ فاروقیہ کراچی

یہ جہاں بھی عجب جہاں ہے، اس میں قدرت نے اگر کسی چیز کو دوام بخشا ہے، تو وہ فنا وزوال ہے کہ اس جہاں میں ثبات اور دوام صرف اور صرف فناء اور زوال کو ہے اور بس! موت کی گرفت سے آج تک نہ کوئی بچ سکا اور نہ ہی قیامت تک کوئی بچ سکے گا، یہاں نیک وبد کا فرق ختم ہوجاتا ہے اور امیر وغریب کی تمیز مٹ جاتی ہے، بلکہ ایک موقع پر پوری کائنات ان (فنا وزوال) کا کشتۂ تیغ ہوجائے گی اور ''وَیَبْقٰی وَجْهُ رَبِّکَ ذُوْالْجَلَالِ وَالْإِکْرَام'' والی حقیقت سے پردہ اٹھ جائے گا، لیکن اس جہانِ فانی میں کچھ ایسی شخصیات بھی ہوتی ہیں کہ ان کی عمر کی شمع کو تو اَجل پھونک دیتی ہے، لیکن ان کے کردار، خدمات اور احسانات کی بنا پر ان کی یادوں کی شمعیں نہ صرف روشن رہتی ہیں، بلکہ زمانہ گزرنے کے ساتھ ساتھ فزوں تر ہوتی ہیں، دنیا میں نہ ہوتے ہوئے بھی محافل کی زینت اور مجالس کی رونق ہوتی ہیں۔

اس مبارک اور قابلِ رشک کارواں کے ایک فرد حضرت مولانا مفتی عبدالمجید دین پوری شہید رحمہ اللہ تعالیٰ بھی ہیں ۔موصوف نے اپنی زندگی علم حاصل کرنے، پھر اس علم کو پھیلانے اور امت کی رہنمائی کے لئے وقف کردی تھی۔ آپ نے فقہ وافتاء جیسے جان گسل، محنت طلب میدان کا انتخاب کیا اور اپنی تمام صلاحیتوں کو اس میں صَرَف کیا اور اس میدان کے شہسوار ثابت ہوئے۔ ہزاروں کی تعداد میں مسائل آپ کی نظر سے گزرے اور اتنی ہی تعداد میں آپ کی تصویب وتصدیق سے مزین ہوکر اُمت تک پہنچے، اور آپ نے کتنے سائلین کی رہنمائی فرمائی؟ اس کا اندازہ جامعۃ العلوم الاسلامیہ کے دارالافتاء میں سائلین کی آمد سے بآسانی لگایا جاسکتا ہے۔

جدید مسائل پر آپ کی نظر

جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے دارالافتاء کو عالم اسلام میں جو مقام حاصل ہے، وہ محتاجِ بیان نہیں ہے اور امت کو اس ادارے کے فتوی پر اعتماد بھی ہے، اس لئے ملک اور بیرونِ ملک سے جامعہ کے دارالافتاء میں ہر قسم کے استفتاءات آپ کی سرپرستی اور رہنمائی میں حل ہوتے اور اس کے

ساتھ عام مسلمانوں کے پیش آمدہ مسائل پر آپ وقیع اور مدلل نقطۂ نظر رکھتے تھے اور ہر قسم کے فتنوں سے باخبر رہتے اور اُن کی سرکوبی کے لئے ہمہ وقت تیار رہتے اور مسلمانوں کو ان سے بچانے کی کوشش فرماتے تھے، چنانچہ کچھ عرصہ قبل ایک کفر یہ فلم ''خدا کے لئے'' جو پاکستان میں فلمائی گئی تھی، جس میں اسلام اور شعائرِ اسلام کا مذاق اڑایا گیا تھا، اس کے پاکستان میں ریلیز ہونے سے پہلے ہی آپ نے اس سے متعلق حکمِ شرعی واضح کرتے ہوئے فتویٰ جاری کیا اور بہت سارے مسلمانوں کے ایمان کی حفاظت فرمائی۔ اسی طرح مروجہ اسلامی بینکاری سے متعلق مفصل تحریر جو ''مروجہ اسلامی بینکاری، تجرباتی مطالعہ، شرعی جائزہ، فقہی نقد وتبصرہ'' کے نام سے کتابی شکل میں منظرِ عام پر آچکی ہے، بھی آپ کی سرپرستی میں مرتب ہوئی۔ ''موبائل فون لون'' کے حکمِ شرعی پر بھی پہلا فتویٰ آپ ہی کا تھا، ماضی قریب میں بلکہ ماہنامہ ''بینات'' کے فروری کے شمارے میں آپ نے ''مروجہ تکافل'' (جو عرصہ دراز سے زیرِ بحث ایک معرکۃ الآراء مسئلہ تھا، آپ نے اس کے متعلق بھی فتویٰ صادر فرمایا۔ ''مسئلہ تحریف قرآن، یک طرفہ عدالتی خلع اور پرائز بانڈ'' جیسے اہم موضوعات پر بھی آپ نے بہت مفصل فتاویٰ صادر فرمائے۔ غرض شاید ہی کوئی نیا مسئلہ ایسا ہو، جس میں آپ نے اُمت کی رہنمائی نہ فرمائی ہو، ''جزاهم الله عنا وعن سائر المسلمين''۔

بحث وتحقیق کی شاید ہی کوئی وقیع مجلس ایسی ہو جس میں آپ نے شرکت نہ فرمائی ہو اور امت مسلمہ کو درپیش مسائل میں ان کی بروقت رہنمائی نہ فرمائی ہو، اس وادیٔ خار دار میں آپ جس کامیابی سے گزرے، اس کو صرف محنت اور فہم وفراست کا نتیجہ قرار نہیں دیا جاسکتا، بلکہ اُسے ایک ولی اللہ کی کرامت ہی کہا جائے گا۔

آپ کی تواضع اور انکساری

موصوف کی سب سے زیادہ جاذب اور دلکش ادا جس نے ہر ایک کے دل دماغ پر عقیدت اور محبت کا نقش قائم کیا، وہ آپ کی متواضع طبیعت تھی۔ تواضع کی باتیں پڑھنے کو تو بہت ملتی ہیں، لیکن تواضع کی عملی شکل دیکھنے کو بہت کم ملتی ہے۔ آپ علم وفضل کے جس قدر اونچے منصب پر فائز تھے، اُسی قدر منکسر المزاج اور متواضع تھے، اس پر مُستزاد یہ کہ جب بھی کسی سے ملتے، تو اس طرح خندہ پیشانی اور متبسم چہرے کے ساتھ ملتے کہ ملنے والے کو اِحساس نہیں ہوتا کہ میں اتنی بڑی شخصیت سے ملاقات کررہا ہوں، بلکہ اپنی عظمت اور بڑائی کو تواضع اور اپنائیت کے پردے میں اس طرح سے چھپا لیتے کہ اجنبی ملاقاتی بھی یہ محسوس کرتا کہ میں اپنے کسی پرانے، بے تکلف دوست سے ملاقات کررہا ہوں۔ آپ اپنے مصروف اوقات میں ملنے والے کو یہ محسوس نہیں ہونے دیتے کہ آپ عُجلت میں ہیں۔ اس تواضع وانکساری اور ملنساری جیسے بلند اور اخلاقِ کریمانہ نے آپ کی محبت ہر دل پر ثبت کردی تھی۔ ''وَفِيْ ذٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ''۔

شاید انہی اَوصاف کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو شہادت کا وہ بلند مقام ومرتبہ عطا فرمایا، جس کی توصیف قرآن مجید نے اس طرح فرمائی: '' أَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيِّيْنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ

وَالصَّالِحِیْنَ‘‘ اوران کی رفاقت کو اچھی رفاقت قرار دیا ہے۔

آپ کی شہادت کا سانحہ اہلِ علم حضرات کے لئے عموماً اور جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے لئے خصوصاً ایک عظیم سانحہ ہے۔ جامعہ علوم اسلامیہ اس حوالہ سے ایک درخشاں روایت کا حامل ہے کہ جامعہ نے تسلسل کے ساتھ شہادتیں پیش کیں، یہ جامعہ اور اہلِ جامعہ کے لئے اعزاز اور افتخار کی بات ہے۔ لیکن سَفّاک دشمن جن ناپاک عزائم کی تکمیل کے لئے یہ شنیع اور قبیح جرم کا ارتکاب کررہا ہے، اس کے یہ عزائم ان شاء اللہ! کبھی پورے نہیں ہوں گے۔ جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن وہ شجرِ مبارک ہے جو ’’أَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ‘‘ کا مصداق ہے، مصائب کی خزاں اس کے برگ وبار کو متاثر نہیں کرسکی۔ ع

برق گرتی ہے تو یہ نخل ہرا ہوتا ہے

اللہ تعالیٰ نے اس ادارے کو وہ مقبولیت، آفاقیت اور محبوبیت عطا کررکھی ہے کہ فراعنۂ عصر اپنی مکروہ چال بازیوں کے باوجود اس کو متاثر نہ کرسکے اور ان کے علی الرغم یہ گلشن اسی طرح شاداب رہے گا، ان شاء اللہ! اور یہاں سے ’’قال اللّٰہ وقال الرسول‘‘ کی صدائیں بلند ہوتی رہیں گی اور بزبانِ حال جامعہ ان فراعنہ سے کہہ رہا ہے:

رہے ہیں اور ہیں فرعون میری گھات میں اب تک
مگر کیا غم کہ میری آستین میں ہے یدِ بیضاء

آپ کی شہادت جہاں ایک عظیم سانحہ ہے، وہاں اَربابِ حل وعقد کے لئے ایک تازیانہ بھی ہے کہ ایسے لوگ جن کی زندگی امن واخوت کے درس کے لئے وقف تھی، ان کی اس طرح سے دن دَہاڑے سرِ عام شہادت کیا پیغام دیتی ہے؟! انتظامیہ کس قدر بے حس اور بے بَس ہوچکی ہے کہ اتنی عظیم ہستیوں کو اِس طرح سے شہید کیا جاتا ہے اور یہ ٹَس سے مَس بھی نہیں ہوتی۔ خدا جانے کہ ہمارے خفیہ ادارے کس مقصد کے لئے ہیں؟! اور ان کی تربیت کے یہ بلند وبانگ دعوے کہاں جاتے ہیں؟ ان پر قوم کا خطیر سرمایہ کس مقصد کے لئے صرف کیا جاتا ہے کہ یہ ادارے دہشت گردوں تک رسائی حاصل نہیں کرسکتے۔

اس رَوِش سے تو دہشت گردی کی لعنت کو جو فروغ ملے گا، وہ ملک وملت کے لئے کن بحرانوں کو جنم دے گی؟ اِس کی سنگینی کا اندازہ ابھی نہیں لگایا جاسکتا۔ انتظامیہ کی قانونی، اخلاقی اور شرعی ذمہ داری بنتی ہے کہ ان ظالموں تک رسائی حاصل کرے اور انہیں کیفرِکردار تک پہنچائے، اور اگر انتظامیہ کے یہ لوگ اس فریضہ میں کوتاہی کا ارتکاب کریں گے، تو قیامت کے دن اللہ کے سامنے جواب دہ ہوں گے، ان شہداء کا لہو اِن کے دامن پہ ہوگا اور اُن سے پوچھ ہوگی کہ امن وامان کی ذمہ داری اُٹھانے کے باوجود امن وامان ناپید کیوں رہا؟!۔ اگر فرائض پورے نہیں کرسکتے، تو مستعفی ہوجاتے، لیکن یہ کیا ظلم ڈھایا کہ عہدہ اور منصب کے مزے تو لوٹے، لیکن ذمہ داری کو پورا نہ کیا۔ زندگی چند کی دن ہے، پھر اللہ تعالیٰ کے

سامنے پیش ہونا ہے: ’’وَسَیَعْلَمُ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا أَيَّ مُنْقَلَبٍ یَّنْقَلِبُوْنَ ‘‘۔
جگر نے کیا خوب کہا:

اَرباب ِستم کی خدمت میں بس اتنی سی گزارش ہے میری
دنیا سے قیامت دور ہی سہی دنیا کی قیامت دور نہیں

اللہ تعالیٰ موصوف کی شہادت کو قبول فرمائیں ، اہلِ جامعہ اور ان کے اہل وعیال کو اُن کی برکات سے محروم نہ فرمائیں۔ **أللّٰھم اغفرہ و ارفع درجتہ في المھدیین،أللّٰھم افسح لہ في قبرہ ونوِّر لہ فیہ ولاتفتنا بعدہ . آمین.**

☆☆......☆☆

ایک اور جنتی بسوئے فردوسِ بریں

مولانا ڈاکٹر منظور احمد مینگل
جامعہ صدیقیہ گلشن معمار کراچی

ساری تعریفیں اس رب لایزال کوسیوا ہیں، جس کی صفتِ قدیمہ ''**لکل شئ محیط**'' کے ساتھ ساتھ ''**علٰی کل شئ شھید**'' بھی ہے، جس نے اپنی رضا کے لئے جان جان آفریں کے سپرد کرنے والوں کوشہید کا لقب دے کر کائنات کو آگاہ کردیا کہ موت ایسی چیز ہے کہ ہر چیز کوفنا کردیتی ہے، شکست وریخت سے دوچار کردیتی ہے اور ہر شئے کوہست سے نیست میں بدل دیتی ہے، مگر شہادت وہ حقیقت ہے کہ موت کو بھی ہرادیتی ہے، موت کی حقیقت نے ہر چیز کوشکست دی ہے، لیکن شہادت سے خود شکست کھاگئی ہے۔ نبوت وہ اعلیٰ مقام ہے کہ جس کی موجودگی میں دین ودنیا کے کسی بھی مقام ومنصب کی تمنا ہیچ ہوتی ہے، لیکن نبوت کے باوصف نبی' آپ کوشہادت کی آرزو کرتے ہوئے نظر آئیں گے، اس لئے اگر کوئی نبی میدانِ کارزار میں شہید نہ ہوا ہوتو نبی کی طبعی موت کو بھی اللہ تعالیٰ کے ہاں شہادت شمار کیا جاتا ہے، خوش قسمت ہیں وہ لوگ جن کواللہ نے اس عزت لازوال اور سعادتِ بے پایاں سے نوازا ہو۔

برادر مکرم، شہید فی سبیل اللہ حضرت مولانا مفتی محمد عبد المجید دین پوری اور میرے شیخ رئیس المجاہدین حضرت مفتی نظام الدین شامزئی شہیدؒ، حضرت اقدس رئیس الاولیاء فی عصرہ مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ، حضرت اقدس مولانا حبیب اللہ مختار شہیدؒ، حضرت اقدس برادر مکرم مفتی عبد السمیعؒ، حضرت اقدس شیخ الحدیث مولانا عنایت اللہ شہیدؒ، جامع المعقول والمنقول حضرت مولانا حمید الرحمٰن شہیدؒ، ان حضرات کومرحوم، رحمۃ اللہ علیہم یا متوفی کہتے اور لکھتے ہوئے بدن عجیب سی جُھرجھری محسوس کرتا ہے، زبان اور قلم رکنے لگتے ہیں، لیکن شہادت کے اعلیٰ مقام کودیکھ کر ان کی قسمتوں اور اعلیٰ مقام پر رشک آتا ہے اور اس پر تسلی واطمینان اور خوشی بھی ہوتی ہے کہ یہ حضرات بہت اونچے تھے، تب ہی تو اللہ نے اس دار الغرور والخداع سے نکال کر دار الحرور والسرور میں بلندیاں عطا کیں۔

ہر کمالے را' زوالے

اس دنیا میں بعض وہ حضرات ہیں کہ کمال کوپہنچنے کے بعد ان پر ان کی زندگی میں زوال بھی آیا ہے، جن کی لمبی فہرست بھی ہے اور جس پر گردشِ لیل ونہار گواہ بھی ہیں، خود سورج نصف النہار کے وقت اپنے

کمال کو پہنچنے کے بعد جا کر غروب ہوجاتا ہے، یہ اس کا زوال اور ناتمامیت ہے، چاند کمال کے مدارج طے کرتے ہوئے چودھویں تاریخ تک کمال کو جب پہنچتا ہے تو پندرہ تاریخ سے آخر ماہ تک اس کو زوال کا سامنا رہتا ہے، لیکن خالقِ کائنات کی علماء دیوبند اور میرے اساتذہ پر کتنی رحمت اور توجہ ہے کہ کمال پر پہنچا کر ان کو اسی کمال ہی کی حالت میں اپنے پاس بلاتا ہے، بلکہ شہادت کی نعمت دے کر ان کے کمال پر مہر ثبت فرما دیتا ہے کہ اب ان کے زوال پر ابدی زوال آچکا ہے، جو کبھی ہمارے مشائخ کے کمال کے در پے نہیں ہوسکتا۔

مفتی عبد المجید دین پوریؒ اور ان کی شہادت

جن دنوں میں برادرِ مکرم مفتی عبد المجید دین پوریؒ کو شہید کیا گیا، ان ہی دنوں میں مجھ سے کچھ لوگوں نے یہ پوچھا کہ صرف اور صرف علماء دیوبند کو کیوں شہید کیا جاتا ہے؟ اس کی وجہ کیا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ لومڑی، گیدڑ اور چوہے کا کون شکار کرتا ہے؟ شکار تو خالص حلال و پاکیزہ چیزوں کا یا پھر شیر کا کیا جاتا ہے! انگریز اور اس کی روحانی ذریت کو اس بات کا بخوبی علم ہے کہ اس ملک کے شیر اور بہادر، اعتقاد و عمل میں مخلص و پاکیزہ صرف علماء دیوبند ہی ہیں اور کوئی نہیں۔

مفتی عبد المجید دین پوریؒ اور آپ کی مقبولیت

اللہ تعالیٰ نے آپ کو جس عاجزی انکساری اور تواضع سے نوازا تھا، وہ بہت کم لوگوں میں دیکھنے کو ملتی ہے، باوجود اتنے علم اور اس اونچے مقام (بنوری ٹاؤن کے نائب رئیس دارالافتاء) کے پھر بھی میرے جیسے نالائق اور کم فہم لوگوں کے ساتھ انتہاء کی تواضع، خندہ پیشانی اور اخلاق سے پیش آتے تھے، جو ان کی مہر و محبت کی انتہاء ہے، جزاھم اللہ علی ذلک۔

حضرت دین پوریؒ اور سندھی زبان

چونکہ حضرتؒ سندھ میں کافی رہ چکے تھے، اس لئے سندھی زبان سے خاص تعلق اور دلچسپی تھی، میری اور آپ کی گفتگو اکثر سندھی زبان میں ہوتی تھی، آپ مجھ سے علم و عمل، تقویٰ و طہارت اور عمر میں بھی بڑے تھے، لیکن آپ کے رویہ سے کبھی بھی ہم نے کوئی بڑائی محسوس نہیں کی، بلکہ میرے جیسے نالائق کو آپ سائیں سائیں کے الفاظ سے پکارتے تھے۔ جو لوگ سندھی زبان جانتے ہیں وہ بخوبی جانتے ہیں کہ یہ لفظ ''سائیں'' سندھی زبان میں احترام کی انتہاء کو چھونے کے لئے استعمال ہوا کرتا ہے، شاید یہی وجہ ہے کہ سندھی زبان کے اس لفظ کی چاشنی کسی دوسری زبان میں نہیں ہے، بلکہ میرے اور آپ کے اس انداز کو دیکھ کر میرے پیارے بھائی مفتی رفیق احمد بالاکوٹی بھی میرے لئے لفظ سائیں استعمال کرنے لگے ہیں۔

فقہی مجالس اور مفتی عبد المجیدؒ

علماء کرام اور مفتیانِ عظام جانتے ہیں کہ ایک زمانہ سے دارالعلوم کراچی، بنوری ٹاؤن، جامعہ فاروقیہ و دیگر اہل مدارس کے مابین علمی اور فقہی مجالس کا انعقاد ہوا کرتا تھا، اب اس سلسلے کو لوگوں کی بچتیں اکٹھا کرنے والی بینکوں کے مسائل نے پارہ پارہ اور منتشر کر کے رکھ دیا ہے، شاید بینکوں نے ''لقد

تقطع بینکم ’’ کا کردارادا کردیا۔ چندسال پہلے دارالعلوم کراچی میں تصویراورسی ڈیز کے مسائل زیر بحث آئے ،اس موقع پراحقر کے لہجے میں شدت اور بے ادبی محسوس فرماکرمجلس کے اختتام پرآپ نے سندھی زبان میں احقر کی فہمائش کرتے ہوئے ادب واحترام کے دامن سے وابستہ رہنے کی تاکید وتلقین اورتنبیہ بھی فرمائی ،**نور اللّٰہ مرقدہ وجزاہ اللّٰہ علی ذلک۔**

آپ ہمارے بڑے تھے، آپ سے ہمیشہ علمی استفادہ کا سلسلہ جاری رہا، خاص طور پرحضرت اقدس مفتی نظام الدین شامزئی شہیدؒ اور برادرمکرم مفتی عبدالمجید دین پوریؒ جیسے عظیم حضرات جب اتنی عزت دیتے تھے تو ان کی اس نرمی اورعزت دینے کی وجہ سے میں تو کافی جری اور دلیر بن گیا تھا، اس وجہ سے ہم دیگر علماء سے بھی بے تکلف ہوکر گفتگو کرتے تھے، اس میدان میں برادرمکرم مفتی شعیب عالم صاحب اورمفتی رفیق احمد بالاکوٹی صاحب بھی شایدمیری بے باکی اورسنگ باری کی زَد میں آتے رہتے تھے، جس کی وجہ یہی بڑے حضرات ہیں جن کی شفقتوں نے ہمیں ہرکسی سے بے تکلف اور جری بنادیا تھا۔

ایک دفعہ تو حضرت اقدس مفتی نظام الدین شامزئیؒ کی گاڑی میں مفتی عبدالمجید دین پوریؒ، مفتی سمیع اللہ جامعہ فاروقیہ، مفتی عبدالباری جامعہ فاروقیہ ہم سب ساتھ تھے، میں نے مفتی نظام الدین شامزئیؒ اورمفتی عبدالمجید دین پوریؒ سے بے تکلفی وبے باکی کے ساتھ نیازمندی شروع کردی، برادرم مفتی سمیع اللہ پہلے تو روایتی آداب سے بے پروائی پرمجھے کچھ روکنے کی کوشش کرنے لگے، مگران حضرات کی خندہ پیشانی اوربشاشت کودیکھا تو مفتی سمیع اللہ بھی خاموشی سے میری بے تکلفی سے محظوظ ہونے لگ گئے۔ اللہ نے ہمیں ایسے اساتذہ اورایسے اکابرین عنایت فرمائے ہیں کہ جن کی مثال دنیا میں شاید بہت ہی کم ملے۔

حضرت اقدس شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خان کا ادب اوراحترام

حضرت اقدس مولانا سلیم اللہ خان شاید مفتی عبدالمجید دین پوریؒ کے استاذ نہیں تھے، لیکن اس کے باوجود برادرمکرم مفتی عبدالمجید دین پوریؒ کودیکھا کہ حضرت اقدس کا احترام استاذ سے بھی بڑھ کرکرتے تھے، جب بھی حضرت اقدس نے کسی مسئلہ پرآپ کو بلایا، حضرت مفتی صاحبؒ فوراً پہنچ جاتے تھے۔ یہ سب حضرت اقدس شیخ الاسلام علامہ بنوریؒ کے روحانی فیض کی مجسم تصویر ہے۔

میں نے اپنے شیخ حضرت اقدس محمدعوامہ کودیکھا ہے کہ حضرت اقدس بنوری کا جب بھی تذکرہ کرتے تو آپ کے آنسور کتے نہیں تھے، بنوری ٹاؤن کے اس قافلہ کا سالار اوران تمام عظیم اساتذہ کے فیوضات کا سرچشمہ حضرت اقدس مولانا محمد یوسف بنوریؒ کی ذات بابرکات ہے۔

اللہ تعالیٰ آپ کے لگائے ہوئے اس عظیم باغ (جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن) کو تاقیام قیامت جاری رکھے اوراس کے فیض کو عام اورتام فرمائے ،حضرات شہدائے کرام کے اس مقدس خون کی لاج رکھتے ہوئے اس ملک پراوراس کے رہنے والوں پررحم فرمائے اوران کے قاتلوں کو ہدایت عنایت فرماکرتوبہ کی دولت سے مالا مال فرمائے یا چن چن کر صفحۂ ہستی سے مٹادے، آمین، اوراللہ تعالیٰ برادر مکرم مفتی عبدالمجید دین پوریؒ اورمفتی صالح محمد کاروڑیؒ ودیگر شہدائے کرام کوغریقِ رحمت فرمائے۔

مفتی محمد عبدالمجید دین پوریؒ کی شہادت

مولانا محمد ازہر صاحب
مدیر ماہنامہ الخیر، ملتان

ملک کی ممتاز دینی درسگاہ جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی کے دارالافتاء کے ذمہ دار مفتی، حضرت مولانا مفتی محمد عبدالمجید دین پوریؒ اور ان کے نائب مفتی مولانا مفتی صالح محمدؒ بھی قافلۂ شہداء سے جا ملے۔إنا للّٰہ وإنا إلیہ راجعون۔

محدث العصر حضرت علامہ سید محمد یوسف بنوریؒ کے قائم کردہ ادارے جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے مفتیان کرامؒ کے دردناک سانحۂ شہادت نے دینی حلقوں کو ایک مرتبہ پھر جھنجھوڑ کر رکھ دیا ہے۔اسلام اور پاکستان کے دشمن اب کچھ عرصے سے ایسے علمائے دین کو چن چن کر نشانہ بنا رہے ہیں جن کا وجود اہلِ پاکستان کے لئے بہت بڑا سرمایہ اور نعمتِ خداوندی ہے، جن کی سرگرمیاں کتاب وسنت کی تعلیم وتدریس اور اہلِ ایمان کی اصلاح وخیر خواہی تک محدود ہیں۔

یہ لوگ مدارس کی چار دیواری میں رہ کر خاموشی کے ساتھ مسلمانوں کی دینی رہنمائی کا فریضہ انجام دیتے ہیں، اس فرض کی بجا آوری کے لئے وہ معمولی مشاہروں پر یومیہ اٹھارہ اٹھارہ گھنٹے بڑی خوش دلی سے درس وتدریس، مطالعہ اور فتویٰ نویسی میں مشغول ومنہمک رہتے ہیں۔

حضرت مولانا مفتی محمد عبدالمجید دین پوری شہیدؒ بھی اس قبیلے کے معتدل مزاج، سنجیدہ اور علمی کام میں منہمک رہنے والے فردِ فرید تھے، جن کی زندگی قرآن وسنت کو انسانیت تک پہنچانے کے لئے وقف تھی۔جن سفاک قاتلوں نے ان کے خون سے ہاتھ رنگے ہیں، انہوں نے ایک انسان ہی نہیں علم کا بھی خون کیا ہے۔اور خدانخواستہ یہ سلسلہ کچھ عرصہ اور چلتا رہا تو چاروں طرف ظلمتوں اور جہالتوں کا بسیرا ہوگا، علماء کے اٹھنے کے ساتھ علم بھی اُٹھ جائے گا۔اس سے پہلے بھی ہم ان قاتلوں کے ہاتھوں کتنے جید علماء، تقویٰ اور للّٰہیت کے مجسموں اور نادرۂ روزگار افراد سے محروم ہو چکے ہیں۔

حضرت مولانا مفتی محمد عبدالمجید دین پوریؒ اور مولانا مفتی صالح محمدؒ کا دور دور تک کوئی تعلق کسی عصبیت اور فرقہ واریت سے نہیں تھا، ان کی سرگرمیوں کی جولانگاہ مدرسہ کی چار دیواری اور درس وتدریس تھی۔

حضرت مولانا مفتی محمد عبدالمجید دین پوریؒ وفاق المدارس کے امتحانی پرچوں کی چیکنگ کے لئے جب ملتان دفتر وفاق تشریف لاتے تو ان کی زیارت وملاقات اور کچھ دیر رفاقت کا شرف حاصل ہوتا، وہ علم وعمل اور زہد وتقویٰ کے جامع تھے، تعلیم کے ساتھ طلبہ کی تربیت کے لئے روز وشب کوشاں رہنے والے مخلص استاد تھے، بلاشبہ ان کی شہادت جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی کے لئے ایک صدمہ ہے۔

دکھ کی اس گھڑی میں ہمیں سوچنا چاہئے کہ علماء کا خون کب تک بہتا رہے گا۔ ممکن ہے ہماری نظریں اِدھر اُدھر بھٹکیں، مگر درحقیقت اس خون ریزی کی ذمہ دار حکومت ہے۔ گزشتہ ماہ جب جامعہ احسن العلوم گلشن اقبال کراچی کے استاذ حدیث مولانا مفتی محمد اسماعیلؒ کو شہید کیا گیا تھا تو امیر جمعیت علمائے اسلام مولانا فضل الرحمٰن نے بجا طور پر کہا تھا کہ جب تک علماء وطلباء کے قاتل منظر عام پر نہیں لائے جاتے، اس وقت تک حکومت ہی ہماری قاتل ہے۔

پورے ملک میں بالعموم اور کراچی میں بالخصوص علماء، طلبہ، مدارس، عوام الناس سب دہشت گردوں کے نشانے پر ہیں۔ ملک کے ذہین ترین وزیر داخلہ نے کچھ روز قبل یہ ہوش ربا انکشاف فرمایا تھا کہ فروری کے آغاز میں سندھ کے دارالحکومت کراچی میں دہشت گردی اور قتل وغارت کا بازار گرم ہو جائے گا۔ انہوں نے یہ بھی کہا تھا کہ کراچی میں طالبان دہشت گردی نہیں کررہے، بلکہ یہ سرحد پار بیٹھے دشمنوں کی منصوبہ بندی ہے، جس میں مقامی لوگوں کو بھی استعمال کیا جائے گا، ان کے بیان کی بازگشت ابھی کانوں میں ہی تھی کہ محدث العصر حضرت علامہ سید محمد یوسف بنوریؒ کی قائم کردہ درس گاہ کے دو اساتذہ کرام کو شہید کردیا گیا۔

کراچی میں جاری قتل وغارت پر پورا ملک افسردہ اور غمگین ہے، مگر سنگ دل اور بے حس حکمران ٹس سے مس نہیں ہورہے۔ دن دَہاڑے قتل ہوتے ہیں، لوگ اغواء ہوتے ہیں، ٹارگٹ کلنگ ہوتی ہے، لیکن کوئی پوچھنے والا نہیں۔ یوں محسوس ہوتا ہے جیسے حکمرانوں کو صرف اپنی جانیں اور مال عزیز ہیں، عوام کو وہ بھیڑ بکریاں خیال کرتے ہیں۔

قتل وغارت کی وجہ کوئی بھی ہو، اب دینی حلقوں کی جانب سے پوری قوت سے یہ مؤقف اختیار کیا جانا چاہئے کہ عوام اور علماء کی جانوں کا تحفظ نہ کرسکنے والوں کو حکومت کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ رسمی بیانات کی بجائے ایسے پرامن احتجاج کی ضرورت ہے کہ حکومت علماء کی بات سننے اور غور کرنے پر مجبور ہو جائے۔ کوئٹہ کی تازہ مثال ہمارے سامنے ہے کہ دہشت گردی کے متاثرین نے اپنے مقتولوں کی میتوں کے ہمراہ شدید سردی میں تین دن تک دھرنا جاری رکھ کر حکومت کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کردیا۔

شہید علماء کے قاتلوں کی گرفتاری کے لئے بھی اسی نوع کے اتحاد واحتجاج کی ضرورت ہے، جس کے لئے قیادت کے مخلص ہونے کے ساتھ ساتھ معاملہ فہم اور جری ہونا بھی ضروری ہے۔ اس دور میں رسمی احتجاجی بیانات اور تعزیتی قراردادیں قاتل کا ہاتھ مروڑنے کے لئے کافی نہیں۔ مصلحتوں کی اسیر حکومتیں اس وقت تک

سنجیدگی سے کسی مسئلے کے حل کی طرف متوجہ نہیں ہوتیں جب تک آنچ ان کے دامنِ اقتدار تک نہ پہنچے۔ اس کے لئے منتشر صفوں کی شیرازہ بندی، اتحاد، صبر واستقلال اور ایثار کے علاوہ اس عہد کی ضرورت ہے کہ مشائخ عظام اور علمائے کرام کی قیمتی جانوں کا تحفظ تمام وقتی تقاضوں اور مصلحتوں سے بالاتر ہے۔

کراچی میں تین ہزار سے زائد مدارس اور دینی ادارے کام کر رہے ہیں، مساجد کی تعداد اس سے بھی زیادہ ہے، اس طرح مساجد و مدارس میں پڑھنے، پڑھانے اور کام کرنے والوں کی تعداد لاکھوں میں ہے، جو اپنے بزرگوں کی آواز پر لبیک کہنے کے لئے ہر وقت تیار ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ ہم سب کی اجتماعی کوتاہی ہے کہ علمائے کرام کے خون کی ارزانی کی روک تھام کے لئے ہم سب کو جس مؤثر انداز میں آواز اٹھانی چاہئے تھی، اب تک ہم نہ اُٹھا سکے۔

حضرت مولانا مفتی محمد عبد المجید دین پوریؒ کی شہادت کے بعد ''دیر آید درست آید'' کے مصداق یہ امر بہرحال امید افزا ہے کہ کراچی میں علماء، طلباء اور مذہبی کارکنوں کی پے در پے شہادت اور مدارس پر حملوں کے خلاف دینی مدارس اور مذہبی جماعتوں نے مرحلہ وار بڑے پیمانے پر تحریک شروع کرنے کی ضرورت محسوس کی ہے، جس کا حتمی فیصلہ ۶ رفروری ۲۰۱۳ء کو جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن میں ہونے والے اجلاس میں ہوا۔ اس اجلاس میں وفاق المدارس العربیہ پاکستان کی قیادت کے علاوہ دینی وسیاسی جماعتوں کے نمائندے بھی شریک ہوئے۔

دینی حلقوں کی یہ مشترکہ آواز اور احتجاج کا فیصلہ قابل ستائش ہے۔ ایک پلیٹ فارم سے بلند ہونے والی اکابر کی اس آواز پر لاکھوں مخلصین ان شاء اللہ العزیز لبیک کہنے کے لئے تیار ہوں گے، تاہم حکومت تک یہ صدائے احتجاج اسی صورت میں پہنچے گی جب اسے منظّم ومربوط اور مستقل بنیادوں پر جاری رکھا جائے گا۔ ہمیں علمائے حق کی جانوں کے تحفظ کے لئے استقامت وہمت سے کام لینا چاہئے، اگر ہم یہ دیکھتے اور کہتے رہے کہ یہ افراد کا نہیں اداروں کا کام ہے، عوام کا نہیں حکومت کا کام ہے، عدلیہ، مقنّنہ اور پولیس کو اپنا فریضہ ادا کرنا چاہئے تو ہم اپنی محترم ومحبوب شخصیات کی حفاظت نہیں کرسکیں گے۔ تشتت وافتراق اور جرمِ ضعیفی کی سزا مرگِ مفاجات ہے جو ہمیں مل رہی ہے۔ قانونِ فطرت میں بھی ان ہی کی مدد کی جاتی ہے جو خود اپنی مدد کے لئے ہاتھ پاؤں ہلاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ حضرت مولانا مفتی محمد عبد المجید دین پوریؒ، مولانا مفتی صالح محمدؒ کو اپنا قربِ خاص نصیب فرمائیں، اُن کے پسماندگان کو اس سانحہ پر صبر کی توفیق عطاء فرمائیں، اور وطنِ عزیز کو امن وسکون کا گہوارہ بنائیں اور قوم کو مخلص ودیانت دار قیادت نصیب فرمائیں۔ آمین

مسندِ بنوریؒ کے جانشین

مفتی احمد ممتاز
رئیس دارالافتاء جامعہ خلفاء راشدینؓ، ماڑی پور کراچی

اُن کی یادیں، اُن کی باتیں اور مستقبل کا لائحہ عمل

ماضی کے دریچوں میں جھانک کر کچھ تلخ یادیں تازہ کرنے کے لئے قلم ہاتھ میں لیا تو سمجھ نہیں آرہا تھا کہ ابتداء کہاں سے کروں؟ میں سوچ رہا تھا کہ ایک عظیم مفتی اور لاجواب مدرس اور انتہائی شیریں زباں، دھیمے لہجے کے مالک حضرت مفتی محمد عبدالمجید دین پوری شہید رحمہ اللہ کے تیار ہونے میں کم وبیش ساٹھ برس لگے۔ اللہ رب العزت اور تقدیر کے فیصلے پر ہمیں کوئی اعتراض نہیں اور کوئی اعتراض کر بھی کیسے کرسکتا ہے؟ اور کیونکر؟ (کہ ایسا کیوں ہوا؟) لیکن بہر حال ساٹھ برس تک کتنے افراد کی کتنی محنت، کتنے لوگوں کا سرمایہ، کتنے اساتذہ کی شب وروز کی تھکا دینے والی محنتوں کے بعد اتنا بڑا ایک انسان تیار ہوا، لیکن ظالم درندوں کی صرف بیس سیکنڈ کی درندگی نے اس عظیم ہستی کو ہم سے چھین لیا۔ بس! یوں سمجھئے کہ اندھیری رات کے تھکے ہارے، تند وتیز ہواؤں اور موسموں کے ستائے ہوئے، راہ سے بھٹکے ہوئے مسافروں کو نشانِ منزل بتلانے والے، ایک جلتے دیپ کو پھونک مار کر گل کر دیا گیا۔ حضرت دین پوری شہید رحمہ اللہ کے وہ الفاظ ابھی تک گویا میری سماعتوں کے ساتھ ٹکرا رہے ہیں کہ ''میری بڑی صاحب زادی آئی ہوئی تھی تو مجھے کہنے لگی: ابو! آپ ذرا باہر جاتے ہوئے خیال کیا کریں، اپنی حفاظت کا بہت زیادہ خیال کیا کریں۔ تو میں نے جواب دیا: ''میڈی دھی! جیڑھی رات قبر اچ لکھی ہے، اوہ باہروں نئیں آسکدی، تے جیڑھی رات باہروں لکھی ہے، اوہ قبر اچ نئیں آسکدی'' (بیٹی! جو رات قبر میں لکھی ہوئی ہے، وہ کبھی باہر نہیں آسکتی اور جو باہر لکھی ہوئی ہے، وہ کبھی قبر میں نہیں آسکتی)۔ جی ہاں! اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ رات ان کی قبر ہی میں لکھی ہوئی تھی، وہ بھی شہادت جیسی عظیم موت پاکر، میں تو سچ بتاؤں! کہ ان کی قسمت پر ناز کرتا ہوں کہ ٹھیک ہے جانا تو ہر کسی نے ہے، لیکن امیر المومنین سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وہ تمنا اور دعا: ''**أللّٰهم ارزقني شهادةً في سبيلك واجعل موتي في بلد حبيبك**'' اسلام کے غلبہ پا جانے کے بعد مدینہ کے اندر رہ کر شہادت کی تمنا کرنا بظاہر ایک عجیب

وغریب بات تھی، لیکن جب اللہ رب العزت کی طرف سے قبولیت ہو جائے تو پھر تمام بند دروازے کھل جایا کرتے ہیں اور راستے کی تمام رکاوٹیں خود بخود دور ہو جایا کرتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وہ دعا قبول فرمائی اور ''**جعل موته في بلد حبيبه**'' کردیا۔

حضرت دین پوری شہید رحمہ اللہ نہ صرف یہ کہ تگڑے اور بہترین مدرس اور ہر دل عزیز شخصیت تھے، بلکہ وہ ایک انتہائی کہنہ مشق مفتی بھی تھے اور عافیت کے گوشوں میں بیٹھے ہوئے ایک مدرس ومفتی کے لئے ان کاموں کو جاری رکھے ہوئے بظاہر جہاد کے میدانوں میں جانا اور شہادت جیسے عظیم مرتبہ کو حاصل کرنا ایک ناممکن سی بات ہے۔ میں نہیں سمجھتا کہ حضرت دین پوری شہید رحمہ اللہ نے کبھی مقبول شہادت کی دعا نہ مانگی ہو۔ بطورِ جملہ معترضہ درمیان میں حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید رحمہ اللہ کی ایک بات یاد آئی کہ ''جب بھی اللہ سے دعا مانگو تو یوں مانگو: اے اللہ! مجھے سعادت کی طویل زندگی اور شہادت کی مقبول موت عطاء فرما، اس لئے کہ جہاں شہادت ایک عظیم نعمت ہے وہیں زندگی بھی تو اللہ تعالیٰ کا ایک خاص اور عظیم عطیہ ہے، لیکن جب زندگی سعادت کی مل جائے تو جتنی طویل ہو کم ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ اس باسعادت زندگی میں اپنے دینِ عالی کے بڑے بڑے کام کرنے کی توفیق عطاء فرمائیں گے جس میں اپنا بھی دنیا وآخرت کا فائدہ ہے اور پوری امت مسلمہ کا بھی۔ اللہ رب العزت نے حضرت لدھیانوی شہید رحمہ اللہ کے حق میں یہ دعا کس خوبی سے قبول فرمائی، واقفانِ حال سے مخفی نہیں، اسی طرح اللہ رب العزت نے حضرت دین پوری شہید رحمہ اللہ کے حق میں بھی حضرت سیدنا فاروق اعظمؓ کی دعا اس انداز میں کہ اپنے مقام پر رہتے ہوئے دیگر دینی کاموں کے ساتھ ساتھ قبول فرمائی، اور ایسے ہی حضرت لدھیانوی شہید رحمہ اللہ کی دعا بھی اللہ تعالیٰ نے حضرت دین پوری شہید رحمہ اللہ کے حق میں احسن انداز میں قبول فرمائی، ان کی دعا تو قبول ہوگئی، اور ان کی جدائی پر ہمارے دل غمزدہ اور افسردہ بھی ہیں، لیکن غم کی اس شدید ترین گھڑی میں بھی ان شاء اللہ تعالیٰ! زبان سے وہی الفاظ نکلیں گے جن سے اللہ تعالیٰ راضی ہو۔ جنابِ نبی کریم ﷺ کے پیارے بیٹے ابراہیمؓ جب اس دنیا سے تشریف لے گئے تو آنحضرت ﷺ کی آنکھیں آنسو بہا رہی تھیں اور دل غمگین تھا، لیکن زبان سے'' **ولا نقول إلا بما يرضى به ربنا وإنا بفراقک يا إبراهيم لمحزونون**''۔

ویسے دیکھا جائے تو حضرت بنوری رحمہ اللہ کے گلشن کی یہ خاص خصوصیت ہے کہ اس گلشن کے متعلقین کو اللہ تعالیٰ شہادت جیسی نعمت عظمیٰ سے تسلسل کے ساتھ نوازتے چلے آرہے ہیں، یہ سلسلہ حضرت مولانا حبیب اللہ مختار شہید رحمہ اللہ تعالیٰ سے شروع ہوا اور حضرت مفتی عبدالسمیع شہیدؒ اور پھر حضرت لدھیانوی شہیدؒ اور حضرت مفتی نظام الدین شامزئی شہیدؒ، حضرت مولانا سعید احمد جلال پوری شہید رحمہم اللہ تعالیٰ اور اب

حضرت مفتی محمد عبدالمجید دین پوری شہید رحمہ اللہ تعالیٰ بھی اس قافلۂ شہداء میں شامل ہوگئے، نہ معلوم یہ سلسلہ کہاں جا کر رکے گا؟ اس لئے حضرت بنوری رحمہ اللہ کے اس گلشن کے بارے میں یہ کہنا بے جا نہ ہوگا:

یہ روح پیاسی ہمیں ورثے میں ملی ہے
دُکھ درد سے رشتہ ہے صدیوں سے ہمارا
یہ سُرخ لباسی ہمیں ورثے میں ملی ہے

اپنی شہادت سے ٹھیک پندرہ دن قبل جمعرات کے روز حضرت دین پوری شہید رحمہ اللہ تعالیٰ ہمارے جامعہ میں تشریف لائے، اُن کے ساتھ مولانا مفتی شعیب عالم اور مفتی رفیق احمد بالاکوٹی صاحب بھی تھے، قبل از عصر تقریب تقسیم انعامات تھی، اس کے بعد حضرت نے مختصر مگر انتہائی پرمغز بیان فرمایا، نمازِ عصر کے بعد حضرت کی خواہش پر قریبی ساحلِ سمندر پر چلے گئے، وہیں ساحل پر کچھ احباب جوس وغیرہ لے کر آ گئے، میرے چھوٹے بھائی مولانا مفتی محمد امتیاز بڑے ہی خوش مزاج و خوش طبع واقع ہوئے ہیں، حضرت کے ساتھ وہیں پر تھوڑی دیر کے لئے ظریفانہ گفتگو کی محفل جم گئی، حضرت مغرب تک ان کی گفتگو سے محظوظ ہوتے رہے، مغرب کی نماز وہیں قریبی مسجد میں ادا کی اور واپس جامعہ میں چلے آئے اور پھر مغرب کے بعد کھانے پر بھی مجلس بڑی ہی پرلطف رہی، عشاء کی نماز یہیں ادا کی اور نمازِ عشاء کے بعد ایک پرانی اور بوسیدہ سی کار میں رات دس بجے کے قریب بنوری ٹاؤن واپس تشریف لے گئے۔ میں آج نگاہِ تصور میں اس پرانی اور بوسیدہ سی کار میں روانہ ہونے والے جنت کے اس تھکے ہارے مسافر کو رخصت ہوتے ہوئے دیکھتا رہا اور سوچتا رہا کہ واقعتاً ساٹھ سال کا طویل ترین سفر طے کرنے والا تھکا ہوا مسافر آج یقیناً اللہ تعالیٰ کی میزبانی سے اس کی جنت میں لطف اندوز ہو رہا ہوگا۔ **أللّٰهم اغفره وارحمه ولا تعذبه واحشره في زمرة الصالحين، اللّٰهم اجعل قبره روضة من رياض الجنة، أللّٰهم ارزقه فردوس الأعلىٰ، آمين يارب العالمين!۔**

حضرت دین پوری شہید رحمہ اللہ تعالیٰ تو اپنی زندگی کا وہ خاردار سفر جو مشقتوں، پریشانیوں اور رنج والم سے پُر تھا، مکمل کر کے اعلیٰ علیین میں پہنچ گئے، لیکن ہمارے لئے بلکہ پوری امت مسلمہ کے لئے چبھتے ہوئے کچھ سوالات چھوڑ کر چلے گئے:

☆......کیا علمائے امت کا خون ڈیڑھ کروڑ کی آبادی رکھنے والے اس شہر میں اتنا سستا ہوگیا کہ پیاز، ٹماٹر اور آلو کی قیمت سے بھی گر گیا کہ وہ پھر بھی چالیس، پچاس روپے کلو میں فروخت ہوتے ہیں، لیکن علمائے امت کا خون صرف تیس روپے کی ایک گولی کے برابر ہوگیا؟

☆......کیا شہرِ قائد کی ان گلیوں میں آئندہ بھی ان علماء کا خون دن دہاڑے اسی طرح بہتا رہے گا؟

☆......سردی گرمی، دھوپ بارش، آندھی طوفان، غرض حالات کچھ بھی ہوں مساجد و مدارس کو **ألله أكبر** اور **قال الله و قال الرسول** کی زمزمہ بار صداؤں سے آباد رکھنے والے ان علماء کی زندگیاں ان خطرات سے ایسے ہی دو چار رہیں گی؟ یا پھر وہ علماء و مشائخ اپنے ہی وطن عزیز میں رہتے ہوئے بھی ہجرت پر مجبور کردیئے جائیں گے؟

☆......ان علماء کا مستقبل کیا ہوگا؟ اور اس شہر کراچی کا مستقبل کیا ہوگا؟ کیا یہ علماء اور شہر قائد کے باسی اسی طرح خوف کے سائے میں زندگی گزارنے پر مجبور رہیں گے؟ جہاں نہ ان کا مال محفوظ ہے اور نہ ہی جان، موٹر سائیکل سے لے کر لینڈ کروزر تک کسی گلی محلّہ کے کھوکے (کیبن) سے لے کر بڑی انڈسٹری اور شوروم تک، دیہی علاقوں کی کچی گلیوں کے خستہ حال مکانوں کے مکینوں سے لے کر، ڈیفنس اور کلفٹن کے بنگلوں اور محلات تک، ہر کوئی ڈکیتی، راہ زنی اور بھتہ کے عفریت سے محفوظ نہیں، آخر ان کا مستقبل کیا ہوگا؟

تو آیئے! ان سوالات کے جوابات تاریخ کے اوراق، صحابہؓ و تابعین کی زندگی اور حضور ﷺ کی سیرتِ طیبہ میں تلاش کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

مکہ کے تپتے صحرا، دوپہر کا وقت، جسموں کو جھلسا دینے والی لُو، لیکن آقائے مدنی ﷺ کا ایک غلام جس کو بلال حبشیؓ کے نام سے یاد کیا جاتا تھا، پتھر کی بھاری چٹانوں تلے دبا ہوا، صحرا کے ذروں کی پیاس اپنے پسینے سے بجھاتے ہوئے ''أحد ، أحد '' کی صدائیں بلند کرتا ہوا، قیامت تک آنے والے آقائے مدنی کے نام لیواؤں کو درسِ عشق سکھا رہا تھا کہ:

اے مرغِ سحر! عشق زِ پروانہ بیاموز
کاں سوختہ را جاں شد و آواز نیامد
وہ مرد نہیں جو ڈر جائے حالات کے خونی منظر سے
جس حال میں جینا مشکل ہو اس حال میں جینا لازم ہے

ایک طرف ایمان کی قوت اور دوسری طرف پہاڑوں کے دل دہلا دینے والی بربریت، لیکن عشق تو عشق ہوتا ہے حقیقی ہو یا مجازی، جب کسی سے عشق ہو جاتا ہے تو پھر انجام کی پرواہ ختم ہو جایا کرتی ہے کہ اے اہل اسلام! قربانیاں دینا تو ہماری روایت ہے، تم حالات کا شکوہ کیوں کر رہے ہو؟ سینہ تان کر میدان میں نکل کر:

دشمن سے کہو اپنا ترکش چاہے تو دوبارہ بھر لائے
اس سمت ہزاروں سینے ہیں اُس سمت اگر ہیں تیر بہت

اس سے بھی تھوڑا سا آگے بڑھ کر ذرا اس منظر کو بھی دیکھئے! کہ دونوں جہانوں کے سردار،

آقائے نامدار، سیدالاولین والآخرین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ آخر حالات سے اتنے تو دلبرداشتہ ہوگئے تھے اور مکہ والوں کے مظالم سے اتنے تو تنگ آگئے تھے کہ مجبور ہوکر اپنے ساتھیوں کے لئے جائے پناہ تلاش کرنے کے لئے طائف کا رُخ کیا کہ کہیں میرے ساتھی صبر کا دامن چھوڑ نہ بیٹھیں، لیکن اس کا انجام کراچی کے آج کے حالات سے کہیں زیادہ بھیانک نکلا، آقائے نامدار فداہ ابی وامی ﷺ کے جوتے خون سے رنگین، طائف کی گلیوں کے پتھر اور ذرات آقائے مدنی ﷺ کے لہو سے منہ دھوکر قیامت تک کے لئے آنے والے امتیوں کو سبق سکھا گئے۔

تندیٔ بادِ مخالف سے نہ گھبرا اے عقاب!
یہ تو چلتی ہے تجھے اُونچا اُڑانے کے لئے

اور خاص کر وہ منظر تو تاریخ کبھی بھلائے سے بھی نہ بھولے گی کہ رسول اللہ ﷺ کعبہ کے سائے میں نماز پڑھنے میں مشغول اور قوم کا ایک بدبخت لعین اٹھا اور جا کر اونٹ کی اوجھڑی اور انتڑیاں اٹھا کر لے آیا اور امام الانبیاء ﷺ کے سجدے میں جانے کا انتظار کرنے لگا، جب امام الانبیاء ﷺ سجدے میں گئے تو اس بدبخت نے وہ سارا گند آپ علیہ الصلوۃ والسلام پر ڈال دیا۔ آہ.....! کتنا بے بسی اور بے کسی کا عالم کہ حضور انور ﷺ اونٹ کی اوجھڑی تلے دبے پڑے ہیں، لیکن ''اللہ رب العزت کا فیصلہ ہے کہ ''**تلک الأیام ندا ولھا بین الناس**'' بالآخر آسمان نے وہ منظر بھی تو دیکھا جب رسولِ پاک ﷺ چھڑی لے کر قلیبِ بدر میں ایک ایک بدبخت کی لاش کے اوپر چڑھ کر اس کو مار رہے تھے اور کہہ رہے تھے: ''**ھل وجد تم ما وعد ربکم حقا**'' اور یہ بھی کہ جس مکہ سے آنحضرت ﷺ کو راتوں رات چپکے سے نکلنے پر مجبور کیا گیا تھا، پھر ایک وقت وہ بھی آیا کہ اسی مکہ میں دس ہزار صحابہؓ کا لشکر لے کر فاتح بن کر مکہ میں داخل ہو رہے تھے۔

ذرا سا سوچئے! کہ پوری امت کے سارے علماء، فقہاء، مجتہدین، محدثین، مفسرین، غوث، قطب، ابدال اور اولیاء کا خون ایک طرف اور امام الانبیاء ﷺ کے خون کا ایک قطرہ ایک طرف، کیا مناسبت ہے دونوں میں؟ یہاں تقابل کا تو امکان ہی نہیں، لیکن کیا طائف کی وادی میں پتھر کھانے نے، ابوبکر صدیقؓ کے مار مار کر زخمی ہونے نے، بلال حبشیؓ کے گھسیٹے جانے نے، سمیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو چیر کر دو ٹکڑے کر دیئے جانے نے، اور ایک نہیں، دو نہیں، چار نہیں بلکہ ستر قراء کے جنازے اٹھانے نے، غرض یہ کہ ان تمام مصائب اور آلام نے سرورِ دوعالم ﷺ کے حوصلے کیا پست کر دیئے تھے؟ اور کیا دیگر تمام صحابہ کرامؓ اس ظلم و بربریت کو دیکھ کر اپنے مشن سے پیچھے ہٹ گئے تھے؟ کیا ان کی ہمتیں جواب دے گئی تھیں؟ اور کیا آج کراچی کے حالات اور دشمن کا ظلم وستم اُس وقت کے ظلم و بربریت سے بڑھ گیا ہے؟ نہیں! ہرگز نہیں! اور یقیناً نہیں! تو پھر ہمارے حوصلے کیوں پست ہو رہے ہیں؟ اور ہماری ہمتیں کیوں

جواب دے رہی ہیں؟ حوصلے تو ان قوموں کے پست ہوا کرتے ہیں جن کے سامنے کوئی منزل نہ ہو یا اُن کو منزل تک پہنچنے کا یقین نہ ہو، ہماری تو منزل بھی متعین ہے اور منزل پر پہنچنے کا یقین بھی ہے، ہمارے لئے ناکامی تو ہے ہی نہیں، جب تک اللہ تعالیٰ اپنے دین کا کام لے اس کی مرضی، اور جب شہادت جیسی عظیم موت سے سرفراز فرمادے تو زہے نصیب! ہم تو دعا ہی اسی موت کی کرتے ہیں، اس سے بڑھ کر نعمتِ عظمیٰ اور کیا ہوسکتی ہے؟ دشمن کے نزدیک جو سب سے بڑا انتقام اور سب سے بڑی سزا ہے وہی تو ہماری منزل ہے۔ ہاں! شرعی حدود اور اپنی وسعت میں رہتے ہوئے اسباب اور احتیاطی تدابیر کو اختیار کرنا بھی ہمیں ہماری شریعت اور ہمارے مذہب نے سکھایا ہے، باقی موت تو ایک دن آنی ہی ہے، اس کا وقت تو متعین ہے، اس سے تو کوئی مفر نہیں ''أَیْنَ مَا تَکُوْنُوْا یُدْرِکْکُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ کُنْتُمْ فِیْ بُرُوْجٍ مُّشَیَّدَۃٍ''۔

ہونا تو یہ چاہئے کہ ہر عالم کی شہادت ہمارے جذبوں کو اور جوان کرے، ہر طالب علم کی موت ہمارے حوصلوں کو اور جلا بخشے، ہر مسلمان کی مظلومانہ جدائی ہمیں آگے بڑھنے کا نیا جذبہ اور نیا ولولہ دے، حضرت دین پوری شہید رحمہ اللہ اپنے قول اور عمل کے سچے نکلے کہ ''جیہڑی رات قبر اچ لکھی ہے او باہروں نئیں آسکدی، تے جیہڑی رات باہروں لکھی ہے او قبر اچ نئیں آسکدی''۔ خطرات کے باوجود وہ خدمتِ دین اور اپنے مشن سے پیچھے نہ ہٹے، کراچی شہر کے ان سلگتے حالات میں بھی وہ اپنی دھن میں مگن رہے، ذرہ بھر بھی پیچھے نہ ہٹے اور اپنے عمل سے ہمیں یہ بتلا گئے ؎

کلیوں کو میں خونِ جگر دے کے چلا ہوں
صدیوں مجھے گلشن کی فضا یاد کرے گی
مصائب سے اُلجھ کر مسکرانا میری فطرت ہے
مجھے ناکامیوں پر اشک برسانا نہیں آتا

لیکن کوئی بات نہیں اے اہلِ باطل! یہ تمہارے دن ہیں اور وہ دن دور نہیں جب تاریخ اپنے آپ کو دُہرائے گی اور ہاتھ ہمارا ہوگا اور گردن تمہاری۔ اگر یہاں نہیں تو کہیں تو ہوگا، اللہ کے ہاں دیر تو ہے، اندھیر نہیں۔ رُسوائے زمانہ ''پرویز مشرف'' کے الفاظ شاید آپ ابھی تک بھولے نہیں ہوں گے: ''لال مسجد والے سرنڈر ہوجائیں، میرے پاس بہت طاقت ہے، ورنہ سب مارے جائیں گے'' طاقت کے نشے میں اس بدمست ہاتھی کو آج اپنی دھرتی بھی جگہ دینے کے لئے تیار نہیں اور اُمید ہے کہ یہ دھرتی اُس کو جگہ دے گی بھی نہیں، جس طرح کہ جنرل سکندر مرزا کو اس دھرتی نے جگہ نہیں دی اور پھر بڑی مشکل اور منت سماجت کے بعد ایران میں اس کی ''ارتھی'' کو مٹی تلے دبا دیا گیا اور پھر ایرانی انقلاب نے اس کی مٹی کی ڈھیری کو بھی صفحۂ ہستی سے مٹا ڈالا۔ **فاعتبروا یأولی الأبصار، فاعتبروا یأولی الأبصار، فاعتبروا یأولی الأبصار.**

حضرت مفتی عبدالمجید دین پوریؒ اور اُن کے رفقاء کی شہادت

مولانا عبدالقیوم حقانی
مدیر ماہنامہ القاسم، نوشہرہ

اس معاشرے کی سعادتوں کا کیا کہنا، جہاں قوم وملت کے مخلصین، علومِ نبویؐ کے اصل وارثین کی تعداد انگلیوں کے پوروں تک ہی محدود نہ ہو، بلکہ وہ کئی ایک بھی ہوں اور قدآور بھی۔ وہ عظمتوں کے حامل ہی نہ ہوں، عظمتیں ان پر نچھاور ہونے کے لئے بے تاب ہوں۔ نور کی کرنیں ان کے وجود سے پھوٹیں تو پورے معاشرے کو روشن کردیں، یقیناً ایسا معاشرہ خوش بختی کی انتہاؤں کو چھور ہا ہوتا ہے۔ البتہ جہاں کہیں ایسی شخصیات کی تلاش بھی جوئے شیر لانے کے مترادف بن جائے، وہاں صرف تاریکیوں کی حکمرانی ہوتی ہے اور ایسا معاشرہ ہر قسم کی سعادت سے محرومی کا داغ اپنے ماتھے پرسجائے رکھتا ہے۔

محرومی کا یہ داغ اس وقت کچھ اور نمایاں ہوجاتا ہے جب معاشرے میں موجود گنتی کی چند تابندہ شخصیات کے وجود کو تاریکیاں نگلنا شروع کردیں۔ پاکستانی معاشرہ محرومی کا یہی داغ لئے ہوئے اپنی تاریخ کے اس بدقسمت ترین دور سے گذر رہا ہے، جس میں اُجالوں کے پیامبروں سے تو جینے کا حق بھی چھینا جارہا ہے، جبکہ تاریکیوں کے مجسمے طولِ اَمل کو آنکھوں میں سجائے ہر چیز پر اپنا ''استحقاق'' مسلط کئے جارہے ہیں۔ ہماری آنکھیں دیکھتی ہی رہ گئیں اور عظمتوں کے کئی ایک کوہِ گراں' تاریکیوں کے اژدہوں کی نذر ہوگئے۔

کئی سال گزرنے کے باوجود مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختارؒ، مولانا مفتی عبدالسمیعؒ، مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ، مولانا مفتی ڈاکٹر نظام الدین شامزئیؒ کی جدائی کا داغ آج بھی سینوں پر نمایاں ہے۔ مولانا مفتی محمد جمیل خانؒ، مولانا سعید احمد جلال پوریؒ، مولانا مفتی عتیق الرحمٰنؒ، مولانا محمد اسلم شیخوپوریؒ کا غمِ فرقت آج بھی بھلائے نہیں بھولتا۔ جامعہ احسن العلوم کے مولانا مفتی محمد اسماعیلؒ اور شہداء طلباء کے زخم ابھی مندمل ہی نہیں ہوئے کہ اب ظالموں نے جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی کے صدر مفتی مولانا مفتی عبدالمجید دین پوریؒ اور ان کے رفقاء سے قوم کو محروم کردیا۔

مفتی عبدالمجید دین پوریؒ کی شخصیت اپنی جگہ گوہرِ تابدار تھی، قوم کا انمول سرمایہ تھی، ملک وملت کا

گرانقدر اثاثہ تھی ، لیکن تاریکیوں نے اُجالوں کے سفر کے آگے بند باندھنے کے لئے اُس تابندہ شخصیت ہی کو آخرت کا راہی بنا دیا ، اس امر کا ادراک کئے بغیر کہ اُس شخصیت کی تابنا کیاں اُن کے فانی وجود کے ختم ہونے سے مٹ تو نہیں جائیں گی ، حق وصداقت پر مبنی جس نظریے اور جس دین کے وہ علمبردار تھے ، اُسے تو فنا نہیں آسکتی ۔ اللہ تعالیٰ کے نور سے کسب فیض کرتے ہوئے انہوں نے رُشد وہدایت کی کرنیں بکھیرنے کا جو عمل شروع کر رکھا تھا ، اس پر تو موت وارد نہیں کی جاسکتی ، کیونکہ اس کو تکمیل تک پہنچانے کا کام تو سراپا نور ذات نے خود ہی سنبھال رکھا ہے ۔

مولانا مفتی عبد المجید دین پوریؒ اسلام کے داعی ' نظریۂ پاکستان کے جری اور بے باک محافظ تھے ، اس ضمن میں نہ تو وہ کسی مُصالحت کے قائل تھے اور نہ ہی کسی مُداہنت کے ۔ اگر کسی بھی طرف سے اسلام ، ختم نبوت ، عظمتِ صحابہؓ اور نظریۂ پاکستان پر حملہ ہوتا تو وہ شمشیرِ بے نیام بن کر اسلام کے دشمنوں کا تعاقب کرتے اور ان کے چھکے چھڑا دیتے ۔

اِس ضمن میں ان کے فتاویٰ ، مساعی ، مجاہدانہ کردار اور تحریر وتقریر کی کاٹ غضب کی ہوا کرتی تھی ، وہ نہ کسی قوت وسطوت کو خاطر میں لاتے اور نہ کسی اقتدار واختیار کو ، وہ جو بات بھی حق سمجھتے ، بلاخوفِ لومۃ لائم اس کا برملا اظہار کرتے ۔ وہ اس سے بھی بے نیاز تھے کہ کوئی مقتدر اُنہیں نقصان پہنچا سکتا ہے ، وہ تو حقیقی مجاہد تھے ، ایسے مجاہد جو کسی جابر ترین حکمران کے سامنے کلمۂ حق کہنے سے نہیں جھجکتا ، خوفزدہ نہیں ہوتا ۔ ہر دور ، ہر اقتدار اور ہر قسم کی یلغار میں ان کی جرأتِ رندانہ بے مثل رہی ، ان کی دوستی اور دشمنی ''الحب للّٰہ والبغض للّٰہ'' کے فرمانِ نبویؐ کی عملی تفسیر تھی ۔

جو شخص دین اسلام کی سربلندی ، دفاعِ صحابہؓ ، ناموسِ رسالت اور تحفظ ختم نبوت کے لئے کام کرتا ، پاکستان کی نظریاتی اَساس کی جنگ لڑتا وہ اُن کا محبوب ہوتا اور جسے اللہ تعالیٰ کے آخری وحتمی دین سے نفرت ہوتی ، ناموسِ رسالت اور صحابہ کرامؓ سے کد ہوتی اور محمد عربی ﷺ کی محبت سے جس کا دل سرشار نہ ہوتا ، مولانا مفتی عبد المجید دین پوریؒ اس سے کوسوں دور رہتے اور ضرورت کے وقت اُن کی دسیسہ کاریوں کے خلاف تیغ براں بن جاتے ۔ یہی اُن کا جرم تھا ، جس کی پاداش میں اُنہیں خلعتِ شہادت پہنا دی گئی ۔

خونے نہ کردہ ایم کسے را نہ کشتہ ایم
جرمم ہمیں کہ عاشق روئے تو گشتہ ایم

پوری ملتِ اسلامیہ جامعۃ العلوم الاسلامیہ کے اربابِ اہتمام وانصرام ، انتظامیہ اور اساتذہ کے ساتھ برابر غم میں شریک اور تعزیت کناں ہے ۔

ایک دیا اور جلا میر کے مے خانے میں

مولانا محمد کامران اجمل
استاذ جامعہ

جنگ اُحد میں جب مسلمانوں کو سخت تکالیف پہنچیں اور نعوذ باللہ یہ مشہور کر دیا گیا کہ رسول اللہ ﷺ کو شہید کر دیا گیا، اس وقت ابوسفیان نے جو مشرکین کی کمانڈ کر رہے تھے، یہ آواز لگائی: ''**هل فيكم محمد ؟**'' صحابہؓ نے جواب کی اجازت چاہی، لیکن دربارِ رسالت سے اس کی اجازت نہیں ملی۔ ابوسفیان نے دوبارہ آواز دی ''**هل فيكم أبو بكر ؟**'' جواب کی اجازت نہ ملی، ابوسفیان نے ''**هل فيكم عمر ؟**'' کی صدا لگا کر فیصلہ سنا دینے کی ٹھانی۔ صحابہؓ کی نگاہیں پھر پیغمبر خدا پر جمیں، جواب نفی کے سوا کچھ نہ تھا، درحقیقت آج پیغمبر خدا ﷺ کچھ اور سبق دینا چاہتے تھے، ابوسفیان ظاہری نگاہوں کے اعتبار سے فیصلہ کر بیٹھے، گرجے اور ''**أعل هبل !**'' کا نعرہ لگایا۔ رحمۃ للعالمین ﷺ فاروق اعظمؓ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: جواب دو ''**الله أعلىٰ وأجل**'' ابوسفیان نے کہا ''**لنا العزىٰ ولا عزىٰ لكم**'' فاروق اعظمؓ نبوی ارشاد سناتے ہوئے للکارے: ''**الله مولانا ولا مولىٰ لكم**''۔

(مستدرک حاکم، تفسیر سورۂ آل عمران، ج:۲، ص:۳۲۴)

آج ایک پیغام دینا تھا، ایک ترتیبِ خداوندی سکھانی تھی، کوئی رہے نہ رہے، اللہ ہر حال میں باقی رہیں گے اور اللہ کا دین ہر حال میں زندہ وسالم رہے گا، مخلوقِ خدا جس کیفیت میں رہے خدا کا دین ہر حال میں غالب رہے گا۔ ذرا غور کریں پیغمبر خدا ﷺ کے بارے میں پوچھا جا رہا ہے اور جواب دینے کی اجازت نہیں، اس کے بعد جن دو بڑے حضرات پر مدار سمجھا گیا اُن کا پوچھا، جواب دینے کی ضرورت محسوس نہ کی، لیکن جب بات دین کی آئی، لمحہ بھر تأمل نہ کیا اور جواب ترکی بہ ترکی دیا گیا۔

اصل حقیقت یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ اشخاص کو اپنے دین کے لئے استعمال فرماتے ہیں، دین کا مدار اشخاص پر نہیں رکھتے۔ اگر دین کا مدار محض اشخاص پر ہوتا تو شاید آج دین موجود ہی نہ ہوتا، لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ دین اسی طرح موجود ہے، جس طرح حضور ﷺ ہم تک پہنچا کر گئے تھے۔ وجہ واضح اور سبب ظاہر ہے کہ دین کا مدار اللہ نے افراد پر نہیں رکھا، افراد کو اللہ تعالیٰ نے دین کی وجہ سے عزت بخشی۔

اللہ تعالیٰ نے اس دین کے لئے جن افراد کو استعمال کیا، وہ ان کا اعزاز اور اکرام تھا، ورنہ ہر شخص وفرد کو یہ دولت نصیب نہیں ہوتی۔ دین کی بقاء کا تعلق اُن کے وجود سے نہیں، ہاں! چناؤ ہر شخص کا نہیں ہوتا، بلکہ خاص خاص افراد کا ہوتا ہے۔ اگر دین افراد کے چلے جانے سے مٹ جاتا یا ادارے شہادتوں کی وجہ سے بند ہوتے تو شاید آج جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی میں موجود نہ ہوتا، اس دھرتی میں کوئی بنوری ٹاؤن کے نام تک سے واقف نہ ہوتا، بلکہ قصۂ پارینہ کی طرح کچھ لوگ اُسے جانتے، اس کی ثناءخوانی کرتے۔

یہ مادرِ علمی اپنے خدام وطلبہ سے لے کر مہتمم تک قربانی دے چکا ہے۔ ڈرائیوروں کے جذبے اور بوڑھے ماں باپ کی جوان ہمتوں سے لے کر مہتمم اور رئیس دارالافتاء تک کے خون میں لت پت جسم کو اپنے آغوش میں پناہ دی۔ اگر یہ واقعات دین کو نقصان پہنچاتے تو یہ ادارے کبھی نہ چلتے، اس کے چاہنے والے کم سے کم تر ہوتے چلے جاتے، اس میں داخلہ لینے سے طلبہ گھبراتے، والدین اپنے بچوں کو اس کے سائے سے بھی بھگاتے، اس کی آغوش میں پناہ دینے کی بجائے اس ادارے کو ایک ڈراؤنا جن بھوت بنا کر اپنے بچوں کو بتاتے، لیکن ایسا کچھ نہیں ہوا۔ دشمن بے وقوفی کرتا رہا، وہ لاشوں کے انبار لگانے پر تلا رہا، وہ شہداء کی تعداد بڑھانے کے لئے تدبیریں کرتا رہا، وہ یہ بھول گیا کہ:

فانوس بن کے جس کی حفاظت ہوا کرے
وہ شمع کیا بجھے جسے روشن خدا کرے

قصہ مختصر! نہ دین ان تدبیروں سے مٹا ہے، نہ ان طریقوں سے ختم ہوا، بلکہ یہ دین اللہ تعالیٰ کا ہے، وہ اس کی حفاظت خود جانتا ہے، ایک فرد کے چلے جانے کے بعد وہ دوسرے فرد کو پیدا کرنا بھی جانتا ہے اور ایک شخص کو دوسرے کی نیابت دینا بھی جانتا ہے، البتہ چہرے مختلف ہوتے ہیں، کبھی مولانا حبیب اللہ مختار شہیدؒ کی صورت میں، کبھی مفتی عبدالسمیع شہیدؒ کی صورت میں، کبھی حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ کی صورت میں، کبھی مفتی نظام الدین شامزئی شہیدؒ کی صورت میں، کبھی مفتی محمد جمیل خان شہیدؒ ومفتی سعید احمد جلال پوری شہیدؒ کی صورت میں، کبھی مفتی عبدالمجید دین پوری شہیدؒ اور مفتی صالح محمد کاروڑی شہیدؒ کی صورت میں۔

شہداء کا دنیا سے جانا بعد والوں کے لئے مشعل راہ کا کام دیتا ہے، ان کی شہادتیں چراغوں کا بجھنا نہیں، بلکہ شمعوں کا جلنا ہے۔ کسی نے حضرت استاذ شہیدؒ کی شہادت پر خوب کہا کہ: ع

ایک دیا اور جلا میر کے مے خانے میں

البتہ ہم حقیقت سے اللہ تعالیٰ کی طرح واقف نہیں ہوتے، ان کی طرح ہمیں ہر چیز اور ہر نعمت ان آنکھوں سے نظر نہیں آتی اور ہمارے سامنے اپنے شہداء کی خوبیاں اور کمالات ہوتے ہیں، ان کی

نیک ادائیں اور دعائیں ہوتی ہیں، ان کی نیک سیرت اور چمکتا دمکتا چہرہ ہوتا ہے، ان کے پڑھائے ہوئے الفاظوں کی گونجیں ہوتی ہیں، ان کی شفقت ورحمت ہوتی ہے، ان کے اُلفت بھرے بول ہوتے ہیں، اُن کے معصومانہ چہرے ہوتے ہیں، پھر ہم ہیں بھی انسان، الفت کے بجاری، محبتوں کے بھکاری، اس لئے ہم ان کے دنیا سے چلے جانے پر اشک بار بھی ہوتے ہیں، روتے بھی ہیں، ان کی اداؤوں کو یاد کرکے، ان کے کمالات کو گن گن کر پریشان بھی ہوتے ہیں۔

حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کی چند صفات

حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ بھی ہمارے اُنہیں مشفق ومہربان اساتذہ میں سے تھے، جو بہت ساری صفات کے مالک تھے، قدرتِ خداوندی نے اُنہیں بہت سے کمالات سے نوازا تھا۔ اُن کی فقاہتِ نفس، حکیمانہ رائے، مدبرانہ فراست، پہلی نظر میں غلطی کو پکڑ لینا، قوت حافظہ، طرزِ گفتار، چلنے کی رفتار، معصومانہ کردار، تواضع، اور نہ جانے کیا کیا صفات تھیں جو ہم نہیں جانتے۔

اُن کے علم پر اُن کی تواضع نے اور ذہانت ومعاملہ سنجی پر سادگی نے پردہ ڈال رکھا تھا۔ وہ گفتگو کرتے ہوئے تو سادہ معلوم ہوتے، لیکن جب معاملہ کو حل کرتے تو اُن کے مخفی جوہر سامنے آتے۔ وہ چلتے ہوئے تو کسی شان والے معلوم نہ ہوتے تھے، لیکن جب کسی اُلجھے ہوئے مسئلہ کو سلجھاتے تو اُن کی فقاہت ظاہر ہوتی۔ وہ تشریح تو مختصر کرتے، لیکن جب تحقیق کرنے والا تہہ میں جاتا تو عش عش کر رہ جاتا۔ کوئی ان کی مصروفیات کو دیکھ کر یہ اندازہ تو نہ کرسکتا کہ وہ مطالعہ کرتے بھی ہوں گے یا نہیں، لیکن جب طالب علم کو کسی کتاب کا حوالہ دیتے تو ان کی وسعت مطالعہ کا پتہ چلتا۔ تواضع کی ایسی چادر اوڑھے ہوئے تھے کہ دیکھنے والا یہ اندازہ ہی نہیں کرسکتا تھا کہ یہ جامعہ جیسے عظیم ادارے کے صدر مفتی ہیں۔

کبھی چال ڈھال سے، کبھی نشست وبرخاست سے یہ ظاہر ہونے ہی نہ دیتے کہ اللہ تعالیٰ نے اتنی بڑی دولت سے نوازا ہے۔ رات کو گھر کے لئے دودھ خود لے جاتے، اپنی موٹر سائیکل پر نماز کے لئے اکیلے چلے جاتے۔ حالات کی خرابی کے باوجود معہد الخلیل جاکر فتووں کی تصحیح فرماتے تھے۔

بندہ رات کے وقت کبھی مسئلہ پوچھنے دار الافتاء حاضر ہوتا تو کبھی مزاحاً فرماتے: بھئی دن بھر بھی مسئلے ہوتے ہیں، رات کو بھی مسئلے پوچھتے رہتے ہو؟ کبھی فرماتے: بھئی بس کرو، اب خود بھی مسئلہ بتادیا کرو۔ رات کے وقت میں فتاویٰ کی تصحیح فرماتے، لیکن درجہ رابعہ کے طلبہ نے جب ان سے شرح وقایہ بیوع کا حصہ پڑھنے کی خواہش کی تو رات کے وقت باوجود اپنی مصروفیات کے اُنہیں پڑھانے میں تأمل نہ کرتے تھے اور یہ معمول استاذ جی رحمہ اللہ کا کئی سال جاری رہا اور کئی طلبہ نے ان سے شرح وقایہ رات کے وقت میں سمجھی۔

استاذ محترمؒ اپنے وظائف کے ایسے پابند تھے کہ کبھی کہیں جاکر بھی اس میں کمی نہ آتی، چند بار

رات کو استاذ محترمؒ کے ساتھ کہیں قیام ہوا، بندہ کوشش کرتا کہ معمولات کا پتہ چلے کہ کس وقت جاگ کر اپنے رب کے سامنے گڑگڑائیں گے، اکثر دیکھا کہ رات کو سب سے پہلے اُٹھتے اور نماز میں مصروف ہوجاتے اور صبح صادق کا وقت ہوتا تو ہم طلبہ کو بھی جگا لیتے اور نماز کے بعد بھی اپنے وظائف میں مصروف رہتے۔ اکثر سال کے اختتام پر یہ شعر پڑھتے:

آئے تھے ہم مثل بلبل سیر گلشن کر چلے
سنبھالو مالی! باغ اپنا ہم تو اپنے گھر چلے

جب استاذ محترمؒ کی شہادت ہوئی اور چہرہ دیکھا تو ایسا لگتا تھا گویا آج ایک طویل مشکلات کا سفر پورا کرکے آرام وراحت کی نیند کررہے ہیں۔

اپنے آبائی گاؤں دین پور میں اولیاء اللہ کے مقبرہ کے احاطے کے ساتھ متصل احاطے میں جب درخت کے سائے میں انہیں اُتارا گیا اور لوگ مٹی ڈال کر فارغ ہوکر چلے گئے تو اس وقت ان کے رفیق دارالافتاء جن سے اکثر دارالافتاء میں مزاح فرمایا کرتے تھے، ان کے پاس اسی انداز سے کھڑے ہوئے، جیسا دارالافتاء میں ان کی کرسی کے پاس آکر کھڑے ہوجاتے تھے، اس وقت بالکل ایسا محسوس ہورہا تھا، جیسے مفتی صاحبؒ ان سے مخاطب ہوکر یہ شعر دوبارہ پڑھ رہے ہوں گے:

آئے تھے ہم مثل بلبل سیر گلشن کر چلے
سنبھالو مالی! باغ اپنا ہم تو اپنے گھر چلے

اللہ تعالیٰ حضرت مفتی صاحبؒ کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام نصیب فرمائیں اور ہم پسماندگان کو ان کے دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد ہر قسم کے فتنوں سے محفوظ فرمائیں اور جامعہ کو ان کا نعم البدل عطا فرمائیں۔ آمین۔

☆☆....☆☆

بدبختی

ہر روز قتل وغارت اور فائرنگ دھماکے
دل شہریوں کے ہر دم دہلائے جا رہے ہیں
بدبختی اب اور کیا اس سے بڑھ کے ہوگی
علمائے دیں بھی خوں میں نہلائے جا رہے ہیں

نتیجۂ فکر: لئیق احمد

کراچی......علماء کی قتل گاہ

مولانا سید عدنان کاکاخیل

استاذ محترم حضرت مولانا مفتی محمد عبد المجید دین پوریؒ کو بھی شہید کر دیا گیا۔ یوں لگتا ہے کہ مادرِ علمی جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن نے دین محمدی کے چمنستان کو اپنے شہداء کے لہو سے سینچنے کی قسم کھا رکھی ہے۔ ایک کے بعد ایک شخصیت دین دشمن قوتوں کے گھناؤنے ارادوں کی بھینٹ چڑھ گئی، مگر الحمد للہ! جامعہ اور اس کے فضلاء کے حوصلوں اور عزائم کو پسپا کرنے میں کوئی کامیاب نہ ہوسکا۔

کراچی کی صورتحال پر لکھنے والوں کا قلم سوکھ اور بولنے والوں کے حلق سوج گئے، مگر حالات ہیں کہ بگاڑ اور فساد کی آخری حدوں کو پہنچے ہوئے ہیں اور کسی طور قابو میں نہیں آرہے۔ گزشتہ دو عشروں سے جاری اس قتل وغارت میں حالیہ دنوں میں ایک عجیب تیزی اور اہداف کے تعین میں ایک غیر معمولی یکسانیت وہم آہنگی دیکھنے میں آرہی ہے۔ واضح طور پر نشانہ معلوم ہے، مگر قانون نافذ کرنے والے اداروں کی مجرمانہ غفلت اور انتہا درجے کی نااہلی کہ آج تک کسی قاتل تک رسائی تو درکنار ان قوتوں کو بے نقاب کرنے میں بھی کوئی کارکردگی نہیں دکھائی دی جو اس قتل وغارت کی ذمہ دار ہیں۔

گزشتہ کافی عرصے سے جاری اس خانہ جنگی نما کیفیت میں ایک جوہری تبدیلی جو دیکھنے میں آرہی ہے، وہ یہ ہے کہ اب فقط معروف اور ہائی پروفائل علمی شخصیات کو نشانہ بنانے کی پالیسی ترک کر کے غیر معروف علمائے کرام اور مساجد کے ائمہ اور مؤذنین تک کو بے دردی سے شہید کیا جارہا ہے۔ یہ اہلِ دین کے نام دہشت گردوں اور ملک دشمنوں کا واضح پیغام ہے کہ دین محمدی کی خدمت واشاعت سے باز آجاؤ۔ مساجد میں اللہ کا نام بلند کرنے، قرآن پاک پڑھانے اور حدیث وفقہ کی خدمت کرنے کو ناقابلِ معافی جرم سمجھو، ورنہ اس کے عواقب ونتائج بھگتنے کے لئے ہر دم تیار رہو۔ جو لوگ عوامی مجمعوں میں جا کر اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا پیغام پہنچاتے ہیں اور ان کی بات توجہ واحترام کے ساتھ سنی جاتی ہے، ان کے سروں پر

تو ننگی تلواریں لٹکا دی گئی ہیں اور اب ایسے تمام افراد ہر بیان، زندگی کا آخری بیان سمجھ کر کرتے ہیں۔

دہشت گردوں کے عزائم واضح ہیں، وہ مساجد کو ویران اور مدارس کو اُجاڑنا چاہتے ہیں، وہ کراچی میں موجود اہلِ حق کی چھ ہزار مساجد کے منبر ومحراب سے بلند ہونے والی صدائے حق کو خاموش کردینا چاہتے ہیں، وہ شہرِ قائد میں موجود سیکڑوں مدارسِ دینیہ میں زیرِتعلیم لاکھوں طلبۂ علومِ نبوت سے خوف زدہ ہیں، وہ اس ملک میں جس قسم کی لادینیت، بے راہ روی، آوارگی اور عریانی کے مناظر دیکھنا چاہتے ہیں، وہ اس کے راستے میں سب سے بڑی رکاوٹ انہی مساجد ومدارس کو سمجھتے ہیں۔

گزشتہ بیس سالوں میں انہوں نے دینی اور علمی قیادت کو نشانہ بنایا، روحانی شخصیات کو جو اصلاحِ نفس اور تزکیہ کے پاک مشاغل میں مصروف تھے، ان کو بھی نہیں بخشا گیا۔ شہیدِ اسلام حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ کو جس پیرانہ سالی اور معذوری کی حالت میں دن دَہاڑے جس بے دردی سے شہید کیا گیا، اس پر تو آج تک دل خون کے آنسو روتا ہے۔ مگر باوجود اس منظّم ٹارگٹ کلنگ کے جس میں کراچی کی علمی ودینی قیادت کے کم از کم پندرہ بیس سرکردہ افراد کو شہید کیا گیا، دین دشمنوں کو مطلوبہ نتائج حاصل نہ ہوئے، نہ کوئی مدرسہ بند ہوا اور نہ پڑھنے والوں کی تعداد میں کوئی کمی ہوئی، نہ کسی مسجد کو تالا لگا اور نہ کوئی منبر خاموش ہوا، بلکہ دیکھا جائے تو گزشتہ دو عشروں میں مدارسِ دینیہ کی تعداد اور ان میں زیرِتعلیم طلبہ وطالبات کی تعداد میں کئی گنا اضافہ ہوا، حالانکہ خوف ودہشت کی فضاء بنانے اور قتل وغارت کا بازار گرم کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی گئی۔

اب ایک نئی خونی پالیسی تشکیل دی گئی ہے۔ ہر دین دار، ہر عالم، ہر طالب علم اب نشانے پر ہے۔ کراچی کو جہنم بنانے کے لئے روزانہ دس پندرہ لاشیں چاہئیں۔ پہلے یہ لاشیں بلاتعیین گرائی جاتی تھیں، اب اُن کا ہدف متعین کردیا گیا ہے کہ یہ کن لوگوں اور کس طبقے کی ہونی چاہئیں؟ گویا ایک تیر سے دو شکار کئے جارہے ہیں، جو بدامنی اور لاقانونیت کی فضاء درکار ہے، وہ بھی بنتی جائے گی اور شہر اہلِ دین سے بھی خالی ہوتا چلا جائے گا۔

حقیقت یہ ہے کہ دہشت گردوں کے پالیسی میکرز ایک غلط فہمی کا شکار ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ ہم اس شہر کی فضا ایسی بنادیں گے کہ یہاں دین پڑھنے، دین پڑھانے اور دین کی خدمت کرنے کے لئے دوسرے شہروں سے آنا تو درکنار خود اس شہر کے باشندے بھی توبہ تائب ہوجائیں گے، یہ ہرے بھرے اور آباد مدرسے ڈھونڈتے پھریں گے اور ان کو طلبہ نہیں ملیں گے، اگر چند پڑھنے والے آ بھی گئے تو پڑھانے کو کوئی راضی نہیں ہوگا، علماء مساجد میں امامت سے انکار کردیں گے، کسی مسجد کو اذان دینے کے لئے مؤذن نہیں ملے گا، درسِ قرآن اور درسِ حدیث کے عنوان سے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ارشادات کو لوگوں

تک پہنچانے کا سلسلہ موقوف ہو جائے گا، فقہ اور فتویٰ کی خدمت کرنے والے اور مسائل پر شرعی رہنمائی فراہم کرنے والے اپنے قلم کھینچ کر اپنی مسندیں سمیٹ لیں گے، اللہ اللہ کرنے والے اور اللہ کا نام سکھانے والے اپنے حلقے ختم کر کے کسی دوسرے شہر کی راہ لیں گے۔ اب آپ بتایئے! یہ کس درجے کی خام خیالی ہے؟ یہ اللہ کا دین ہے اور وہ خود اس کی حفاظت کا ذمہ دار ہے، اس سے کہیں سخت ترین حالات اہلِ دین پر آئے ہیں، مگر ان کے پائے استقامت میں معمولی کپکپاہٹ بھی نہیں آئی، تاریخِ اسلام شاہد ہے کہ ان ناپاک حرکتوں سے اس پاک دین کی راہ روکنے کی ہر کوشش نے ہمیشہ منہ کی کھائی ہے۔

استاذ محترم حضرت مولانا مفتی محمد عبد المجید دین پوری شہیدؒ کی مظلومانہ شہادت پر دل حزیں ہے، کانوں میں اب تک ان کی آواز گونجتی ہے۔ ہم نے فقہ حنفی کی مشہور ترین کتاب ''ہدایہ ثالث'' اور پھر دورۂ حدیث میں ترمذی شریف جلد ثانی حضرت استاذ شہیدؒ سے پڑھی تھی۔ اس کے بعد بھی مختلف مواقع پر خصوصاً فقہی مسائل پر منعقد ہونے والی مجالس میں وقتاً فوقتاً ملاقات اور زیارت کا شرف حاصل ہوتا رہتا تھا، سیدھی سادی اور بے ضرر طبیعت تھی۔ دو سال ان سے پڑھا، مگر کبھی جماعت میں ان کا طلبہ پر غصہ ہونا یاد نہیں۔ دین پور شریف کی مردم خیز سرزمین کا ایک اور سپوت اللہ کے حضور پہنچ گیا۔ ان کی تدفین دین پور شریف کے اس شہرۂ آفاق اور تاریخی قبرستان میں ہوئی، جہاں آسمانِ علم وفضل، جہاد وحرّیت اور روحانیت کے شمس وقمر محوِ خواب ہیں، اسی لئے امام الاولیاء حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ اس قطعہ کو جنت کہا کرتے تھے کہ ایسے ایسے انفاسِ قدسیہ محو استراحت ہیں جو ان شاء اللہ! سب کے سب جنتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ حضرت استاذ شہیدؒ کے درجات بلند فرمائے اور تمام پسماندگان کو صبرِ جمیل عطا فرمائے۔ آمین یا رب العالمین۔

☆☆......☆☆

مقتل

حضرت دینپوری کا اٹھا جنازہ
ہوئے حالات ایسے نامساعد
ہوا ہے قاتلوں کا راج ایسا
کہ مقتل بن گیا ہے شہرِ قائد

مادرِ علمی کے نام

مولانا محمد مسعود اَزہر

اللہ تعالیٰ رحم فرمائے، کراچی کے حالات دیکھ کر دل غم سے پگھلتا اور درد سے کراہتا ہے، ''مرکزِ علمی'' جامعۃ العلوم الاسلامیہ علاّمہ بنوری ٹاؤن کے ''صدر مفتی'' حضرت مفتی محمد عبد المجید دین پوریؒ اور ''معاون مفتی'' مفتی صالح محمد کاروڑیؒ گولیوں کا نشانہ بن گئے۔ آہ! لوگوں کو کیا پتہ کہ ''مفتی'' کون ہوتا ہے؟ ایک حقیقی اور جید مفتی بننے کے لئے کم از کم پچیس سال کی کمر توڑ محنت درکار ہوتی ہے، مگر جانوروں سے بدتر قاتلوں کے لئے ''مفتی'' بس ایک آسان شکار۔ دین کی سمجھ رکھنے والے علماء کرام کی تعداد پہلے ہی کافی کم ہے، مدرسہ سے فاضل ہونے والا ہر شخص ''عالم دین'' نہیں ہوتا۔ علم ایک اونچی اور مشکل منزل ہے، اس تک خاص لوگ ہی پہنچتے ہیں، بہت محنتی، مستقل مزاج، مخلص اور اللہ کا خوف رکھنے والے۔ علم کا کوئی ایک چراغ بجھتا ہے تو دور دور تک تاریکی محسوس ہوتی ہے اور تمام مخلوقات اس کی جدائی کا صدمہ محسوس کرتی ہیں۔ ''القول الجمیل'' میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے ''عالمِ ربانی'' کے لئے پانچ شرطیں لکھی ہیں، فرماتے ہیں: جوان پانچ امور کا مکمل التزام کرتا ہو، وہی عالم ربانی ہے اور ایسے ہی علماء حضرات انبیاءؑ اور رسولوںؑ کے وارث ہیں، اور اللہ تعالیٰ کی ساری مخلوق ان کے لئے دعاء کرتی ہے، حتیٰ کہ سمندر کی تہہ میں مچھلیاں بھی، ایسے اہلِ علم کا وجود اور ان کی صحبت ''الكبريت الأحمر'' ہے، یعنی مٹی کو سونا اور لوہے کو ہیرا بنانے والی۔

''جامعۃ العلوم الاسلامیہ'' روئے زمین کے چند بڑے علمی مراکز میں سے ایک ہے۔ یہ ادارہ ایک اللہ والے کے اخلاص اور جان توڑ محنت کا ثمرہ ہے۔ عام دینی مدرسے ابتدائی کتابوں کی تعلیم سے شروع ہوتے ہیں، یہ شاید دنیا کا واحد علمی ادارہ ہے جس کا آغاز تخصص سے ہوا، یعنی آخری تکمیلی درجے سے، کل دو اساتذہ تھے اور دس طلبہ۔ رہائش کے لئے کوئی کمرہ، نہ آسانی کے لئے کوئی انتظام، بس ایک مسجد تھی، اس میں نہ غسل خانہ، نہ بیت الخلاء، صرف وضو کے لئے چند عارضی ٹونٹیاں تھیں، اور بس! طلبہ مسجد ہی میں رہتے، وہیں پڑھتے اور وہیں سوتے، جو تھوڑا بہت سامان تھا، وہ بھی مسجد میں رکھتے، اور یہ

سامان بھی بسا اوقات چوری ہو جاتا تھا۔ محدث العصر حضرت علامہ سید محمد یوسف بنوریؒ اور حضرت مولانا لطف اللہ پشاوریؒ یہ دو اساتذہ بھی طلبہ کے ساتھ رہتے، اور بلند دینی وجاہت اور غیر معمولی علمی مقام کے باوجود، نہ کوئی رہائش اور نہ بچوں کو ساتھ رکھنے کا انتظام۔ دن بھر طلبہ کے ساتھ رہتے اور رات کو ایک دوست کے گھر عارضی قیام، اور دن کو بھی وضو وغیرہ کی حاجت کے لئے اسی دوست کے گھر جانا پڑتا، آپ سوچتے ہوں گے کہ شاید ان دو اساتذہ کو پڑھانے کے لئے کوئی اچھی جگہ نہیں ملی ہوگی تو مجبوراً یہ سب کچھ جھیلتے ہوں گے۔ نہیں جناب! حضرت بنوریؒ کے لئے ہر طرف سے دعوتیں اور بلاوے تھے، حتیٰ کہ ڈابھیل جیسے عالمی شہرت یافتہ جامعہ کا شیخ الحدیث کا منصب، بھاری تنخواہ، اور پرآسائش رہائش گاہ کی پیشکش موجود تھی، مگر بڑے کام بڑی آزمائشوں سے ہی وجود میں آتے ہیں، اور جنت کو فتح کرنے کے لئے ''مکروہات''، یعنی مشکلات کے خاردار جنگل میں قدم لہولہو کرانے پڑتے ہیں۔ حضرت بنوریؒ ایک عجیب جملہ ارشاد فرمایا کرتے تھے: ''بھائی! اگر دینی مدرسہ دنیا کے لئے بنانا ہے تو یہ آخرت کا سب سے بڑا عذاب ہے اور اگر آخرت کے لئے بنانا ہے تو دنیا کا سب سے بڑا عذاب ہے''۔

حضرت بنوریؒ آخرت کی کامیابی کے لئے، اپنی دنیا کو کڑوا بناتے رہے۔ تھوڑا سا سوچیں، خود کراچی میں تھے اور گھر والے، بچے ٹنڈوالٰہیار میں، گھر میں کوئی مرد بھی نہیں تھا، صرف عورتیں اور بچے، ایک جان پہچان والے عالمِ دین نے خدمت کا اجر کمایا، وہ گھر کا سودا سلف پہنچا دیتے، اور خود حضرتؒ مہینہ میں ایک بار تشریف لے جاتے۔ اس وقت پہلے کراچی سے حیدرآباد جانا پڑتا، پھر وہاں سے دوسری ٹرین پر ٹنڈوالٰہیار۔ اس سفر میں جو مشقتیں اس عالمِ جلیل نے دیکھیں، ان کو صرف لکھنا اور پڑھنا آسان ہے، مگر جھیلنا ہر کسی کے بس میں نہیں، ایک رات اسٹیشن پر بجلی نہ تھی، کوئی قلی بھی نہ ملا، ادھر سردی، بارش اور اندھیرا، معارف السنن کا مصنف اپنے سر پر ایک من وزن کا سامان اٹھائے، ٹھوکریں کھاتا ہوا گھر کی طرف پیدل جا رہا تھا، اللہ تعالیٰ نے اسی رات کو آزمائش کی آخری گھڑی بنا دیا، فقیر کے ہاتھ اُٹھے اور غنی کی طرف سے رحمت ٹوٹ برسی، اور کراچی میں رہائش کا بندوبست ہوگیا۔ لوگ کیا جانیں! عرب وعجم کے علماء حضرت بنوریؒ کی زیارت کو ترستے تھے، ایک بار ہمارے سامنے امام کعبہ حضرت شیخ عبداللہ بن سبیلؒ نے حضرت بنوریؒ کی قبر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ: یہ عالمِ دین علمِ حدیث کے پہاڑ تھے۔ آج عرب دنیا سے چھپنے والی کتنی ہی کتابوں میں حضرت بنوریؒ کی معارف السنن کا حوالہ ملتا ہے، اور آپؒ کے شاگرد، اور ان شاگردوں کے شاگرد پورے عالم اسلام میں علم وجہاد کی خدمت میں ہمہ تن مشغول ہیں، اور خود جامعۃ العلوم الاسلامیہ جس کے آغاز میں ایک کمرہ بھی نہ تھا، پھر ٹین کی چھت کا کمرہ بنا، آج وہ اور اس کی شاخوں کی عمارتیں، کئی کئی ایکڑ پر پھیلی ہوئی ہیں، حضرت بنوریؒ کو اللہ تعالیٰ نے زیادہ بیٹیاں عطائی فرمائی تھیں، اور بیٹے صرف دو، ان دو میں سے بھی ایک کی پیدائش آپ کی وفات سے صرف تین سال پہلے ہوئی۔ بات یہ بتانی ہے کہ آپ کی لاڈلی صاحبزادی ''فاطمہ'' کی بینائی بھی انہی آزمائشوں کی نذر ہوگئی، حضرتؒ کراچی

میں تھے اور بٹی ٹنڈوالٰہیار میں، آنکھوں کی تکلیف شروع ہوئی، مگر کون علاج کراتا؟ جب کراچی میں علاج کی سہولت ملی تو ڈاکٹروں نے جواب دے دیا۔ حضرتؒ کو اسی بیٹی سے بہت محبت تھی، دعاء میں رو رو کر فرماتے تھے: اس دینی مدرسہ کے لئے ہم نے اپنی عزیزہ لخت جگر کو بھی قربان کردیا، اللہ تعالیٰ ہماری قربانی قبول فرمائے، اور جس عظیم مقصد کے لئے ہم نے اپنے آپ کو، اہل وعیال کو قربان کیا ہے، اپنی رحمت سے اس مقصد میں ہمیں کامیاب فرمائے۔ حضرتؒ کی دعاء بھی قبول ہوئی اور قربانی بھی، جامعہ نے اتنی تیزی سے حیرت انگیز ترقی کی کہ اسے نہ الفاظ میں سمویا جاسکتا ہے اور نہ کسی مشین پر پرکھا جاسکتا ہے۔ وہ مدرسہ جو قرض پر شروع ہوا تھا، دیکھتے ہی دیکھتے ہر طرح کے اسباب ووسائل سے مالا مال ہوگیا اور جو اس کا مقصد تھا: علم دین کی حفاظت، فروغ اور ترویج اس میں اسے کراماتی کامیابی ملی۔ آج تک الحمد للہ! یہ جامعہ پورے ملک کے مدارس میں تعلیمی معیار، طلبہ کے رجوع اور دین کے ہر شعبے کی خدمت کے لحاظ سے، تمام مدارس میں پہلے نمبر پر ہے۔

حضرت بنوریؒ کے بعد ان کے اس دینی، علمی اور روحانی مرکز کی قیادت، حضرتؒ کے داماد، حضرت مولانا مفتی احمد الرحمٰنؒ نے سنبھالی۔ وہ اپنے استاذ اور شیخ حضرت بنوریؒ کی محبت اور اطاعت میں فنا تھے، ان کے بارے میں یہاں تک مشہور تھا کہ انہیں حضرت بنوریؒ سے اس قدر محبت اور موافقت حاصل ہے کہ اگر حضرتؒ دن کو رات فرمائیں تو مفتی احمد الرحمٰنؒ کو اس میں شک نہیں ہوگا۔ حضرت مولانا مفتی احمد الرحمٰنؒ نے اپنی جوانی اور زندگی ایک شمع کی طرح گھلا اور پگھلا کر حضرت بنوریؒ کے دینی کام اور مرکز کی خدمت کی۔ انہوں نے اپنی ذات کو ہمیشہ پیچھے رکھا اور حضرتؒ کے کام کو مقدم رکھ کر، جان توڑ محنت فرمائی۔ حضرت مفتی احمد الرحمٰنؒ کا دورِ اہتمام، جامعہ کے مثالی عروج کا زمانہ تھا۔ سبحان اللہ! جامعہ کا کیا رعب تھا اور کیا مقام، کیا دبدبہ تھا اور کیا معیار، دین کے ہر شعبے کی قیادت گویا کہ جامعہ کی گود میں تھی، اور عزیمتوں کے پُرخطر راستے پر جامعہ کامیابی کے ساتھ گامزن تھا، پھر اچانک مفتی صاحبؒ امام غزالیؒ جتنی عمر پاکر رفیق اعلیٰ کو چلے گئے۔ ان کے کچھ عرصے بعد جامعہ طرح طرح کی آزمائشوں سے دوچار ہوگیا۔ جامعہ کے مہتمم حضرت مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختارؒ اور حضرت مفتی عبدالسمیعؒ شہید کردیئے گئے، پھر حضرت لدھیانویؒ، پھر حضرت شامزئیؒ، پھر حضرت مفتی جمیلؒ، حضرت جلال پوریؒ اور اب حضرت مفتی دین پوریؒ۔ جامعہ لہولہو، جامعہ زخموں سے چور چور، اور جامعہ اشکبار، مگر یقین ہے کہ، اخلاص وتقویٰ پر جس عمارت کی بنیاد ہو وہ کبھی نہیں گرتی، کبھی نہیں جھکتی، دل چاہتا ہے اپنے غم زدہ جامعہ کی چوکھٹ کا ایک بوسہ لوں، تعزیت کروں اور جامعہ کے دشمنوں کو بتاؤں کہ یہ سمندر بہت گہرا ہے، تم ذلتوں میں فنا ہو جاؤ گے، اور جامعہ کے بلند میناروں سے سدا، ''اللہ اکبر'' کی اذان بلند ہوتی رہے گی۔ اے محبوب مادرِ علمی!، تجھے عقیدت بھرا سلام۔

ہم حضرت مفتی محمد عبدالمجید دین پوریؒ اور مفتی صالح محمدؒ کے ورثاء، تلامذہ اور جملہ متعلقین سے قلبی طور پر تعزیت کرتے ہوئے دعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کی شہادت کو قبول فرمائے، ان کے درجات بلند فرمائے اور پسماندگان کو صبرِ جمیل عطا فرمائے۔ آمین

مجموعۂ محاسن شخصیت

محمد اسامہ مجاہد دین پوری

حضرت چچا جان رحمہ اللہ کی شہادت کو دو ہفتے ہونے کو ہیں، دل اُداس ہے، قلب وجگر شکستہ، ارادے مضمحل، مسکراہٹیں بے رونق اور ہنسی بے جان ہے، بظاہر سب کچھ ٹھیک ہے، لوگ کھا رہے ہیں، پی رہے ہیں، جی رہے ہیں، مگر پھر بھی ہر چیز افسردہ لگ رہی ہے۔ صاف محسوس ہوتا ہے کہ سب لوگ اپنا غم چھپانا چاہتے ہیں، مگر بے جان مسکراہٹوں سے دل کا کرب کب چُھپ سکتا ہے؟ دل اُداس ہے، مگر شفقت سے حال پوچھنے والے کو ہم سے چھین لیا گیا۔ کلیجہ زخموں سے چور چور ہے، مگر مرہم رکھنے والے کو ہم سے دُور کر دیا گیا۔ چہار سُو اندھیرا ہی اندھیرا ہے، مگر ایک دنیا کو معطر کرنے والا پھول مَسل دیا گیا۔ آہ! بادہ خوار، شکستہ دل بیٹھے ہیں، مگر ساقی کو اُن سے جدا کر دیا گیا۔ دل کا موسم چونکہ اُداس ہے، اس لئے ہر چیز اُداس ہی اُداس نظر آتی ہے:

کلیاں اُداس اُداس ہیں غنچے بجھے بجھے
یہ ہے اگر بہار تو کس کو خزاں کہیں

باغِ دل پہ خزاں کا راج ہے، ہر طرف سناٹوں کا بسیرا ہے اور میں ''ماضی'' کی حسین یادوں کی کرچیاں ''حال'' کے صفحات پر سجانے کی کوشش کر رہا ہوں۔ اس کام کی بلندی اور اپنی پستی کو دیکھ کر بھی منفعل ہوں۔ صاحبِ مضمون اتنی عظیم شخصیت ہے کہ ہمالیہ کی بلندی جس کی عظمت کے سامنے شرمندہ ہے اور لکھنے والا ایک طالب علم جسے علم وعمل سے کچھ مناسبت ہی نہیں۔ افتاء وتدریس کے بادشاہ کا تذکرہ وہ لکھنے بیٹھا ہے جو صرف علم وفن سے ناواقف ہی نہیں، شاہراہِ تحریر کے نشیب وفراز سے اَن جان اور آدابِ تحریر سے نابلد بھی ہے۔ چچا جان شہید رحمہ اللہ کے تذکرہ نگاروں میں نام لکھوانے کی خاطر اسی ٹوٹی پھوٹی اور بے ربط تحریر کو پیش خدمت کر رہا ہوں۔

حضرت چچا جان شہید نور اللہ مرقدہٗ کی شخصیت مجموعہ محاسن بلکہ ایک ''حسین گلدستہ'' تھی، جس میں رنگہا رنگ کے خوبصورت پھول جمع کر دیئے گئے تھے۔ اُن کے پاس سب کچھ تھا: علم، عمل، اخلاص، نسبت،

شجاعت، حق گوئی، فقاہت، نجابت، ذوق اور دلیری۔ اوران تمام اوصاف میں آپ کا نمایاں اور بے مثال وصف ''علم'' تھا، جس کی جھلک آپ کے فتاویٰ، مجالس، بیانات، گفتگو اور آپ کی تدریس وغیرہ میں نظر آتی تھی۔ آپ بیک وقت محدث، مفتی، مدرس، مصلح اور اپنے اکابر کے صحیح جانشین تھے۔ ایک عالم آپ کی علمی وروحانی سخاوتوں سے بہرہ ورتھا، اُن کے علوم وفیوض سے ایک عالم فیض یاب ہوا، لیکن میری بدقسمتی کہ سوائے اُس ٹوٹی پھوٹی خدمت کے جو اَب میری '' زندگی کا سہارا'' ہے، اور کچھ بھی اُن سے حاصل نہ کرسکا۔ ذیل میں حضرت چچا جان شہید رحمہ اللہ کے ''مختصر حالات'' کے بعد ''بعض اوصاف حسنہ'' کی ایک جھلک پیش کرنے کی کوشش کروں گا۔ بندہ ابھی ابتدائی درجات کا طالب علم ہے، قلم کی جولانیوں سے ناواقف ہے، لہٰذا قارئین کرام تحریر کو ''فن تحریر'' کی روشنی میں دیکھنے کی بجائے ''محبت وعقیدت'' کی روشنی میں ملاحظہ فرمائیں۔ اوراس میں تحریری چاشنی تلاش کرنے کی بجائے حضرت چچا جان شہیدؒ کے قابل تقلید اوصاف کو عمل میں لانے کی سعی فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق رفیق مرحمت فرمائے۔

ولادت تا شہادت:

جون ۱۹۵۱ء میں فاضلِ دیوبند، حضرت مولانا محمد عظیم صاحب رحمہ اللہ کے گھر '' دین پور شریف'' میں ایک بچے کی پیدائش ہوتی ہے، جس کا نام ''عبدالمجید'' رکھا جاتا ہے۔ وہ بچہ ملک کی مشہور ومعروف دینی درسگاہ '' جامعہ مخزن العلوم خان پور'' میں حضرت قاری عبیداللہ صاحب سے قرآن پاک کی تعلیم کے حصول کے بعد حضرت مولانا عبیداللہ درخواستیؒ کی آغوش میں چلا جاتا ہے، وہ اُسے فارسی، صرف ونحو اور دیگر علوم وفنون کی تعلیم دیتے ہیں۔ استاذ کی بچے پر توجہ اور بچے کی اُستاذ کے ساتھ وفا کا اندازہ اس سے لگایئے کہ: استاذ '' جامعہ مخزن العلوم'' میں پڑھاتے ہیں تو بچہ ''مخزن'' میں اُن کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کرتا ہے، کسی وجہ سے استاذ ''مخزن العلوم'' چھوڑ کر قریبی ایک گاؤں '' تاج گڑھ'' جا بیٹھتے ہیں تو بچہ وہاں پہنچ جاتا ہے، استاذ '' جامعہ فاروقیہ لیاقت پور'' کی مسند تدریس پر جلوہ افروز ہوتے ہیں تو یہ بچہ وہاں بھی ہونہار شاگردوں کی پہلی صف میں نظر آتا ہے، استاذ ''سہجہ'' کی تاریک فضاؤں میں علوم کی روشنی پھیلاتے ہیں تو یہ لائق تلمیذ وہاں بھی صفِ اول میں دکھائی دیتا ہے۔ مولانا عبیداللہ درخواستیؒ کا یہ قابل فخر شاگرد '' جامعہ انوریہ طاہروالی'' میں شیخ المعقولات مولانا حبیب اللہ گمانویؒ، جامع المعقول مولانا منظور احمد نعمانیؒ، اور ماہرعلوم عقلیہ مولانا حاجی محمد احمد صاحب مدظلہم سے بھی شرفِ تلمذ حاصل کر کے فنون میں قابلیت پیدا کر لیتا ہے۔

مولانا محمد عظیمؒ کا یہی قابل رشک بیٹا '' جامعہ عربیہ احیاء العلوم ظاہر پیر'' میں شیخ التفسیر جامع المعقول والمنقول حضرت مولانا منظور احمد نعمانی صاحب مدظلہم سے بھی فیض یاب ہوکر علوم وفنون میں مضبوط استعداد ومہارت کے ساتھ دین اور اہل دین کے ساتھ عشق ووفا کا سبق بھی لیتا ہے۔ منظورَین کا یہ نُو رِنظر

حافظ الحدیث حضرت درخواستی رحمہ اللہ کے پاس دومرتبہ ’’دورۂ تفسیر‘‘ میں شریک ہوکر قرآنی علوم ومعارف کو جذب کرتا ہے۔ ۱۹۶۷ء میں دین پورشریف کا یہ سپوت عظیم دینی درسگا ’’جامعہ علوم اسلامیہ، علامہ بنوری ٹاؤن، کراچی‘‘ میں درجہ سادسہ میں داخل ہوکر اپنی تعلیم جاری رکھتا ہے۔۱۹۷۰/۷۱ء میں دورۂ حدیث شریف اور ۱۹۷۳/۷۴ء میں تخصص کے بعد اپنے عظیم الشان مادرِعلمی سے سندفراغت حاصل کر کے ’’عبدالمجید‘‘ سے ’’مولانا مفتی عبدالمجید‘‘ بن جاتے ہیں۔

فراغت کے متصل بعد مفتی عبدالمجید صاحب اپنے ہم نام عظیم بزرگ حکیم العصر مولانا عبدالمجید لدھیانوی مدظلہم کے حکم پر ’’جامعہ حسینیہ شہدادپور‘‘ میں مسند تدریس پہ رونق افروز ہوجاتے ہیں۔ایک دوسال وہاں تدریسی خدمات انجام دیتے ہیں۔پھرایک سال پرانے تبلیغی مرکز خان پور میں اورایک سال ظاہرپیر میں پڑھاتے ہیں۔جب مولانا عبدالمنان صاحب رحمہ اللہ اپنے نواسے (مولانا مفتی عبدالمجید صاحب) کوظاہرپیر لے جاتے ہیں تو حضرت نعمانی مدظلہم سے عرض کردیتے ہیں کہ: ’’یہ یہاں فی سبیل اللہ پڑھائے گا، آپ صرف اس کے ذمہ سبق لگادیں۔‘‘ چنانچہ مفتی عبدالمجید صاحب روزانہ دین پورشریف سے ظاہرپیر جاتے اورسبق پڑھا کر واپس آجاتے ہیں۔پھر فیصلۂ خداوندی کے تحت کچھ عرصہ تدریس کا سلسلہ منقطع رہتا ہے، اس دوران ڈاکٹر سیف اقبال رازی صاحب کے ساتھ ڈسپنسری کا کام کرتے ہیں، پھر اپنے آبائی گاؤں ’’دین پورشریف‘‘ میں پڑھانا شروع کردیتے ہیں اور ۱۹۸۷ء تک وہیں درس وتدریس سے وابستہ رہتے ہیں۔۱۹۸۸ء میں ’’جامعہ اشرفیہ سکھر‘‘ میں مسند تدریس پر جلوہ افروز ہوتے ہیں۔۱۹۹۵/۹۶ء میں آپ کو باصرار اپنے مادرِعلمی، عالمی دینی درسگاہ ’’جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی‘‘ لے جایا جاتا ہے اور جاتے ہی ’’نائب رئیس دارالافتاء‘‘ کا منصب جلیل آپ کے سپرد ہوجاتا ہے۔۱۹۹۶/۹۷ء میں ’’جامع مسجد الحمراء‘‘ کی امامت وخطابت کی مسند سنبھالتے ہیں۔کچھ عرصہ صبح قرآن پاک کا اور شام کو مشکوٰۃ شریف کا درس دیتے ہیں، پھر تین دن قرآن پاک کا اور تین دن مشکوٰۃ شریف کا اور آخر میں صرف مشکوٰۃ شریف کا درس دیتے رہے ہیں۔۴/۵ سال ’’جامعہ درویشیہ‘‘ کے ’’شیخ الحدیث‘‘ کے منصب پر فائز رہتے ہیں۔۱۰سال ’’معہد الخلیل‘‘ کے ’’صدرمفتی‘‘ کی ذمہ داری بھی نبھاتے ہیں۔ اور ۳۱جنوری ۲۰۱۳ء کو اپنے فرزندوں بھائی محمد عمیر، مولانا محمد زبیر، مولوی محمد عزیر اور بھائی محمد شعیب کو روتا چھوڑ کر زبانِ حال سے یہ کہتے ہوئے شہادت کا تاج سر پر سجالیتے ہیں ؎

کلیوں کو میں خونِ جگر دے کے چلا ہوں
صدیوں مجھے گلشن کی فضا یاد کرے گی

ذوقِ عبادت:

اس بات سے ہر ذی فہم واقف ہے کہ انسان کی انسانیت کا سارادارومدار عبادت وبندگی پر ہے، جو

شخص جذبۂ عبادت سے جتنا خالی ہے وہ انسانیت سے اتنا ہی عاری ہے۔ اور جو شخص جذبۂ عبادت سے جس قدر بھرپور ہے وہ اسی قدر انسانیت سے معمور ہے اور کمالات انسانی سے آراستہ ہے۔ اور یہی عبادت و بندگی انسان کی تخلیق کا مقصدِ وحید ہے، جیسا کہ ارشادِ ربانی ہے: "وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُوْنَ" (الذاریات:۵۶) (اور نہیں پیدا کیا میں نے جنات اور انسانوں کو مگر اس لئے کہ وہ میری بندگی کریں) عبادت و بندگی رسول اللہ ﷺ کی امتیازی شان تھی، اس لئے (عبدہ و رسولہ) کے ممتاز خطاب سے سرفراز فرمایا گیا۔

جیسا کہ اللہ رب العزت اپنی شانِ ربوبیت اور معبودیت میں یکتا اور بے مثل ہے، اسی طرح رسول اللہ ﷺ اپنی شانِ عبدیت و بندگی میں کامل اور بے مثال تھے۔ پھر جو شخص بارگاہِ نبوی ﷺ سے جس قدر وابستہ ہوا اُسی قدر ذوقِ عبادت سے آراستہ ہوا۔ حضرت چچا جان شہیدؒ کے ذوقِ عبادت کو وہ لوگ خوب جانتے ہیں جو اُن کی خدمت میں صبح وشام رہتے تھے۔ آخر میں ایک ٹریفک حادثہ میں زخمی اور علیل ہو گئے تھے، لیکن اس کے باوجود بھی شوقِ عبادت کی چنگاری ٹھنڈی نہیں ہوئی۔ یہ اللہ والوں کی علامت ہے کہ اُنہیں مرتے دم تک فکرِ عبادت رہتی ہے۔ اور یہی عبادت کی حقیقت ہے کہ انسان کا دل ہر وقت یادِ الٰہی سے معمور رہے اور ہر وقت اوامرِ خداوندی کے امتثال اور بجا آوری کے لئے تیار رہے۔

آپؒ کے ہاں معمول تھا کہ جمعہ کے دن، جمعہ کی نماز کے بعد وسیع وعریض دسترخوان لگا کرتا تھا، جملہ احباب واعزہ آپ کی اس دعوت میں شرکت کرتے تھے۔ دسترخوان کے انتظار میں بیٹھے بھی آپ وقت ضائع نہیں فرماتے تھے، بلکہ قرآن پاک اٹھا کر تلاوت شروع فرما دیا کرتے تھے۔ کاؤنٹنگ تسبیح اکثر اوقات آپ کے ہاتھ سے بندھی رہتی، کام کے ساتھ ساتھ ذکر واذکار کا سلسلہ بھی جاری رہتا تھا۔

تہجد کے لئے بیدار ہوتے، تہجد کے بعد قرآن پاک کی تلاوت فرماتے اور جلد ہی مسجد تشریف لے جایا کرتے تھے۔ تہجد کے وقت گھر والے دودھ گرم کر کے پیش کرتے، کبھی تاخیر ہو جاتی تو فرمایا کرتے تھے کہ: مجھے ٹھنڈا دودھ ہی دے دیا کرو!

تواضع وانکساری:

انسان کی انسانیت اور برتری وسربلندی کا اصل راز تواضع وانکساری میں مضمر ہے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: ''جو شخص بھی اللہ تعالیٰ کے لئے تواضع اختیار کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کو ضرور رفعت وسربلندی عطا فرماتے ہیں''۔ یہی تواضع وانکساری اصلی شانِ عبدیت ہے، جو شخص بھی اپنی حقیقت کا شناسا ہوگا وہ مجسمۂ تواضع ہوگا اور کبر اور بڑائی سے بالکل مبرا ہوگا، جو عبدیت کے بالکل منافی اور متضاد ہے۔ حضرت چچا جان شہیدؒ بھی تواضع اور انکساری کا مجسمہ تھے، آپ کا در ہر عام وخاص کے لئے ہر وقت کھلا رہتا تھا، جب بھی کسی نے فون کیا، شدید ترین مصروفیت کے باوجود فوراً سنتے اور نہایت خوش دلی سے جواب مرحمت فرمایا کرتے تھے۔

آپ کو قریب سے دیکھنے پر معلوم ہوتا تھا کہ اس پاک شخصیت کا خمیر ''ادب'' اور ''تواضع''

سے گوندھا گیا ہے۔ آپ کمالات ومحاسن کے ایسے جامع تھے کہ آپ کی تواضع، سادگی، بذلہ سنجی اور ہنس مکھ طبیعت کے پردے ہٹا کر آپ تک کوئی پہنچ جاتا تو وہ اپنے سامنے ایک ''گہرا سمندر'' پاتا، سکون اور گہرائی کا عجیب مرقع۔ ہزاروں افراد کو ''عالم'' بنانے کے باوجود اپنے آپ کو ان سب سے کمتر وحقیر سمجھنے والی اس ہستی کی کون کون سی صفات کا ذکر کروں؟

چند بے جان الفاظ میں افسوس جلیل!
کہیں مضمون محبت کا ادا ہوتا ہے؟

آدابِ مسجد:

چچا جان شہید رحمہ اللہ آدابِ مسجد کا بھی خوب خوب خیال رکھتے تھے۔ بارہا آپ کے اس قابل تقلید ولائق رشک معمول کا مشاہدہ کیا گیا کہ جب بھی مسجد میں تشریف لے جاتے تو موبائل گھر ہی چھوڑ جایا کرتے تھے، حالانکہ اس قدر کثرت سے فون آتے کہ شاید ہی کوئی وقت ایسا ہو جس میں فون نہ آئے، لیکن آپ خالق سے لَو لگانے کے دوران مخلوق سے تعلق وربط کو پسند نہیں فرماتے تھے۔ روایات میں آتا ہے: ''حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: نبی کریم ﷺ گھر والوں سے محو گفتگو ہوتے تھے، جیسے ہی اذان کی آواز کانوں میں پڑتی تو آپ یوں ہو جاتے، جیسا کہ ہمیں جانتے ہی نہیں ہیں'' گویا مخلوق سے ہٹ کر کامل توجہ خالق کی طرف ہو جاتی تھی۔ اسی سنت پر عمل پیرا ہوتے ہوئے چچا جان شہید رحمہ اللہ کی کوشش بھی یہی ہوتی تھی کہ مسجد میں خالص خدائے وحدہٗ لاشریک کی طرف متوجہ رہیں:

ذکرِ باری سے تر و تازہ رہی تیری زباں
سنت نبوی کا مظہر تھی تری ہر اِک ادا

اسی طرح جب گھٹنوں میں تکلیف ہوئی تو عصا کے سہارے چلتے تھے، لیکن جب بھی مسجد میں داخل ہوتے تو احترامِ مسجد میں اول تو عصا کو گھر ہی چھوڑ جاتے تھے، اگر مجبوراً لے جانا پڑتا تو مسجد کی حدود سے باہر تک استعمال فرماتے تھے، مسجد میں بالکل استعمال نہیں فرماتے تھے۔

سادگی:

بعض لوگ جو آپ سے غائبانہ تعارف رکھتے تھے، اُن کے ذہن میں یہ ہوتا تھا کہ حضرت مفتی عبدالمجید جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے ''استاذ الحدیث'' اور ''مفتی'' ہیں، بڑے اعلیٰ اور عمدہ لباس اور شاہانہ انداز میں رہتے ہوں گے، لیکن جب وہ دیکھتے کہ یہی شخصیت ایک سادہ سے لباس میں، معصومانہ اور باوقار صورت میں، شریفانہ لہجے میں، پھول جیسا چہرہ لئے، سیدھے سادے طرز میں آنے والے لوگوں سے محو گفتگو ہے تو حیران ہوئے بغیر نہ رہتے۔ آپؒ سفر کے لئے خصوصی سواری کے انتظام کا تکلف بھی نہ فرماتے، آسانی سے جو سواری بروقت میسر ہوتی اُسی پر سفر فرما لیتے تھے، غرض ہر قسم کے تصنع،

بناوٹ اور تکلفات سے کوسوں دور تھے:

تھے سراپا دلکشی اور پیکرِ اخلاق تھے
دھیمی دھیمی گفتگو تھی اور لہجہ رس بھرا

اکابر کا احترام:

"الدين كله أدب" کا قاعدہ مسلم ہے، ہر سمجھدار جانتا ہے کہ دنیا وآخرت کی تمام کامیابیوں کا دار ومدار "ادب" و"احترام" پر ہے۔ تاریخ عالم پر نظر دوڑانے سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا میں انہی شخصیات کو مقام ومرتبہ نصیب ہوا، جنہوں نے اپنے والدین، اساتذہ، مشائخ اور اکابر کے احترام کو ہر مقام پر ملحوظ رکھا۔ حضرت چچا جان شہید رحمہ اللہ میں بھی اکابر کا ادب کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ جب کبھی اپنے مرشد کی خدمت میں "دین پور شریف" حاضری دینے جاتے تو احتراماً عصا ساتھ نہ لے جاتے، چاہے جتنی ہی تکلیف ہو۔ حضرت اقدس میاں سراج احمد دین پوری مدظلہم العالی کی خدمت میں آپ حاضری دیتے تو وہ ضعف اور علالت کے باوجود آپ کو ملنے کے لئے اُٹھنے یا سیدھے ہوکر بیٹھنے کی کوشش فرماتے، جب آپ نے یہ دیکھا تو حضرت میاں صاحب کی اس تکلیف کے خیال سے سامنے جانے سے گریز فرمانے لگے، اور جب بھی حاضری دیتے، پشت کی جانب جاکر تشریف فرما ہوتے تھے۔

اس بات سے اہل علم وتحقیق خوب واقف ہیں کہ علم وتحقیق کے سفر میں ایسے مراحل بھی آتے ہیں جہاں ایک طالب علم کو دوسرے طالب علم سے، یا ایک عالم کو دوسرے عالم سے اختلاف کرنا پڑتا ہے، اور بعض اوقات اپنے بڑوں سے بھی اختلاف کرنا پڑتا ہے، اس سلسلے میں حضرت چچا جان شہید رحمہ اللہ کا طرزِ عمل یہ تھا کہ: نہ تو کسی کا ادب واحترام اُس سے اختلاف رائے کے اظہار میں مانع ہوا اور نہ کبھی اختلاف رائے نے ادب واحترام میں ادنیٰ رخنہ اندازی کی۔ بڑوں کے علاوہ جب کسی معاصر عالم سے مجتہد فیہ مسئلے میں کوئی اختلاف ہوتا تو آپ ادب واحترام کو پوری طرح ملحوظ رکھتے اور کوئی ایسا اقدام نہ فرماتے، جس سے اُس کے علمی مقام کو ٹھیس پہنچے یا عوام میں اس کا اعتماد مجروح ہو۔

شوقِ علم وذوقِ مطالعہ:

علمی شوق اور عبادت کا ذوق آپ کے رگ وجاں میں پیوست تھا۔ زمانۂ طالب علمی کی خوب محنت، جہد مسلسل اور بے پناہ علمی شوق نے ہی آپ کو اپنے ہی مادرِ علمی کی افتاء وحدیث کی بلندترین مسند پر لا بٹھایا تھا۔ زمانۂ طالب علمی کے بعد بھی آپ کا علمی شوق برقرار رہا، بلکہ اُس میں اضافہ ہی ہوتا رہا۔ کتب بینی بھی مستقل فرماتے رہتے تھے، ابھی چند ماہ قبل جب آخری بار ہمارے گھر "خان پور" تشریف لائے تو اپنے مطالعہ کے ذوق کی تسکین کے لئے بندہ کے والد ماجد کی کتب پر نظر دوڑائی، اوپر

اوپر مجلّہ ''صفدر'' کا ''شیخ الحدیث نمبر'' پڑا ہوا تھا، جو حال ہی میں حمزہ بھائی نے استاذ محترم حضرت مولانا محمد حنیف صاحب رحمہ اللہ (شیخ الحدیث: دارالعلوم مدنیہ، بہاول پور) کی یاد میں شائع کیا ہے، چچا جان شہید رحمہ اللہ نے اٹھایا اور پڑھنا شروع کردیا، حتیٰ کہ آپ کی روانگی کا وقت آگیا۔ سفر کی تیاری، مہمانوں کی آمد، ملاقات، سب کے باوجود مطالعہ جاری رہا، یہاں تک کہ ۳۰۰ سوصفحات کا ''خاص نمبر'' مکمل ہوا، اُدھر آپ روانہ ہوگئے۔ اس سے جہاں آپ کے شوقِ مطالعہ کا علم ہوتا ہے، وہیں اکابر اہل السنۃ والجماعۃ سے آپ کی بے پناہ محبت وعقیدت کا اظہار بھی ہوتا ہے۔

رسوخ واستحضارِ علم اور ذہانت وفطانت:

علم تو آپ کا اوڑھنا بچھونا تھا، علمی قابلیت کے ساتھ ساتھ فطری ذکاوت بھی غضب کی تھی۔ علوم متداولہ میں جس علم سے حضرت چچا جان شہید رحمہ اللہ کو سب سے زیادہ شغف رہا اور جس میں اللہ تعالیٰ نے اُن سے دین کی عظیم الشان خدمت لی، وہ علم فقہ ہے، چنانچہ آپ کی یہی حیثیت دنیا میں زیادہ مشہور ہوئی اور ''مفتی'' آپ کے نام کا حصہ بن کر زبانِ زدِ عام ہوگیا۔ ویسے تو آپ کو تمام علوم وفنونِ اسلامی میں وسعت نظر حاصل تھی، لیکن ممتاز ذکاوت اور ذہانت نے آپ کو فقہ کا شیدائی بنادیا تھا۔ جزئیات کے ساتھ کلیات پر پوری دسترس تھی اور اصولِ فقہ آپ کا مزاج علمی بن چکے تھے۔ سوال نامہ پر نظر پڑتے ہی مسئلہ سمجھ جاتے، جواب پڑھتے اور فوری اصلاح دیتے جاتے۔ فقہی جزئیات کا استحضار بھی کمال کا تھا، ایک ہی مسئلہ کے کئی کئی نظائر وشواہد بیان فرمادیتے تھے۔ ہر قسم کے مسائل حتیٰ کہ میراث تک کے مسائل چٹکی بجانے میں حل فرمادیتے تھے۔ آپ کے شاگرد بتاتے ہیں کہ کبھی ہم نے آپؒ کو کسی مسئلہ میں تردد کا شکار ہوتا نہیں دیکھا، اور نہ ہی ایسا ہوا کہ بعد میں غور وفکر کے بعد سابقہ رائے سے رجوع کی نوبت آئی ہو:

جس کے گفتارِ فقاہت کا عجب اعجاز تھا
جس کے پاکیزہ عمل پر دین کو خود ناز تھا

یہی وجہ ہے کہ ملک عزیز پاکستان کے مدارس کے سرخیل ''جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی'' جیسے عالمی اور عظیم الشان ادارہ کے حضرات آپؒ کو باصرار لے گئے۔ ہدایہ اور ترمذی شریف جیسے اہم اور دقیق اسباق آپ کے زیر تدریس رہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ''جامعہ درویشیہ'' کے شیخ الحدیث کے منصب پر بھی فائز رہے۔

تقویٰ:

گزشتہ سطور سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت چچا جان شہید رحمہ اللہ کی شخصیت بنیادی طور پر ایک ''علمی شخصیت'' تھی۔ آپ کی ساری عمر درس وتدریس اور افتاء جیسے کاموں میں بسر ہوئی۔ استقامت اور

پابندی کے ساتھ مطالعہ کرنے کی نظیریں اس دور میں بہت کم ملیں گی، لیکن اس زبردست علمی انہماک کے باوجود یہ حقیقت ہرآن آپ کے ذہن میں مستحضر رہتی تھی کہ یہ کتابی علم، اس میں پختگی، رُسوخ، استحضار اور وسعت مطالعہ محض خول ہی خول ہے، اور جب تک اس میں عمل اور خشیت اللہ کی روح پیدا نہ ہو، اس وقت تک انسان خواہ کتنا ہی بڑا عالم، مفتی اور محقق بن جائے، اس کی ساری علمی تحقیقات بے وزن اور بے جان رہتی ہیں، اسی طرح جو علم انسان کی عملی زندگی پر اثر انداز نہ ہو، وہ بے کار ہے۔

کہنے کو تو یہ بات سبھی کہتے ہیں کہ: ''عمل کے بغیر علم بے کار ہے'' لیکن ایسے لوگ کم ہوتے ہیں جن کی زندگی میں یہ بات پیوست ہوچکی ہو۔ حضرت چچا جان شہید رحمہ اللہ کی ہر ہر ادا میں یہ حقیقت جلوہ گر نظر آتی تھی۔ علم وتحقیق کے کام سے اس درجہ وابستگی کے باوجود آپ کو اس علم وتحقیق سے نفرت تھی، جو انانیت اور خود بینی پیدا کرے۔

سنن کی پابندی:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ. (آل عمران:۳۱)

ترجمہ: '' (اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم! اپنی امت سے) فرما دیجئے کہ اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو۔ اللہ تعالیٰ تمہیں محبوب بنالے گا''۔

گویا اللہ تعالیٰ کی محبت کی علامت ''اتباعِ سنت'' ہے۔ جو جس قدر اتباع سنت کا اہتمام کرے گا، وہ اسی قدر اللہ کے ہاں محبوب ومقرب ہوجائے گا۔ حضرت چچا جان شہید رحمہ اللہ کی زندگی بھی ''اتباع سنت'' سے بھرپور تھی۔ کھانے، پینے، سونے اور مسجد میں داخل ہونے سے لے کر نماز پڑھنے، حتیٰ کہ معاملات تک میں آپؒ ''اتباعِ سنت'' کا خاص اہتمام فرماتے تھے۔

بندہ کے والد ماجد فرماتے ہیں کہ: ایک مرتبہ حضرت چچا جان شہید رحمہ اللہ ہمارے گھر تشریف لائے، آپؒ کا معمول تھا کہ روزانہ صبح غسل فرما کر کپڑے تبدیل کرتے تھے، اُس روز غسل کے لئے جانے سے قبل بیت الخلاء کی طرف گئے، بیت الخلاء کے دروازے کے پاس پہنچتے ہی الٹے پاؤں واپس لوٹے اور فرمایا: اوہو! والد صاحب نے پوچھا: کیا ہوا؟ تو فرمایا: بے خیالی میں ننگے سر ہی جارہا تھا، پھر سر پر تولیہ رکھ کر گئے۔

حضرت چچا جان شہید رحمہ اللہ اس سال حرمین کے سفر سے واپسی پر جب ہمارے گھر ''خان پور'' تشریف لائے تو رات کو عشاء سے قبل فرمایا: تھکاوٹ بہت ہے، میں فقط فرض وسنن کے بعد کچھ دیر آرام کروں گا، بستر لگادو! مَیں نے اُن کی تھکاوٹ کے خیال سے عشاء کے فرائض میں تلاوت مختصر کی، یعنی قصار مفصل میں سے پڑھا، تو بعد میں مجھے فرمایا کہ: بھئی! پڑھنے کی رفتار کچھ بڑھالیا کرو، لیکن وہی

سورتیں پڑھا کرو جو مسنون ہیں۔

اُس رات آپ نے بستر تیار کروالیا تھا، لیکن فرائض وسنن کے بعد گھر تشریف نہیں لے گئے، بلکہ وہیں رُک گئے اور مکمل تراویح پڑھ کر پھر گھر تشریف لے گئے۔ دورانِ تراویح مجھ سے ایک جگہ حرکت کی غلطی ہوگئی، آپ حالانکہ حافظ نہیں تھے، لیکن آپ نے شدید تھکاوٹ کے باجود کمالِ توجہ سے اُسے نوٹ فرمالیا۔ رات کو جب ہم آپ کو دبانے لگے تو مجھے فرمایا: لگتا ہے کہ فلاں مقام پر تم نے حرکت کی غلطی کی ہے، کیا ایسا ہوا ہے؟ میں نے کچھ سوچنے کے بعد عرض کیا: جی! پھر پوچھا کہ: اب اس کا کیا کروگے؟ میں نے عرض کیا: کل ان شاء اللہ اس مقام کو دوبارہ پڑھوں گا، فرمایا: ہاں! ٹھیک ہے، کل اُسے دوہرالینا۔

اسی مجلس میں یہ بھی فرمایا: آج میرا ارادہ تھا کہ ابھی لیٹ جاؤں، ذرا تھکاوٹ اتر جائے تو پھر اطمینان سے تراویح پڑھوں، اسی لئے بستر لگانے کا بھی کہہ دیا، لیکن تم نے جب شیخ محمد علی مدنی صاحب کے لہجے میں قرآن پاک پڑھا تو میرا جی نہ چاہا کہ میں جا کر سو جاؤں، لہٰذا تمہارے پیچھے تراویح پڑھی۔

اسی طرح ہماری مسجد کے امام صاحب کو آپ نے دیکھا کہ وہ درمیان درمیان سے پڑھتے تھے اور رفتار بہت ہی کم رکھتے تھے، یعنی مشق کے انداز میں پڑھتے تھے، تو والد ماجد سے فرمایا: امام صاحب سے عرض کریں کہ: مسنون سورتیں پڑھا کریں، اُن کا ثواب زیادہ ہے، اور رفتار کچھ بڑھالیں، یعنی حدر میں پڑھا کریں:

پیشِ نظر وہ رکھتا تھا سیرت رسول کی
ہر ہر عمل میں اُس کے تھی سنت رسول کی

غلطیوں پر ٹوکنے کا انداز:

''امر بالمعروف'' کی طرح ''نہی عن المنکر'' بھی اہم شرعی فریضہ ہے، لیکن اس فریضے کی ادائیگی بڑی حکمت اور للّٰہیت چاہتی ہے، اور جب تک اللہ تعالیٰ کی توفیق شامل حال نہ ہو، اس نازک فریضے کی ادائیگی میں اعتدال وتوازن کی حدود پر قائم رہنا مشکل ہوجاتا ہے۔

حضرت چچا جان شہید رحمہ اللہ موقع ومحل کی مناسبت سے مخاطب کا لحاظ رکھتے ہوئے تنبیہ فرماتے تھے۔ جس کے بارے میں سمجھتے کہ یہ نرمی، شفقت اور پیار سے سمجھے گا تو اُسے بے حد مشفقانہ لہجے میں اس کی غلطی سے آگاہ فرمادیتے اور درستگی کی تلقین کرتے۔ اور اگر کبر ونخوت اور مال ودولت کے نشہ میں چور کوئی دنیا دار اپنی بڑائی جتانے لگتا تو اس کے وہ لتے لیتے کہ آئندہ کے لئے وہ ایسی حرکت بالخصوص علماء کے سامنے بدتمیزی وبدتہذیبی سے باز آجاتا تھا، اس سے آپ کی ''خودداری'' اور ''استغناء'' کا بھی اندازہ ہوتا ہے:

امیروں سے یہ بے پرواہ شہنشاہوں سے مستغنی
فقیروں سے مروّتِ انکساری دیکھتے جاؤ

کافی عرصہ سے آپ کو بھی فون پر دھمکیاں مل رہی تھیں، لیکن آپ عام طور پر کسی سے ذکر نہیں

فرماتے تھے، بلکہ آپ کے ایک شاگرد نے بتایا کہ ایک مرتبہ بنوری ٹاؤن کے ایک بڑے استاذ الحدیث کے پاس نامعلوم خط آیا، جس میں دھمکی دی گئی تھی کہ: ''ہم تمہارے بڑے مفتی کو قتل کریں گے۔'' اُن استاذ صاحب نے مسکراتے ہوئے وہ خط حضرت شہیدؒ کو دیا اور مزاحاً فرمایا: لو جی! آپ کا بُلاوا تو آگیا ہے، لیکن اس سب کے باوجود:

ڈرایا دار سے تو وہ ہنسا خوب
تھی اس کے دل میں ایسی جاں نثاری
وہ دشمن سے بھی ملتا مسکرا کر
ملی حق سے اُسے وہ بُردباری

پھر جب پرودگار کی طرف سے بُلاوا آگیا تو ہنسی خوشی جان جان آفریں کے سپرد کردی۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان کے نقشِ قدم پر ثابت قدم رکھے، اور ہم سب کو باہمی اتفاق واتحاد سے چچا جان کے مشن کو زندہ وتابندہ رکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین:

سکونِ زیست کی دولت لُٹا کے بیٹھ گئے
ہم ایک گوہرِ یکتا گنوا کے بیٹھ گئے
قریب کر کے محبت سے ایک دُنیا کو
عجیب بات ہے خود دُور جا کے بیٹھ گئے
ہمارا جی نہیں لگتا یہاں آپ کے بغیر
اور آپ ہو کہ کہیں دل لگا کے بیٹھ گئے
رواں رہے گا یونہی قافلۂ دین پوری
عدُو نہ سمجھیں کہ ہم چوٹ کھا کے بیٹھ گئے

☆☆......☆☆

فریاد

ہر ایک کیا کرتا ہے ظالم کی اعانت
مظلوم کی فریاد کو سنتا نہیں کوئی
پھولوں کے کچلنے پہ تو مامور ہیں گلچیں
گلشن سے مگر خار کو چُنتا نہیں کوئی

نتیجۂ فکر: حاصل تمنّائی

یار زندہ صحبت باقی

مفتی ابولبابہ شاہ منصور

شہادت کا ایک اور سانحہ دل کو گھائل کر گیا۔ ابھی ماضی قریب میں پے در پے ہونے والی عظیم شہادتوں کا دکھ مندمل نہ ہوا تھا کہ ایک اور زخم صد ماتی تحفہ دے گیا۔ مادرِ علمی جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے حزن وملال اور رنج وغم کا اندازہ کون کرسکتا ہے، جس نے یکے بعد دیگرے اتنے عظیم سپوتوں کی قربانی دی ہے کہ اب تو اس کے درو دیوار کی طرح آسمان بھی شفق رنگ ہوگیا ہے۔ لگتا ہے اس شجرۂ طیبہ کی اصل نے ایمان وتقویٰ اور علم وعمل کی بہاریں دنیا کو دکھانے کے بعد اب اس کی شاخیں جنت میں بھی اس قدر پھیلا دی ہیں کہ داروغۂ باغِ بہشت اور ان کے ساتھی میزبان جب چاہتے ہیں، ایک خوشہ توڑ کر اپنے ہاں سجا لیتے ہیں۔

حضرت مولانا مفتی محمد عبد المجید دین پوری شہیدؒ کے ساتھ بیتی ساعتوں کو جب مڑ کر دیکھتے ہیں تو ایک حلیم وبردبار، مرنجاں مرنج شخصیت، علم وعمل اور حسن واخلاق وبلندیٔ کردار کے آمیزے میں گندھی نظر آتی ہے۔ حضرت موصوفؒ کو جہاں اللہ تعالیٰ نے ذہانت وفطانت، اور علم دوستی وعلم پروری کی صفات سے نوازا تھا، وہیں وہ طبعاً انتہائی شریف النفس، سلیم الفطرت، خوش اخلاق وخوش مزاج تھے۔ ایک دل آویز اور معصوم سی مسکراہٹ ان کے چہرے پر ہر وقت سجی رہتی تھی اور ایک عجیب سی شیرینی اور مٹھاس اُن کی آواز اور لہجے میں گھلی ہوئی تھی۔

انسان کو کچھ قابلیتیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطاً کر دی جاتی ہیں، مگر جب تک اس کے حسنِ خَلَق میں حسنِ خُلُق نہ ہو اور فطری قابلیتوں یا اعلیٰ مہارتوں کے ساتھ کردار کی بلندی اور سوچ کی وسعت اور رفعت نہ ہو تب تک وہ خلقِ خدا کی بے ساختہ محبتیں نہیں سمیٹ پاتا، نہ کوئی اچھا نقش چھوڑ سکتا ہے۔

حضرت دین پوریؒ کو اللہ تعالیٰ نے دونوں صفتوں سے نوازا تھا۔ علمی قابلیت اور فطری ذکاوت بھی غضب کی تھی اور ساتھ ساتھ مزاج میں نرمی اور رویے میں مٹھاس بھی خوب عطاء ہوئی تھی، لہٰذا انہوں نے زندگی بھر خیر بھی پھیلائی اور محبتیں بھی سمیٹیں۔

علم وعمل کی خوشبو بکھیرتے بکھیرتے اور تلامذہ ومعتقدین کی چاہتیں سمیٹتے سمیٹتے وہ اس انداز میں

ہم سے رخصت ہوئے کہ سمجھ نہیں آتا، ان کی حلیم وشفیق شخصیت سے جدائی کا غم زیادہ ہے یا ان کے جانے سے ہونے والے نقصان کے اندیشے فزوں تر ہیں۔

اس عاجز نے چند سال پہلے خواب میں ایک مجاہد عالم کو دیکھا کہ وہ شہید ہوگئے ہیں۔ پیر کالونی کی بڑی جامع مسجد میں جہاں استاذِ محترم حضرت مولانا عبدالقیوم چترالیؒ امامت فرماتے تھے، وہاں شہداء کی یاد میں جلسہ ہورہا ہے، اس میں وہ شہید بھی آسمان سے چمکتے دمکتے چہرے اور سفید براق میں آیا ہوا ہے، مسجد میں خوب چہل پہل ہے۔ احقر نے اس سے پوچھا کہ آسمان والے ہمارے بارے میں کیا سمجھتے ہیں؟ ہم لوگ شہادتیں تو پیش کررہے ہیں، ہمارے کام کے بارے میں آسمانوں پر کیا تبصرہ ہوتا ہے؟ اس شہید نے کہا: آسمان والے وہی کچھ سمجھتے ہیں جو آپ لوگ ان کے بارے میں گمان رکھتے ہو۔ کمال کا بلاغتی جملہ تھا ''صاف چھپتے بھی نہیں سامنے آتے بھی نہیں'' مگر سمجھنے والوں کے لئے اس میں خوشخبری بھی پنہاں ہے اور استقامت کی تلقین بھی۔

دشمن سمجھتا ہے کہ اس سے قصاص لینے والا کوئی نہیں، اس لئے وہ بے خطر ہوکر بے ضرر علماء وطلباء کو دَھڑلّے سے شہید کرتا چلا جارہا ہے، اُسے بھولنا نہیں چاہئے کہ شہادت دینے والے طبقے کی بقاء کا ذمہ دار خود اللہ رب العزّت ہے اور اللہ تعالیٰ نے آسمان وزمین کا نظام اپنے ہاتھ میں رکھا ہے، کائنات کے فیصلے اس نے کسی شقی وسنگدل کے سپرد نہیں کئے، نہ پہلے، نہ آج، نہ آئندہ۔

کراچی کو علماء وطلباء سے خالی کرنے کی سوچ رکھنے والے ازلی شقیوں کو کسی غلط فہمی میں نہ رہنا چاہئے۔ اگر زمین پر موجود اللہ والے پاکستان کی حدود میں قانون ہاتھ میں نہیں لیتے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ آسمانوں پر موجود احکم الحاکمین نے اپنے تکوینی قوانین معطّل کردیئے ہیں۔ قرآن کریم کا ارشاد ہے: ''إِنَّ رَبَّکَ لَبِالْمِرْصَادِ''۔ (الفجر:۱۴) ''بے شک تیرا رب گھات لگائے ہوئے ہے''۔

حضرت دین پوری شہیدؒ فقہی مجالس میں نکتہ رس مفتی ہوتے تھے اور نجی مجالس میں بذلہ سنج دوست۔ اس عاجز کو ان کی سلامتِ طبع اور مزاجِ اعتدال کی بناء پر ان سے خاص لگاؤ تھا۔ حضرتؒ کو بھی اس نالائق سے خصوصی شفقت ومحبت کا تعلق تھا۔ جامعۃ الرشید میں ہونے والی فقہی مجالس میں جب بھی دعوت دی، نہایت خوش دلی اور خوش کلامی سے قبول کی۔ ہنستے مسکراتے آئے اور کھلتے چہرے کے ساتھ رخصت ہوئے۔ یقینِ کامل ہے کہ جنت میں بھی اسی نرم خوئی اور خوش طبعی کے ساتھ داخل ہوئے ہوں گے۔ جامعۃ الرشید کے چمنستان میں ہم ان کا استقبال کیا کرتے تھے، وہاں وہ ان شاء اللہ! ہمارا استقبال کریں گے۔ یارزندہ صحبت باقی۔ ان کے ساتھ ہونے والی صحبتیں ان شاء اللہ! وہاں بھی قائم ودائم رہیں گی۔ دشمن نے رسوا ہونا ہے اور حق نے غالب ہونا ہے۔ مصیبت میں صبر اور مقابلے میں عزم وہمت کو ہاتھ سے جانے نہ دینا چاہئے۔

’’تنگ آمد‘‘

جناب سیلانی صاحب
کالم نگار روزنامہ ’’اُمت‘‘

شہر کے وسط میں مزارِ قائد کے قریب سرخی مائل رنگ سے رنگی عمارت کو چاروں جانب سے سنتری بادشاہوں نے گھیر رکھا تھا، سامنے سے گزرنے والی شاہراہ پر کسی گاڑی کو جانے کی اجازت نہیں تھی، کسی بے چارے کا ٹرک پکڑ کر روڈ پر ترچھا کھڑا کر دیا گیا تھا، ایسا ہی ٹرک عمارت کے بائیں جانب سڑک پر بھی دکھائی دے رہا تھا، پولیس کے ساتھ ساتھ سادہ لباس والے ’’فرشتے‘‘ بھی دکھائی دے رہے تھے، جو موبائل فون کے ذریعے اس عمارت میں آنے والے ہر ہر شخص کی اوپر رپورٹ کر رہے تھے۔ پولیس اور فرشتوں کی پھرتیاں دیکھ کر سیلانی کے لبوں پر طنزیہ مسکراہٹ نمودار ہوگئی، اگر یہ ’’مخلوق‘‘ فرض شناسی سے اپنا کام کر رہی ہوتی تو آج یہ سرخ رنگ میں رنگی عمارت انبیاء کے وارثوں کے لہو سے رنگی ہوتی؟ مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار شہیدؒ سے لے کر خان پور کے مفتی عبد المجید دین پوریؒ شہید تک، جامعہ بنوری ٹاؤن کے تقریباً پندرہ اساتذہ ناحق شہید کر دیئے گئے۔ مولانا ڈاکٹر نظام الدین شامزئی شہیدؒ کا قصور تو سمجھ میں آتا ہے کہ وہ اس دور میں سرِ عام جہاد کی بات اور مجاہدین کی پشتیبانی کرتے تھے، جب دین کو حسبِ ضرورت استعمال کرنے والی نادیدہ قوتوں کو اپنی ہانڈی میں جہاد کے نمک کی ضرورت نہیں رہی تھی، لیکن مفتی عبد المجید دین پوری شہیدؒ نے کیا قصور کیا تھا؟ انہوں نے کبھی مخالفین کو گمراہ کہا، نہ کافر، جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے دار الافتاء میں مسلمانوں کی مدد فرماتے، ان کی اُلجھنیں سلجھاتے، ان کے مسائل کا حلِ شرعی بتاتے اور اپنے سینے میں محفوظ علم کے نور سے علم کے طالبوں کا دل اُجالتے۔

سیلانی جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے دروازے پر کھڑا مفتی عبد المجید دین پوری شہید اور ان کے ساتھیوں کے جرم کا سوچ رہا تھا، شہداء کی امین، جامعہ بنوری ٹاؤن کے لئے بدھ چھ فروری کا دن غیر معمولی تھا، جامعہ کے بغلی دروازے پر طالب علموں کا جمِ گٹھا لگا ہوا تھا، انہیں علم تھا کہ آج یہاں استاذ الاساتذہ شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خان صاحب نے آنا ہے، جامعہ دار العلوم کراچی سے مفتی محمد تقی عثمانی صاحب کی آمد کی بھی اطلاع تھی، جامعہ دار الخیر گلستانِ جوہر سے مولانا محمد اسفند یار خان صاحب کے آنے کی بھی اطلاع تھی، یہ بھی علم ہوا کہ جامعہ احسن العلوم کے مولانا محمد زرولی خان صاحب بھی تشریف لائیں گے۔

یہ علم کے افق پر جگمگاتے وہ روشن ستارے تھے جنہیں دیکھ کر بھٹکتے مسافر اپنی سمت درست کرتے، ان حضرات کی آمد نے طلباء کو پرجوش اور بے چین کر رکھا تھا، وہ ان کی ایک جھلک دیکھنے کو بے تاب ہورہے تھے۔ ان کی تڑپ، ان کا شوق اور ان حضرات کا احترام دیکھ کر وہاں موجود ''فرشتے'' اور سنتری بادشاہ حیران ہورہے تھے، اوران کی حیرت بجا تھی کہ یہ منظران کے لئے انوکھا تھا کہ ایک عام سی کار آ کر رکتی ہے جس کے آگے کوئی ٹوں ٹوں کرتی کار ہوتی، نہ ہٹو بچو کا شور مچانے والا، کار پر کوئی جھنڈا ہوتا ہے، نہ سبز رنگ کی نمبر پلیٹ، اس میں سے اترنے والے نے کوئی خاص پوشاک بھی نہیں پہن رکھی ہوتی، لیکن طلباء ان کے ہاتھ چومتے آگے بڑھتے، ان کے لئے بچھے بچھے جاتے، حضرات کی آمد کا سلسلہ جاری تھا، سیلانی ایک طرف کھڑا بزرگ ہستیوں کو دیکھ رہا تھا، شہر کے جید علماء کرام بنوری ٹاؤن آرہے تھے کہ اب کرنا کیا ہے؟ چائے خانوں پر چائے پینے والے طلباء محفوظ ہیں، نہ مصروف شاہراہوں پر سفر کرنے والے اساتذہ۔ ٹارگٹ کلنگ اتنی ہوچکی ہے کہ اب وزیراعلیٰ ہاؤس کا پریس سیکریٹری اللہ بچایومیڈیا کو وزیراعلیٰ صاحب کی جانب سے نوٹس لینے کا فیکس بھی جاری نہیں کرتا۔

سیلانی جامعہ بنوری ٹاؤن میں اجلاس کی خبر لینے آیا تھا، اس کی نگاہ دروازے پر مولانا ڈاکٹر نظام الدین شامزئی شہیدؒ کے صاحبزادے مفتی امین الدین شامزئی صاحب پر پڑی اور وہ ان کے پاس چلا آیا، سلام کلام کے بعد سیلانی نے ان سے اجلاس کے حوالے سے جاننا چاہا تو انہوں نے ترکی ٹوپی پہنے ایک نوجوان سے ملوادیا، یہ مولانا سعید خان صاحب تھے جامعہ بنوری ٹاؤن کے رئیس وشیخ الحدیث مولانا ڈاکٹر عبدالرزّاق اسکندر صاحب کے صاحبزادے، وہ گرم جوشی سے ملے اور سیلانی کو لے کر اپنے چھوٹے سے صاف ستھرے دفتر میں آگئے۔

''اجلاس کا ایجنڈا تو وہی ہے ٹارگٹ کلنگ'' سیلانی نے گفتگو کا آغاز کرتے ہوئے کہا''جی دیکھیں حضرات کیا فیصلہ فرماتے ہیں؟''''مجھے علم ہے جو فیصلہ ہوگا، زیادہ سے زیادہ ایک نیوز کانفرنس اور ٹارگٹ کلنگ کی مذمت بس..... بھئی یہ زبان حکمرانوں کو سمجھ آتی ہے، نہ ان کے کانوں پر جوں رینگتی ہے''''ٹھیک کہہ رہے ہیں آپ مگر ہم اور کیا کریں؟''سعید بھائی نے الٹا سوال کرڈالا۔''فارسی بولنے والے فارسی بولیں، جو زبان حکمران سمجھتے ہیں، اسی زبان میں بات کریں''۔''یہی تو ہم سے نہیں ہوتا، ورنہ کوئی مسئلہ نہیں کہ چودہ ہزار طلبہ کو لے کر سامنے چوک پر جا بیٹھیں، آپ یقین کریں گے جب مفتی عبدالمجید دین پوری صاحب پر حملے کی اطلاع ملی تو والد صاحب نے تمام اساتذہ کو ہدایت کی کہ باہر جامعہ کے دروازوں پر پہنچ جائیں اور کوئی طالب علم باہر نہ جائے، صرف اسی لئے کہ طلباء جذباتی ہوکر توڑ پھوڑ نہ شروع کردیں اور یہاں شہداء کا جنازہ پڑھا گیا، تل دھرنے کی جگہ نہیں تھی، ہزاروں لوگ تھے، محاورتاً نہیں حقیقتاً ایک گملا بھی نہیں ٹوٹا، آج کا اجلاس بھی بہت مجبوری میں بلایا گیا ہے''۔

اجلاس بلانے کا سبب تین بجے نیوز کانفرنس میں پتہ چل گیا، جب قاری محمد عثمان صاحب نے مولانا ڈاکٹر عبدالرزّاق اسکندر صاحب کی موجودگی میں تمام علماء کی نمائندگی کرتے ہوئے

اجلاس میں ہونے والے فیصلے پڑھ کر سنائے اور جمعہ آٹھ فروری کو ہڑتال کا اعلان کیا، علماء کی جانب سے ہڑتال کے اعلان نے وہاں موجود میڈیا کو چونکا دیا، وہ بھی سیلانی کی طرح سخت لفظوں میں ایک پریس کانفرنس کی توقع کر رہے تھے، ہڑتال کا اعلان ایک بڑا فیصلہ تھا، فوراً سوال داغا گیا ''ہڑتال میں جو توڑ پھوڑ ہوگی اس کا ذمہ دار کون ہوگا؟''۔ ''بھائی! ہم پُرامن لوگ ہیں اور یہ ہم نے اپنے عمل سے ثابت کیا ہے، یہاں سے شہداء کے جنازے اٹھے، آپ نے کسی گاڑی پر پتھرا چھلتے دیکھا؟ کہیں توڑ پھوڑ دیکھی؟ جلاؤ گھیراؤ....ہمیں تو انتظامیہ نے مجبور کر دیا ہے، دن دَہاڑے علمائے دین شہید کر دیئے گئے اور کسی حکمران کے پاس اتنا وقت نہیں کہ وہ ایک فون ہی کر لیتا....''

''کیا وزیر اعلیٰ یا حکومت میں سے کوئی بھی نہیں آیا؟'' ایک صحافی بھائی کے لہجے میں بے یقینی تھی اور ہونی بھی چاہئے تھی کہ جامعہ بنوری ٹاؤن شہر کی ہی نہیں، ملک کی ممتاز درسگاہوں میں سے ہے، اس کے دارالافتاء کے رئیس اور جید عالمِ دین کو شہید کیا گیا تھا، بھانڈ، مراثیوں، ناٹک بازوں کے انتقال پر ''کبھی نہ بھرنے والا عظیم خلا'' پیدا کرنے والے حکمرانوں سے اتنا بھی نہ ہوسکا کہ ایک تعزیتی بیان ہی جاری کر دیتے، شاہراہ فیصل ابھی تک کراچی ہی کا حصہ ہے اور مفتی عبدالمجید دین پوری بھی قسم خدا کی پاکستانی تھے، یہ واقعہ بھوٹان یا نئی دہلی میں نہیں ہوا تھا۔

''جی! صرف گورنر صاحب کا فون آیا تھا، ان کے علاوہ کسی نے آنے کی زحمت کی اور نہ فون کرنے کی، ایک بات اور جن کے لئے دھرنے دیئے جائیں، ان کے ورثاء کے لئے تو حکومت دس دس لاکھ روپے کا اعلان کر دیتی ہے، لیکن ہمارے شہداء کے لئے حکومت کے خزانے خالی ہو جاتے ہیں؟ اس سے ہم کیا سمجھیں، حکمران ہمیں کیا ترغیب دینا چاہتے ہیں؟ یہی کہ ہم بھی سڑکوں پر نکل آئیں، دھرنا دے کر بیٹھ جائیں، وزیر اعلیٰ ہاؤس کا گھیراؤ کر لیں؟ مدارس کے طلباء، مدرسین کو یہ سب نہیں آتا، یہ پُرامن ہیں اور رہنا چاہتے ہیں، لیکن اگر علماء کرام کو یوں ہی چن چن کر شہید کیا جاتا رہا اور حکومت کا انداز بھی ایسا ہی رہا تو ملک بھر کے سترہ لاکھ طلباء سڑکوں پر ہوں گے''۔

قاری عثمان یوں ہی گیدڑ بھبھکی نہیں دے رہا تھا، سیلانی کو ذرائع سے علم ہو چکا تھا کہ اجلاس میں طے ہو چکا ہے کہ بس اب اور نہیں، اب اگر کسی عالمِ دین کا لہو بہایا گیا تو علماء کرام سڑکوں پر آ بیٹھیں گے، ''دورۂ حدیث'' اور ''گھنٹے'' شاہراہوں پر ہوں گے، بزرگ اور ضعیف وزیر اعلیٰ سوچ لیں، جب مزارِ قائد کے سامنے جامعہ بنوری ٹاؤن کے چودہ ہزار طلباء بیٹھے ہوں گے، شاہراہ فیصل ناتھا خان پل پر جامعہ فاروقیہ کے طلباء سبق دوہرا رہے ہوں گے، کورنگی روڈ پر جامعہ دارالعلوم کراچی کے طلباء دکھائی دیں گے، سائٹ میں جامعہ بنوریہ کے طلباء دھرنا دیئے ہوئے ہوں گے.....شہر کے کس علاقے میں مدارس نہیں ہیں؟ اوران مدارس کے طلباء کرائے بھاڑے کے ٹٹو بھی نہیں، جنہیں تین سو روپے کی دیہاڑی پر لایا جائے۔ یہ جب مدارس سے نکلیں گے تو قائم علی شاہ اور عشرت العباد خان کی لینڈ کروزر اور مرسڈیز کہاں چلے گی؟ سیلانی چشم تصور میں شہر بھر میں ہونے والے دھرنوں کو دیکھنے لگا اور پھر دیکھتا رہا، دیکھتا رہا اور دیکھتا چلا گیا۔

ایک چراغ اور بجھا دیا گیا......!

مولانا محمد شفیع چترالی

کوئی صاحب علم ومعرفت دنیا سے جاتا ہے تو بجا طور پر کہا جاتا ہے کہ ایک چراغ اور بجھا اور بڑھی تاریکی، کیوں کہ حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ اہلِ علم کا اٹھ جانا علم کے اٹھائے جانے کے تکوینی سلسلے کا ایک حصہ ہے۔ ہمارا المیہ صرف یہ نہیں ہے کہ یہاں علم وایمان کے چراغ ایک ایک ہوکر بجھتے چلے جارہے ہیں، بلکہ ہمارا دکھ اور درد یہ ہے کہ یہاں چراغ بجھائے جارہے ہیں، اندھیروں کے سوداگروں نے روشنی کے مینار گرانے کا سلسلہ تیز کردیا ہے اور قوم کو ایک منظّم سازش کے تحت تاریکی کی جانب دھکیلا جارہا ہے۔ جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے نائب رئیس دارالافتاء، ہمارے نہایت ہی شفیق ومہربان استاذ حضرت مولانا مفتی عبدالمجید دین پوریؒ اور اُن کے رفقاء مفتی صالح محمد کاروڑیؒ اور مولانا حسان علی شاہؒ کی شہادت کا واقعہ چراغِ مصطفوی سے شرار بولہبی کی ستیزہ کاری کی تازہ دل خراش واردات ہے، جس پر ملک کے اہلِ دل مسلمان رنجیدہ وافسردہ ہیں۔

حضرت مولانا مفتی عبدالمجید شہیدؒ برصغیر کی عظیم تاریخی، روحانی وانقلابی درگاہ دین پور شریف کے علمی وروحانی خانوادے کے چشم وچراغ اور رشتے میں حضرت خلیفہ غلام محمد دین پوریؒ کے پڑنواسے تھے۔ وہ ۱۹۵۱ء میں مولانا محمد عظیم دین پوریؒ کے ہاں پیدا ہوئے۔ اب یہ بتانے کی ضرورت نہیں ہے کہ ان کی ابتدائی تعلیم وتربیت کس ماحول میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم کے بعد اعلیٰ دینی تعلیم کے لئے جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کا انتخاب کیا گیا۔ مفتی صاحب شہیدؒ چمنستان بنوریؒ کے گل سرسبد بنے اور انہیں محدث العصر حضرت علامہ سید محمد یوسف بنوریؒ سے براہِ راست تلمذ کا شرف حاصل ہوا (اب جامعہ میں اس شرف کے حامل دو تین بزرگ اساتذہ ہی باقی رہ گئے ہیں) انہوں نے ۱۹۷۱ء میں جامعہ سے سند فراغت حاصل کی اور حضرت بنوریؒ اور جامعہ کے دیگر اساطین علم کی نگرانی میں تخصص فی الفقہ الاسلامی کا کورس مکمل کیا۔ بعد ازاں وہ جامعہ اشرفیہ سکھر سے بھی وابستہ رہے اور طویل عرصے تک وہاں حدیث اور

فقہ کی خدمت سرانجام دی۔ جامعہ کے سابق رئیس مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار شہیدؒ نے اپنے دور میں جہاں اور کئی قابل اساتذہ ومدرسین تلاش کرکے انہیں جامعہ میں اپنی صلاحیتوں کے جوہر دکھانے کا موقع فراہم کیا، وہاں ان کی نظر انتخاب حضرت مفتی صاحبؒ پر بھی پڑی، جن کی صلاحیتوں اور تقویٰ وطہارت سے وہ ان کے دور طالب علمی سے واقف تھے۔

حضرت مفتی صاحب شہیدؒ ایک انتہائی قابل مدرس، مشاق مفتی اور قادر الکلام خطیب تھے۔ ان تینوں شعبوں میں اللہ تعالیٰ نے اُنہیں یکساں مہارت وقابلیت سے نوازا تھا۔ ہمیں ان سے فقہ اسلامی کی معروف کتاب ''ہدایہ'' جلد چہارم پڑھنے کی سعادت ملی۔ حضرتؒ کے درس میں فقیہانہ نکتہ رسی کے ساتھ خطیبانہ بانکپن بھی کمال درجے کا ہوتا تھا۔ بہت دفعہ کسی فقہی مسئلے یا ہدایہ کی عبارت کی تشریح کرتے ہوئے الفاظ اور جملوں کی ترتیب اور نشست وبرخاست اس دلکش طرز پر رکھتے کہ اس پر کسی شاندار خطبے کا گمان ہوتا اور طلبہ بے اختیار سبحان اللہ کہہ اٹھتے۔ عربی فارسی اور اردو کے اشعار، علمی لطائف اور بزرگوں کے واقعات بھی موقع محل کی مناسبت سے بیان فرماتے، جس سے ان کے درس میں ایک خاص قسم کی شگفتگی محسوس ہوتی۔ علمی، فکری اور نظریاتی اختلافات اور اختلافی مباحث کے بیان میں اعتدال ان کا خاص وصف تھا۔ بہت سے لوگ' بہت سے اکابر اور اساتذہ ومشائخ کو اپنی اپنی پسند کے فکری ونظریاتی خانوں میں ''فٹ'' کرنے کی سعی کیا کرتے ہیں اور بہت دفعہ بہت چھوٹی نوعیت کے اختلافات میں بہت بڑی سطح کی شخصیات کو گھسیٹنے کی کوشش کی جاتی ہے، لیکن حضرت مولانا مفتی عبدالمجید دین پوریؒ کا کمال تھا کہ انہوں نے جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن جیسے ادارے کے دارالافتاء کی مسند افتاء کی عزت ووقار کو کبھی بھی داغ دار ہونے نہیں دیا اور ہمیشہ اپنے اکابر واسلاف کے مسلک ومشرب اور جادۂ اعتدال پر قائم رہے۔ انہوں نے عزت کی زندگی گزاری اور اپنے پیش رو بزرگوں مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار شہیدؒ، مولانا مفتی عبدالسمیع شہیدؒ، مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ اور مفتی نظام الدین شامزئی شہیدؒ کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے بالآخر شہادت سے سرفراز ہوگئے اور یہ ثابت کردیا کہ وہ ان بزرگوں کے سچے پیروکار اور صحیح جانشین تھے۔

خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

حضرت مفتی صاحبؒ کے ہمراہ شہید ہونے والے مولانا مفتی صالح محمد کاروڑیؒ بھی ایک عجیب مردِ قلندر تھے۔ وہ بھی جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے فاضل اور متخصص تھے اور تقریباً ۲۰ رسال سے جامعہ کے دارالافتاء سے وابستہ تھے۔ اُنہیں فقہی جزئیات پر زبردست دسترس حاصل تھی اور بہت سے مفتی حضرات پیچیدہ مسائل کے حل اور حوالوں کی تلاش کے لئے ان سے رابطہ کیا کرتے تھے۔ ان کی

زندگی جہدِ مسلسل سے عبارت تھی۔ وہ صبح سے شام تک افتاء اور تدریس میں مشغول رہتے اور شام سے رات تک ایک ماربل فیکٹری میں ملازمت کیا کرتے تھے۔ جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن میں احباب نے بتایا کہ شہادت سے ایک روز قبل ہی انہوں نے دوستوں کو بتایا تھا کہ میں نے اپنی زندگی کا حساب وکتاب بہت حد تک صاف کرلیا ہے، لوگوں کے قرضے وغیرہ چکا دیئے ہیں، اب موت آگئی تو اللہ تعالیٰ سے کرم کی امید ہے۔

علماء کرام کی شہادتیں اور حکومت کا فریضہ:

کراچی میں علماء کرام، دینی مدارس کے طلبہ اور اساتذہ اور مذہبی جماعتوں کے کارکنوں پر مسلسل دہشت گردانہ حملوں پر ملک بھر کے دینی وعوامی حلقوں میں شدید رنج والم کا اظہار کیا جارہا ہے اور دینی قوتوں کے خلاف اس کھلی دہشت گردی کو روکنے میں حکومت اور متعلقہ اداروں کی ناکامی اور لاپرواہی پر سخت غم وغصہ کے جذبات پائے جاتے ہیں۔ جمعرات کی شام جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن میں شہداء کی نماز جنازہ میں دسیوں ہزار افراد نے شرکت کی۔ اس موقع پر انتہائی جذباتی مناظر دیکھے گئے، تاہم جامعہ کے رئیس مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر نے مجمع سے خطاب کرتے ہوئے عوام سے پُرامن رہنے کی اپیل کی، جس کے نتیجے میں اتنے بڑے سانحے کے باوجود شہر میں کوئی ناخوشگوار واقعہ پیش نہیں آیا، یہ علماء کرام کی امن پسندی، حب الوطنی اور صبر وتحمل کا واضح ثبوت ہے، ورنہ اس وقت شہرِ کراچی میں جس بے دردی کے ساتھ علماء ودینی کارکنان کا قتل عام ہورہا ہے، اس کو دیکھتے ہوئے اہلِ حق علماء سے وابستہ عوام کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو چکا ہے اور انتہائی افسوسناک اور الم ناک امر یہ ہے کہ جن ملکی اداروں، مقتدر قوتوں اور سیاسی حلقوں پر اس صورتحال کو کنٹرول کرنے کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے، وہ مکمل بے بسی اور ناکامی کا اشتہار بنے دکھائی دے رہے ہیں۔ اس واردات کا مقصد دینی قوتوں کو اشتعال دلاکر ملک میں انتشار پھیلانا تھا تو علماء کرام اور اکابر نے اس سانحے کے بعد نہایت صبر وتحمل کا مظاہرہ کرکے اور مشتعل نوجوانوں کے جذبات کو کنٹرول کرکے اس سازش کو ناکام بنادیا ہے، جو ان کی جانب سے بہت بڑی قومی خدمت ہے۔ لیکن ظاہر ہے کہ اس حوالے سے سب سے زیادہ ذمہ داری ان لوگوں پر عائد ہوتی ہے، جو ملکی نظم ونسق کے اعلیٰ اختیاراتی مناصب پر فائز ہیں اور جن کے فرائض منصبی میں یہ شامل ہے کہ وہ ملک وقوم کے خلاف ہونے والی سازشوں پر نظر رکھیں۔ دہشت گردی وتخریب کاری کے منصوبوں کو ناکام بنانے کے لئے ریاستی وسائل بروئے کار لائے جائیں اور ملک دشمن عناصر کے نیٹ ورک توڑ کر شہریوں کی جان ومال کا تحفظ یقینی بنائیں۔

علماء کرام کے قاتلوں کو متنبّی شاعر کے ذریعے سے ایک پیغام:

عربی کے باکمال شاعر متنبّی نے اپنے ایک شعر میں اپنے ممدوح سیف الدّولہ کے دشمنوں کے بارے میں کہا ہے کہ اگر ان میں عقل ہوتی تو وہ کبھی سیف الدّولہ کو نہ چھیڑتے، کیوں کہ ان کو چھیڑنے کا مطلب ان کی جاہ وحشمت میں اضافے کے اسباب ہی پیدا کرنا ہے۔

ایسا لگتا ہے کہ اہلِ حق کے دشمنوں میں بھی سیف الدّولہ کے دشمنوں کی طرح عقل نام کی چیز نہیں ہے۔ اگر ان میں عقل ہوتی تو وہ کبھی علماء کو شہید نہ کرتے، کیوں کہ تاریخ گواہ ہے کہ اگر کوئی عالم اپنی زندگی میں ہزاروں افراد کی روحانی تسکین کا سامان کررہا ہوتا ہے تو راہِ حق میں نقدِ جاں لٹادینے کے بعد وہ پھر لاکھوں انسانوں کے لئے مشعل راہ بن جاتا ہے۔

جب کسی عالم کی حق پرستی وحق گوئی پر شہادت کی مہر تصدیق لگ جاتی ہے تو پھر ہزاروں مائیں اپنی اولاد کو اس عالم کی ''نقل بمطابق اصل'' بنانے کے لئے پیش کردیتی ہیں، اس لئے جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے استاذ الحدیث ونائب رئیس دارالافتاء مولانا مفتی عبدالمجید دین پوریؒ اور ان کے رفقاء کو شہید کرکے باطل پرستوں نے اگر یہ سمجھ لیا ہے کہ حق کا کارواں اب رک جائے گا اور اہلِ حق ڈر جائیں گے یا دب جائیں گے تو یہ ان کی بہت بڑی بھول ہے۔

جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کی تاریخ کو لے لیں تو گزشتہ پندرہ برسوں میں اس ادارے کے ایک درجن سے زائد جید ترین علماء شہید کئے جاچکے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک اپنی جگہ ایک ستون کی حیثیت رکھتا تھا۔ اتنے بڑے بڑے اساطین کو راستے سے ہٹادینے کے بعد بظاہر تو یہ ہونا چاہئے تھا کہ آج جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن میں ویرانیوں کے بسیرے ہوں، لیکن ہوا کیا ہے؟ یہ باطل قوتوں کے ہوش اُڑادینے کے لئے کافی ہے۔ ۱۹۹۷ء میں جامعہ کے اس وقت کے رئیس اور وفاق کے ناظم اعلیٰ مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختارؒ اور مولانا مفتی عبدالسمیعؒ کو شہید کردیا گیا، تو جامعہ میں دورہ حدیث کے طلبہ کی تعداد ۲۵۰ کے آس پاس تھی اور جامعہ اور اس کی شاخوں میں پڑھنے والے کل طلبہ وطالبات کی تعداد پانچ چھ ہزار کے قریب تھی۔ اس کے بعد جامعہ پر یکے بعد دیگرے ایسے کئی حادثات آئے۔ مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ، مولانا ڈاکٹر نظام الدین شامزئیؒ کی شہادتوں کے سانحات رونما ہوئے۔

اب ہونا یہ چاہئے تھا کہ لوگ اپنے بچوں کو اس مدرسے میں داخل کرنے سے گھبراتے اور اس کی طرف طلبہ کا رجحان کم ہوجاتا، لیکن اہلِ حق کے دشمن اور علماء کو شہید کرکے دین کی شمعیں بجھانے کی کوشش کرنے والے احمق کان کھول کر سن لیں کہ ان واقعات وسانحات کے بعد جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کی انتظامیہ کے لئے دنیا بھر سے پروانوں کی طرح آنے والے تشنگانِ علم کو سنبھالنا مشکل ہو

گیا ہے اور اس وقت جامعہ میں صرف دورۂ حدیث میں ۷۰۰ سے زائد طلبہ وطالبات زیرِتعلیم ہیں۔ جامعہ اور اس کی شاخوں میں اس وقت ۱۲۰۰۰ سے زائد طلبہ وطالبات زیورِتعلیم سے آراستہ ہورہے ہیں۔ اب لوگ جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن میں اپنے بچے داخل کروانے کے لئے اتنے جتن کرتے ہیں، جتنے کسی بڑے میڈیکل کالج یا انجینیئرنگ یونیورسٹی کے لئے نہیں کرتے ہوں گے، یہ اس لئے کہ ہر مسلمان جانتا ہے کہ جہاں باطل کے تیر سب سے زیادہ گرتے ہوں، حق وہیں موجود ہوتا ہے۔

بزدل دشمنوں نے اہلِ حق کو اپنے اوپر قیاس کرلیا ہے، انہیں اندازہ ہی نہیں ہے کہ حق کا راستہ ہی ایسا ہے کہ اس میں جان دینے والے مرتے نہیں، بلکہ خود بھی زندہ رہتے اور مزید ہزاروں انسانوں کے لئے زندگی کی نوید بن جاتے ہیں۔ اہلِ حق کا تو ماٹو ہی یہ ہوتا ہے کہ:

ہر آں کہ کشتہ نہ شد از قبیلۂ ما نیست

''جو راہِ حق میں نقدِ جاں نہ لٹا سکے، وہ ہمارے قبیلے کا آدمی نہیں ہے''۔

اس لئے دشمن قوتیں تسلی رکھیں، حق والے ان شہادتوں سے گھبرانے والے نہیں ہیں، ہم تو صدیوں سے کہتے آئے ہیں:

آ ستمگر! ہنر آزمائیں
تو تیر آزما ہم جگر آزمائیں

ٹھیک ہے ہم نے بہت زخم کھائے ہیں، ہمارے اکابر کو ہم سے چھین لینا ہمارے لئے ناقابلِ برداشت صدمہ ہے، لیکن ہم نے ہمت نہیں ہاری۔ ہم راہِ حق میں چل رہے ہیں اور چلتے رہیں گے۔ تم اپنے تیر آزماتے رہو، ہم اپنے جگر کا حوصلہ دیکھتے ہیں، فیصلہ وقت کرے گا کہ کون جیتا کون ہارا:

زخموں سے بدن گل زار سہی پر ان کے شکستہ تیر گنو
خود ترکش والے کہہ دیں گے یہ بازی کس نے ہاری ہے

باطل پرستو! یہ بازی خون کی بازی ہے، یہ تم جیت ہی نہیں سکتے۔ تم اپنا کام کئے جاؤ، لیکن یاد رکھو! شکست تمہارا مقدر ہے۔ حق آگیا اور باطل مٹ گیا، باطل مٹنے کے لئے ہی ہے۔

☆☆......☆☆

تا ابد اُونچا رہے گا اُن کی عظمت کا نشاں

مولانا حمزہ احسانی
مدیر مجلّہ ''صفدر'' گجرات

دین و ملت کے بلا شک تھے حقیقی پاسباں
تا ابد اونچا رہے گا اُن کی عظمت کا نشاں

مؤرخہ ۱۸/ربیع الاول ۱۴۳۴ھ بمطابق ۳۱/جنوری ۲۰۱۳ء بروز جمعرات...... جامعۃ العلوم الاسلامیہ، علامہ بنوری ٹاؤن، کراچی کے ''دارالافتاء کے ذمہ دار، واستاذ الحدیث''...... جامعہ درویشیہ کراچی کے ''شیخ الحدیث''...... معہد الخلیل الاسلامی کے ''صدر مفتی''...... جامع مسجد الحمراء کے ''امام و خطیب''...... جامعہ حسینیہ شہداد پور، جامعہ عربیہ احیاء العلوم ظاہر پیر، مدرسہ عربیہ دین پور اور جامعہ اشرفیہ سکھر کے سابق مدرس...... حافظ الحدیث حضرت درخواستیؒ کے خانوادہ کے عظیم فرد...... قدیم روحانی سرزمین دین پور شریف کے ''سپوت''...... حضرت درخواستیؒ، حضرت بنوریؒ، مولانا محمد ادریس میرٹھیؒ، مولانا فضل محمد سواتیؒ، مفتی ولی حسن ٹونکیؒ، مولانا عبدالرشید نعمانیؒ، مولانا منظور احمد نعمانیؒ (طاہر والی)، مولانا عبیداللہ درخواستیؒ اور مولانا منظور احمد نعمانی مدظلہم (ظاہر پیر) کے شاگردِ رشید...... ہزاروں علماء کے محبوب استاذ...... سینکڑوں مفتیان کرام کے مقتداء وراہ نما...... لاتعداد لوگوں کے مربی ومحسن...... فاضلِ دیوبند مولانا محمد عظیم رحمہ اللہ کے فرزندِ ارجمند...... محمد عمیر، مولانا محمد زبیر، مولانا محمد عزیر، اور محمد شعیب کے مشفق ومہربان والد...... شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی عبدالمجید دین پوری کو دِن دیہاڑے ''عروس البلد'' (جو کہ آج کل ''خونی شہر'' بنا ہوا ہے) کراچی کی معروف ومشہور ''شاہراہِ فیصل'' پر تین بدبخت وشقی القلب قاتلوں نے ٹارگٹ کلنگ کرتے ہوئے گولیاں مار کر شہید کردیا۔ إنا للّٰه وإنا إليه راجعون. إن للّٰه ماأخذ وله ماأعطی وکل شئ عنده بأجل مسمی ۔

حضرت مفتی شہید رحمہ اللہ جون ۱۹۵۱ء کو دین پور میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم مولانا عبیداللہ

درخواستی کے پاس حاصل کی۔ ۱۹۶۷ء میں درجہ سادسہ میں جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی میں داخلہ لیا اور ۷۴-۱۹۷۳ء میں تخصص کرکے سندفراغ حاصل کی۔ ۱۹۸۷ء تک شہداد پور، خان پور، ظاہر پیر، دین پور وغیرہ مختلف مقامات پر تدریس کرتے رہے۔ ۱۹۸۸ء میں جامعہ اشرفیہ سکھر چلے گئے اور ۹۶-۱۹۹۵ء میں بنوری ٹاؤن کے ''نائب رئیس دارالافتاء'' مقرر ہوئے۔ ۹۷-۱۹۹۶ء سے جامع مسجد الحمراء میں امامت وخطابت کے فرائض سرانجام دیتے رہے۔ آخری چار پانچ سال جامعہ درویشیہ کے ''شیخ الحدیث'' اور دس سال معہد الخلیل الاسلامی کے ''صدرمفتی'' کے منصب پر فائز رہے۔ بالآخر جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے اکابر کےنقش قدم پر چلتے ہوئے جام شہادت نوش فرمایا۔ع

فردوس میں جا بیٹھا فردوس کا باشندہ

جامعہ بنوری ٹاؤن سے بندہ کی محبت وتعلق:

جب سے بندہ نے ہوش سنبھالا، جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن...... حضرت بنوریؒ...... اور حضرت لدھیانویؒ کا نام کانوں میں پڑنے لگا۔ حضرت لدھیانوی شہید رحمہ اللہ کا نام تو اکثر ہی سننے کو ملتا تھا۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ۲۰۰۰ء میں جب حضرت لدھیانوی شہید رحمہ اللہ کی شہادت کا المناک سانحہ پیش آیا تو اس وقت مَیں اپنی عمر کا تقریباً بارہواں برس عبور کررہا تھا۔ مجھے خبر ملی تو نہایت ہی رنج اور افسوس ہوا، کیونکہ حضرت کی محبت بچپنے ہی میں میرے دل وجان میں سرایت کرچکی تھی۔ حضرت کی شہادت سے اگلے جمعہ کے موقع پر میرے والدگرامی نے بہت ہی پُر جوش، غصیلا اور جذباتی بیان کیا تھا۔ وہ منظر میری آنکھوں کے سامنے ابھی بھی گردش کررہا ہے کہ جب لاؤڈ اسپیکر بار بار بند ہورہا تھا تو والد صاحب نے اپنی قمیص سے کالر مائیک اتار کر ایک جانب اچھال دیا اور بغیر سپیکر دھاڑنے لگے، بالکل ایسے جیسے بپھرا ہوا شیر گرجتا ہے۔ میرے رونگٹے کھڑے ہوچکے تھے اور میں مبہوت ہوکر والد صاحب کو دیکھے جارہا تھا۔ حضرتؒ کی شہادت سے مجھے اتنا صدمہ ہوا، اتنا صدمہ ہوا کہ بیان سے باہر ہے، آج تک وہ صدمہ برقرار ہے کہ میں حضرت لدھیانوی شہید رحمہ اللہ کا زمانہ پانے کے باوجود اُن کی زیارت کی سعادت سے محروم رہا۔

دو تین سال گزرے تو باغ آزادکشمیر میں داداجان امام اہل سنت مولانا سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ کے ہمراہ ''خدمات دیوبند کانفرنس'' میں شرکت کی سعادت ملی، وہاں امام المجاہدین مفتی نظام الدین شامزئی شہید رحمہ اللہ کی زیارت وملاقات کا موقع ملا، وہ مئی کا مہینہ تھا، تعلیمی سال چل رہا تھا، اور میں ابھی متوسطہ میں تھا، دوران سال ہی یہ سفر پیش آیا۔ اسی سال حضرت شامزئی شہید رحمہ اللہ کی شہادت کا دلخراش واقعہ پیش آگیا۔

جب میں گکھڑ حضرت داداجان رحمہ اللہ کی خدمت میں تھا، وہاں حضرت مفتی محمد جمیل خان شہید رحمہ اللہ کی زیارت وملاقات کا موقع بارہا ملا۔ پھر باغ آزاد کشمیر ''خدمات دیوبند کانفرنس'' کے بعد ہم مفتی صاحب ہی کی تحریک اور اُن کے پروگرام پر داداجان رحمہ اللہ کے ہمراہ مری، ایبٹ آباد، پشاور، دیر، چترال، گلگت، سکردو، چلاس، بشام، بٹگرام، اچھڑیاں اور راولپنڈی تک کے سفر میں مفتی صاحب کے ساتھ رہے۔ اس طویل اور یادگار سفر میں بھی مفتی صاحب کو کافی قریب سے دیکھا۔ بدقسمتی سے حضرت شامزئی شہیدؒ کی شہادت کے فقط چار ماہ دس دن بعد حضرت مفتی جمیل خان صاحبؒ کی شہادت کا اندوہناک حادثہ پیش آ گیا۔ اس وقت بندہ نے حضرت مفتی صاحبؒ پر ایک مضمون بھی لکھا تھا، جو کہیں شائع نہ ہوسکا۔

اِن حضرات کی شہادت، بنوری ٹاؤن کی تاریخ سے واقفیت اور فضلاء وابنائے جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے دینی، علمی، جہادی، سیاسی، ملی اور روحانی کارناموں کو دیکھ کر میرے دل میں جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کی محبت بڑھتی چلی گئی۔ میرا جی کہتا تھا کہ صحیح معنوں میں ''مرکز علم'' اور ''مرکز اسلام'' تو یہی مدرسہ ہے، جس کے فضلاء ہر دینی محاذ پر خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔ تعلیم وتدریس، تبلیغ وجہاد، تصنیف وتالیف، افتاء وخطابت، سیاست وقیادت، دفاع ختم نبوت، دفاع صحابہ واہل بیت، دفاع فقہاء ومحدثین، مسلک دیوبند کی اشاعت وحفاظت، مشرب اہل سنت کی پاسبانی وترجمانی...... غرضیکہ ہر میدان میں جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے فضلاء ہی آگے نظر آتے ہیں:

جرأت سے، شجاعت سے، محبت سے فراست سے
باطل کو کیا تُو نے ہر ڈھنگ سے شرمندہ

شہادت کا رتبہ بھی زیادہ تر اسی کے فرزندوں کو نصیب ہوا۔ جو کہ میرے خیال کے مطابق اس کی عنداللہ مقبولیت کی قوی اور وزنی دلیل ہے:

پاکیزہ فطرت یہ پاک لشکر
سوزِ یقیں سے سینے منوّر
تصویرِ ہمت، جرأت کا پیکر
فتح و ظفر ہے اس کا مقدر
اللہ اکبر اللہ اکبر

گکھڑ ہی میں داداجان رحمہ اللہ کے ہاں حضرت جلال پوری شہیدؒ سے بھی بندہ کا تعلق جڑا، جو بڑھتا رہا، داداجان کی وفات کے بعد مزید مضبوط ہوگیا۔ قسمت کی بدقسمتی، ۲۰۱۰ء میں حضرت جلال پوریؒ کو بھی شہید کردیا گیا۔ اسی طرح مولانا مفتی عتیق الرحمٰن شہید رحمہ اللہ بھی جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری

ٹاؤن کے ہی فاضل تھے۔ ان سب سے قبل مولانا عبدالسمیعؒ اور ڈاکٹر حبیب اللہ مختار شہیدؒ اپنے پاکیزہ خون سے اس سلسلے کی داغ بیل ڈال چکے تھے۔ آج بھی مَیں ''کاروانِ بنوری'' کے افراد کے چمکتے دمکتے نورانی اور بے خوف چہروں کو دیکھتا ہوں تو رشک آنے لگتا ہے۔ کاش! کہ ہمیں اسی کاروان کی رفاقت نصیب ہو:

خدا رکھے مرے حرف وقلم کو کاروانِ حق سے وابستہ
تمہارا نقشِ پائے استقامت ہو مری منزل مرا رستہ

حضرت دین پوری شہیدؒ کا غائبانہ تعارف:

جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن سے تعلق تو ہے ہی، اسی نسبت سے جامعہ کا ترجمان ماہنامہ ''بینات'' بھی میرا پسندیدہ رسالہ ہے۔ بینات میں اکثر فتاویٰ جات دیکھتا تو لاشعوری طور پر ''الجواب صحیح ......عبدالمجید دین پوری'' بھی میرے ذہن میں نقش ہوگیا، حالانکہ میرے لئے فقط اتنا ہی کافی ہوتا ہے کہ یہ فتویٰ ''جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن'' سے جاری ہوا ہے، بس! اس سے زیادہ کی حاجت نہیں ہوتی۔ اگرچہ میں اس پر غور نہیں کرتا کہ کون فتویٰ دینے والا ہے اور کون تائید و تصدیق اور تصویب کرنے والا، لیکن چونکہ بینات میں شائع شدہ اکثر فتاویٰ جات شوق سے پڑھتا ہوں، اس لئے آخر میں لکھے ہوئے مفتیان کے نام بھی نظر سے گزرتے رہتے ہیں، انہی ناموں میں سے ایک نمایاں نام حضرت دین پوری شہید رحمہ اللہ کا تھا۔

ثالثہ والے سال بندہ اپنے والد گرامی کے مشورے پر ''دارالعلوم مدنیہ، بہاول پور'' میں داخل ہوا اور دورۂ حدیث شریف تک تعلیم وہیں حاصل کی۔ اس دوران دارالعلوم مدنیہ میں حضرت دین پوری شہید رحمہ اللہ کے بھتیجوں سے تعارف ہوا، لیکن حضرت کے حوالہ سے نہیں، بلکہ حضرت درخواستی رحمہ اللہ کے حوالہ سے۔ کافی عرصہ بعد ایک روز دوران گفتگو انہی کے ذریعہ معلوم ہوا کہ ''مفتی عبدالمجید دین پوری'' ان کے چاچو ہیں۔ مجھے خوشگوار حیرت کا جھٹکا لگا، اس کے بعد حضرت دین پوریؒ کی زیارت کا شوق دل میں پیدا ہوا۔

زیارت وملاقات:

چنانچہ دورۂ حدیث شریف سے فراغت کے فوراً بعد استاذ محترم شیخ التفسیر حضرت مولانا منظور احمد نعمانی دامت برکاتہم کی خدمت میں ''دورۂ تفسیر'' کے لئے کراچی حاضری دی، جاتے ہوئے ''خان پور'' سے ہوکر گیا۔ حضرت دین پوری کے برادرِ مکرم، حضرت مولانا عبدالکریم صاحب مدظلہم نے کچھ سامان دیا کہ یہ حضرت مفتی صاحب کا ہے، اُن کے صاحب زادے ''سہراب گوٹھ'' اڈے سے وصول کرلیں گے۔ بندہ نے سامان وصول کرلیا، اور اس کو بے ادبی سمجھا کہ وہ حضرات سامان لینے

خود اڈے پر آئیں، میں نے سوچا کہ اُن کے گھر پہنچانے کی سعادت خود حاصل کروں، چنانچہ وہ سامان ان کے گھر پہنچایا۔ اس وقت حضرت مفتی شہید رحمہ اللہ، وفاق المدارس العربیہ کے سالانہ امتحان کے پرچوں کی چیکنگ کے لئے ملتان گئے ہوئے تھے، اس لئے زیارت وملاقات نہ ہوسکی۔

میں مسلسل رابطہ کرتا رہا، معلوم ہوا کہ فلاں دن حضرت ملتان سے واپس تشریف لائیں گے اور اس کے دو دن بعد عمرے کے لئے تشریف لے جائیں گے۔ ظاہر بات ہے تھکاوٹ بھی ہوگی، مصروفیت بھی، دیگر امور بھی، پتہ نہیں وقت مل سکے گا یا نہیں، لیکن دل مچل رہا تھا کہ ابھی ملاقات کروں، اگر چہ یہ تو ذہن میں نہیں تھا کہ حضرت اتنی جلدی چلے جائیں گے، لیکن نجانے کیوں دل چاہتا تھا اسی مرتبہ میں ملاقات کرلوں۔ اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے حضرتؒ کے بھتیجے، مولانا عبدالکریم صاحب کے بیٹے اسامہ بھائی کو کہ وہ مسلسل رابطہ میں رہے، جیسے ہی حضرت کراچی پہنچے، مجھے بھی اطلاع کی اور حضرت کے صاحبزادے کو بھی میرے بارے میں بتایا۔ حضرت شہید رحمہ اللہ نے بھی حسب مزاج وعادت وقت عنایت فرمادیا اور آپؒ کے صاحبزادے کے ہمراہ آپ کے گھر حاضر ہوا۔ نہایت ہی شفقت ومحبت سے پیش آئے۔ نرم خوئی، محبت، الفت، شفقت اور سادگی وتواضع دیکھ کر میں حیران رہ گیا:

تمکنت ایسی وقار ایسا وجاہت ایسی
لاکھ درویش سہی لیکن کسی سلطان میں ہے؟

پھر اکابر سے محبت واُن کی نسبت کا احترام بھی آپؒ کی ادا ادا سے چھلک رہا تھا۔ اگر چہ آپؒ سے ملاقات تو فقط وہی ایک ہوسکی، لیکن اس کی یادوں کے انمنٹ نقوش تادم آخر لوح دل پر ثبت رہیں گے اور اُن کی یاد دلاتے رہیں گے:

میں اُن کے چہرے کی مسکراہٹ کو ایسے محسوس کررہا ہوں
کہ جیسے کوثر پہ شام ہوتے کوئی دِیا جھلملا رہا ہے

فتنوں کے تعاقب اور تردید کے لئے فکرمندی:

دوران ملاقات جب بندہ نے اپنے والدگرامی محقق اہل سنت حضرت مولانا عبدالحق خان بشیر مدظلہم کا ایک کتابچہ ''امام اہل سنتؒ کا مسلک اعتدال...... اور...... حافظ محمد عمار خان ناصر'' پیش کیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ آپؒ کے چہرے پر فکر کے گہرے اثرات نمودار ہونے لگے، پھر نہایت ہی فکرمندانہ لہجے میں فرمایا: ''جی! یہ (عمار خان ناصر) بھی بڑی آزمائش ہے۔'' مزید کیا ارشاد فرمایا؟ وہ اِس وقت صحیح یاد نہیں۔ خلاصہ یہی کہ آپ اس فتنے سے متعلق نہایت فکرمند تھے اور امت کو اس کا شکار ہونے سے بچانے کے لئے ہر قسم کی کوشش کے حامی تھے۔

’’شیخ الحدیث نمبر‘‘ کا مطالعہ:

بندہ کے محبوب استاذ، پیرطریقت، پاسبانِ مسلک دیوبند، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد حنیف صاحب رحمہ اللہ (شیخ الحدیث: دارالعلوم مدنیہ، بہاول پور) کی وفات کا دلسوز سانحہ پیش آیا تو مجلّہ ’’صفدر‘‘ کے مدیراعلیٰ مولانا جمیل الرحمٰن عباسی مدظلہم کی خواہش اور تحریک پر بندہ نے ’’شیخ الحدیث نمبر‘‘ مرتب کر کے شائع کیا، جو بحمد اللہ! قلیل وقت میں اپنی عقیدت کے اظہار کی بہترین صورت ثابت ہوا۔ بندہ نے ’’شیخ الحدیث نمبر‘‘ کا ایک نسخہ اسامہ بھائی کے والد اور حضرت دین پوری شہیدؒ کے برادرِ صغیر مولانا عبدالکریم صاحب مدظلہم کی خدمت میں بھجوایا۔ اسامہ بھائی نے حضرتؒ کی شہادت کے بعد مجھے بتایا کہ: آخری مرتبہ جب حضرت مفتی صاحب شہید رحمہ اللہ ہمارے گھر تشریف لائے تھے تو قلت وقت کے باوجود آپ کا ’’شیخ الحدیث نمبر‘‘ مکمل پڑھ کر گئے تھے۔ اس سے حضرت شہید رحمہ اللہ کی اکابر سے محبت اور اُن کے حالات سے آگاہی کے شوق وذوق کا اندازہ ہوتا ہے۔ میں نے اسامہ بھائی سے پوچھا کہ: حضرت شہید رحمہ اللہ نے اُس پر کوئی تبصرہ بھی فرمایا تھا؟ انہوں نے کہا یہ مجھے معلوم نہیں، کیوں کہ اُس کا مطالعہ عین اس وقت ختم کیا جب اُن کی کراچی روانگی کا وقت آپہنچا، اس لئے اُس پر ان کا تبصرہ یارائے کا معلوم نہیں ہوسکا۔

شہادت کی اطلاع:

مؤرخہ ۱۸، ربیع الاول ۱۴۳۴ھ بمطابق ۳۱ رجنوری ۲۰۱۳ء بروز جمعرات ظہر کی نماز کے بعد بندہ بیٹھا کام کررہا تھا، اچانک موبائل پر نگاہ پڑی تو کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت شہید رحمہ اللہ کے بھتیجے حنظلہ بھائی ’’خان پور‘‘ والوں کا فون آرہا ہے، فون اٹھایا، حال احوال دریافت کیا اور اُن سے کہنے لگا کہ آپ خوش قسمت ہیں کہ میں آج موبائل کی گھنٹی کھولنا بھول گیا تھا، ابھی اتفاق سے نظر پڑی ہے تو آپ کا فون آرہا تھا، انہوں نے اس پر خاموشی اختیار کی، پھر قدرے سکوت کے بعد کہا: چاچو جی مفتی عبدالمجید صاحب شہید ہوگئے ہیں! یہ سنتے ہی میرے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی، اور آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا، انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا اور پوچھا: کب؟ کیسے؟ حنظلہ بھائی نے بتایا: فائرنگ ہوئی ہے، ابھی ساڑھے بارہ بجے وہیں کراچی میں شہید ہوئے ہیں۔ میں ہکا بکا رہ گیا، اول تو کچھ سجھائی نہ دیا، پھر اپنے ساتھ بیٹھے ساتھیوں کو اطلاع دی اور حضرت شہید رحمہ اللہ کے بھتیجوں کو اطلاع دینے کے لئے اُن کی طرف دوڑا۔ اسامہ بھائی تو کلاس میں جاچکے تھے اور اُن کے استاد بھی اسی وقت کلاس میں داخل ہوچکے تھے۔ البتہ نعمان احمد بھائی کا سبق ابھی شروع نہیں ہوا تھا، اُن کو اُن کی کلاس میں جا کر اِس کربناک حادثہ کی خبر دی تو حیرت سے وہ بھی ساکت رہ گئے۔ کچھ دیر بعد معلوم ہوا کہ عصر کے بعد حضرت شہیدؒ کا پہلا جنازہ بنوری

ٹاؤن میں ہوگا اور دوسرا جنازہ کل بروز جمعہ کو صبح دس بجے نارمل سکول خان پور میں ہوگا، بعدازاں دین پورشریف کے قدیمی قبرستان میں تدفین ہوگی۔

خان پور روانگی:

پروگرام کے مطابق دوسرے دن صبح چار بجے مدرسہ سے روانہ ہوا، برادرمحترم مولانا دلشاد صاحب مدظلہ (فاضل: جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن، کراچی) کو راستے سے ساتھ لیا، اور نماز فجر سے چند منٹ قبل ''خان پور'' پہنچ گئے۔ حضرت مفتی شہید رحمہ اللہ کے بھتیجے بھائی نعمان احمد صاحب اور بھائی عمر فاروق صاحب ہمیں لینے اڈے پرموجود تھے۔ ان کے ہمراہ مولانا عبدالکریم صاحب مدظلہم کے گھر ''رازی چوک'' پہنچے، جوحضرت شہید رحمہ اللہ کا آبائی گھر ہے اور وہیں اُن کولانا تھا۔ پہنچتے ہی وضو کیا، اور نماز فجر کے لئے مسجد میں جاپہنچے۔ اسامہ بھائی نے نماز میں ''یَا أَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا اسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلاَۃِ إِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصَّابِرِیْنَ وَلاَ تَقُوْلُوْا لِمَنْ یُّقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ أَمْوَاتٌ بَلْ أَحْیَاءٌ وَّلٰکِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ '' آیات تلاوت کیں تو دل کی عجیب سی کیفیت ہوگئی۔ حضرت شہیدؒ کی جدائی کے غم کی وجہ سے آنسو بھی آرہے تھے اور ''اسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ '' پرعمل کی نیت سے ضبط کی کوشش بھی جاری تھی، پھرحضرات شہداء کے بلند مقام اورعلوشان ومرتبہ کی وجہ سے اطمینان بھی تھا اور '' بَلْ أَحْیَاءٌ''کے حکم قرآنی کی جہ سے دل کوتسکین بھی:

پڑھو اُن کے حق میں جو آیات اُتریں
خدا کی طرف سے ہدایات اُتریں

نماز کے بعد حضرت شہید رحمہ اللہ کے بھائیوں، برادرزادوں اور دیگراعزہ سے ملاقات ہوئی، پھر کچھ دیر انتظامات وغیرہ میں صرف ہوگئی۔ جس ایمبولینس میں حضرتؒ کے جسدخاکی کوکراچی سے لایا جارہا تھا، اُس سے مسلسل رابطہ تھا۔ ''رازی چوک'' میں سب منتظر کھڑے تھے، احباب کی آمد جاری تھی۔ حضرت شہید رحمہ اللہ کے تلامذہ بہاول پور، لاہور اوراسلام آباد تک سے اپنے محبوب استاذ کی زیارت ونمازِ جنازہ کے لئے آئے ہوئے تھے۔ تقریباً آٹھ بجکربیس منٹ (۸:۲۰) پرایک جانب سے وہ بس آتی دکھائی دی جس میں حضرت شہید رحمہ اللہ کے اہل خانہ اور دیگراعزہ کراچی سے آئے تھے، اور ساتھ ہی دوسری جانب سے ایمبولینس کا شور بلند ہوا، جسے استقبالی جلوس کی شکل میں پتیاں نچھاور کرتے ہوئے لایا جارہا تھا۔ آگے پیچھے موٹرسائیکلوں اور گاڑیوں کی قطاریں تھیں، ایمبولینس کے ساتھ ساتھ کچھ لوگ دیوانہ وار پیدل دوڑ رہے تھے اور پتیاں نچھاور کررہے تھے:

اے سید والا شاہ! جینا تھا ترا جینا
جینا تو اُنہی کا ہے جو مر کے رہیں زندہ

جسد خاکی کو ایمبولینس سے نکالا گیا تو حضرت شہید رحمہ اللہ کے تلامذہ کا دھاڑیں مار مار کے اور بلک بلک کر رونا دنیا کو بتا رہا تھا کہ جسمانی رشتے اتنے مضبوط نہیں ہوا کرتے اور اُن میں وہ طاقت نہیں ہوتی جو علمی، دینی اور روحانی رشتوں میں ہوتی ہے۔ یہ رشتے بے لوث، بے غرض اور مخلصانہ ہوتے ہیں۔ اور حضرت کے اعزہ واقرباء کی آپ کے ساتھ دیوانہ وار محبت ووارفتگی بھی اس بات کی غمازی کررہی تھی کہ حضرت شہید رحمہ اللہ کے ساتھ اُن کا تعلق فقط نسبی نہیں، بلکہ علمی و دینی تھا، ورنہ آج کے اس خود غرضی ومفاد پرستی کے دور میں کون اپنے رشتہ داروں کو پوچھتا ہے؟ جنازہ سے قبل خطاب کے دوران جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے مولانا مفتی رفیق احمد بالاکوٹی صاحب فرمانے لگے: آپ حضرات جو حضرت سے نسبی اور خاندانی تعلق رکھتے ہیں، اور حضرت کی جدائی پر مغموم ہیں، اگر کل وہاں کراچی میں حضرت کے تلامذہ اور دینی وروحانی تعلق والوں کے غم والم کا مظاہرہ کر لیتے تو آپ کے لئے تسلی کا سامان ہوجاتا، اُن کا درد آپ کے درد سے کہیں زیادہ اور اُن کا غم آپ کے غم سے کہیں بڑھ کر ہے۔

کراچی سے حضرت شہیدؒ کے ساتھ آنے والوں میں حضرت کے برادران، صاحبزادگان، اعزہ، واقرباء کے علاوہ جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے مولانا مفتی شعیب عالم صاحب، مولانا مفتی رفیق احمد صاحب اور دیگر حضرات تھے۔ حضرت کے جسد خاکی کو گھر کے اندر لے جایا گیا اور مرد حضرات کو مسجد میں بیٹھنے کے لئے کہا گیا۔ علماء وصلحاء اور مشائخ کی آمد جاری تھی، مولانا مفتی محفوظ احمد صاحب (صدر مفتی: جامعۃ الصابر، بہاول پور) حضرت کے بھائیوں اور صاحبزادوں کو تسلی دے رہے تھے۔ کچھ ہی دیر میں سب حضرات مسجد میں بیٹھ گئے۔

تقریباً ساڑھے نو (۹:۳۰) بجے جسد خاکی کو گھر سے باہر لایا گیا، چارپائی کے ساتھ بانس باندھ کر کاندھوں پر رکھا گیا تو ہر کوئی دیوانہ وار لپک کر چارپائی کو کندھا دینے کی کوشش میں نظر آیا، جس کو اس کا موقع نہ مل سکا، اُس نے بانس کو ہاتھ لگانے کو ہی غنیمت خیال کیا۔ کچھ احباب فرط محبت میں چارپائی کے نیچے گھس گئے، لیکن اُن کو وہاں نہیں ٹھہرنے دیا گیا۔ جنازہ نارمل اسکول کے گراؤنڈ کی طرف رواں دواں تھا، لوگ پھولوں کی پتیاں نچھاور کرتے ہوئے جارہے تھے۔ گراؤنڈ میں پہنچے تو علماء، طلباء، صلحاء، مشائخ اور اکابر کا جم غفیر نظر آیا۔ حضرت مولانا عبدالمجید لدھیانوی، حضرت مولانا منظور احمد نعمانی (ظاہر پیر)، حضرت مولانا میاں مسعود احمد (دین پور شریف)، حضرت مولانا عزیز الرحمٰن جالندھری (ملتان)، حضرت مولانا مفتی عطاء الرحمٰن (بہاول پور)، حضرت مولانا رشید احمد لدھیانوی (رحیم یار خان)، وفاق المدارس کی قیادت کے نمائندہ کے طور پر حضرت مولانا زبیر احمد صدیقی (شجاع آباد)، حضرت صاحبزادہ ہالیجوی، حضرت مولانا مفتی ظفر اقبال (کہروڑ پکا) اور حضرت مولانا سیف الرحمٰن

درخواستی (راجن پور)، حضرت مولانا عطاء المنعم (رحیم یارخان) سمیت کراچی، سکھر، صادق آباد، رحیم یارخان، ظاہر پیر، بہاول پور، ملتان، لاہور اور اسلام آباد سے آئے ہوئے سینکڑوں علماء کرام اور ہزاروں طلبہ وعوام الناس موجود تھے۔

چارپائی رکھتے ہی لوگ زیارت کے لئے لپکے، اسٹیج سے اعلان کیا گیا کہ تمام حضرات اپنی جگہ پر کھڑے رہیں، صفوں کی ترتیب برقرار رکھیں، زیارت، نمازِ جنازہ کے بعد کرائی جائے گی۔ نظم وضبط اور ترتیب نہ ہونے کی وجہ سے کثیر مجمع کو زیارت کرانا تقریباً ناممکن تھا، لہٰذا چند ہی لمحوں بعد عوام الناس کو چارپائی کے گرد سے ہٹ کر صفوں میں واپس جانے کی تلقین کی گئی۔ اکثر لوگ صفوں میں پہنچ گئے۔

جنازہ سے قبل مولانا مفتی رفیق احمد بالاکوٹی، مولانا رشید احمد لدھیانوی، مولانا زبیر احمد صدیقی سمیت دیگر علماء کرام کے بیانات ہوئے۔ مولانا زبیر احمد صدیقی نے فرمایا: الحمد للہ ہماری قیادت، ہمارے اکابر کی حالات پہ گہری نظر ہے، وہ کبھی بھی مدارس، علماء وطلباء کے تحفظ سے غافل نہیں ہوئے، لیکن ہم نے جرأت وحکمت کے ساتھ دشمن کی کوشش کو ناکام بنانا ہے۔ اپنی قیادت پر اعتماد کریں، اور اُن کے حکم کے مطابق عمل کریں۔ انہوں نے مزید فرمایا کہ: حکومت ہوش کے ناخن لے، ہمیں کسی انتہائی اقدام پر مجبور نہ کرے۔ اگر بلوچستان کے چند لوگوں کے احتجاج اور شدید مطالبہ پر منتخب جمہوری حکومت ختم ہوسکتی ہے تو ملک عزیز پاکستان کے بیس ہزار (۲۰،۰۰۰) مدارس کے تیس لاکھ (۳۰،۰۰۰) طلباء احتجاج کر کے حکومت سے اپنے مطالبات منوا سکتے ہیں یا حکومت کا تختہ الٹ سکتے ہیں، اس لئے حکومت علماء وطلباء اور بے گناہ لوگوں کی ٹارگٹ کلنگ سے باز رہے، قاتلوں کو فی الفور گرفتار کر کے قرار واقعی سزا دے، ورنہ حالات کی تمام تر ذمہ داری حکوت پر عائد ہوگی۔ مولانا مفتی رفیق احمد بالاکوٹی نے فرمایا: کہ ہم صبر وتحمل کے ساتھ رہیں، مشتعل نہ ہوں اور دشمن یہ نہ سمجھے کہ ہم خوف زدہ ہوکر دین کا کام چھوڑ دیں گے:

سمجھ کر سوچ کر راہِ وفا میں پاؤ ں رکھا ہے
یہ مت سمجھو کہ ہم واقف نہ تھے انجام سے پہلے

مزید یہ بھی فرمایا کہ: آپ حضرات نے اپنا جو فرزند ہمارے سپرد کیا تھا، ہمارے اساتذہ نے اسے پڑھایا، سکھایا، اس کی تربیت کی اور ہیرا بنا کر اُسے چمکا دیا، پھر اُس نے اپنے علم سے ایک عالَم کو منور کیا۔ علماء، طلباء، عوام الناس حتیٰ کہ مفتیان کرام کی ایک بڑی تعداد کو فیض یاب کیا، گویا ایک کامیاب ترین زندگی گزاری اور پھر قابلِ رشک موت سے ہمکنار ہوا۔ آج ہم ''دین پور شریف'' کی یہ امانت واپس آپ کے سپرد کرنے آئے ہیں۔ بیانات کے بعد حضرت میاں مسعود احمد صاحب مدظلہم نے حضرت شہید رحمہ اللہ کا دوسرا جنازہ پڑھایا، اور جنازہ کے بعد زیارت کرائی گئی، کچھ دیر بعد جنازہ کندھوں پر اٹھالیا گیا، ابھی اس

گراؤنڈ سے باہر بھی نہ نکلا تھا کہ پھر زیارت کے لئے نیچے رکھ دیا گیا اور لوگوں کو قطار بنا کر زیارت کرائی گئی۔

رُخِ زیبا سے ہوتا ہے ہویدا نُورِ ایمانی
مجاہد مرد کی صورت پیاری دیکھتے جاؤ
مَلَک صورت، فلک رتبہ، سراپا اسوۂ حسنہ
گزاری جس نے حق پر عمر ساری دیکھتے جاؤ

بالآخر چارپائی کے بانس کھول کر اسے گاڑی میں ''دین پور شریف'' لے جایا گیا۔ عقیدت مند وہاں بھی ہمراہ پہنچے۔ دین پور شریف کے قدیمی قبرستان کے ایک جانب وہ احاطہ ہے جس میں حضرت خلیفہ غلام محمد صاحبؒ، حضرت مولانا عبدالہادیؒ، حضرت سندھیؒ اور حضرت درخواستیؒ جیسے اساطین علم ومعرفت آرام فرما ہیں۔ اس احاطے سے باہر عام قبرستان ہے۔ حضرت شہید رحمہ اللہ کے اقارب نے بتایا کہ حضرت کو اس احاطہ کے اندر دفن کرنے کی اجازت تو مل گئی تھی، لیکن جگہ کی کمی کے باعث اس احاطے کی دیوار سے چندگز کے فاصلے پر جہاں حضرت شہید رحمہ اللہ کے دیگر اقارب آرام فرما ہیں، وہاں قبر بنائی گئی۔

جب جسد خاکی کو قبر میں رکھنے کے چارپائی سے اٹھایا گیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ چارپائی کی سفید پھول دار چادر تازے خون سے رنگین ہے۔ اور لوگ روئی کے ساتھ وہ خون لگا لگا کر اپنے پاس محفوظ کر رہے ہیں، حالانکہ حضرت کی شہادت کو ۲۳/۲۴ گھنٹے گزر چکے تھے، لیکن زخموں سے تازہ خون ابھی تک رَس رہا تھا:

مشک نہیں اور خوشبو مہکے
عرش پہ پہنچا فرش پہ بہہ کے
آگ نہیں اور شعلہ دہکے
دیکھ کے اس کو عالَم حیراں
خونِ شہیداں خونِ شہیداں

آپؒ کو اپنے اُسی لباس میں، جس میں شہادت کی خلعت ملی، سمیت حوالہ خاک کر دیا گیا:

اِک نیا گھر بسا لیا تُو نے
ہم سے دامن چھڑا لیا تُو نے

حضرتؒ کے صاحبزادے اندر اُترے اور قبلہ رُخ کروٹ دلانے لگے، جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے مفتی شعیب عالم صاحب ہدایات دے رہے تھے اور حضرت کے صاحبزادے کمال صبر وتحمل کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے استاذ محترم کی ہدایات پر عمل کر رہے تھے، کیونکہ حضرت شہید رحمہ اللہ کی تمام زندگی ''اتباعِ سنت'' سے عبارت تھی، اس لئے ان حضرات کی پوری کوشش تھی کہ کوئی عمل بھی

سنت سے ہٹ کر نہ ہو۔ تمام امورسنت کے مطابق انجام پائیں اور الحمد للہ اس میں کامیاب ہوئے:

خدائے پاک کے امر و نواہی کی اشاعت میں
رہی ہے عمر بھر تک جہد جاری دیکھتے جاؤ

میں بار بار مفتی شعیب اور دیگر رفقائے کاروان بنوری کے روشن، منور اور چمکتے چہروں کو دیکھ رہا تھا، نظر تھی کہ اُن سے ہٹتی نہیں تھی۔ اور مجھ جیسے بے علم وعمل، گناہ گار، سیاہ کار، سراپا خطا کار اور بزدل ترین شخص کی حالت بھی یہ تھی کہ حضرت شہید رحمہ اللہ کی شہادت سے کسی قسم کا خوف وڈر دامن گیر ہونے کی بجائے الٹا ''شوقِ شہادت'' جوش مار رہا تھا اور دین کی خاطر سینے پر گولیاں کھانے کے لئے دِل بری طرح مچل رہا تھا، اور بار بار دُعا نکل رہی تھی کہ: ''یااللہ! جب بھی موت آئے، اپنے دین کی خاطر مخلصانہ شہادت کی موت نصیب فرما!''۔ تو متقین وصالحین کا عالم کیا ہوگا؟ اور بالخصوص بنوری ٹاؤن کے روحانی ونورانی ماحول میں رہنے والے تو شہادت کے جنون کی حد تک متمنی ہوتے ہیں۔ اسی سے دشمن کو سمجھ لینا چاہئے کہ:

اتنا ہی یہ اُبھرے گا جتنا کہ دبا دو گے

اور......

یہ بازی خون کی بازی ہے یہ بازی تم ہی ہارو گے
ہر گھر سے غازی نکلے گا تم کتنے غازی مارو گے؟

دشمن ذرا اُن افراد کو تو گن لے جو قاتلانہ حملوں، فائرنگ، ٹارگٹ کلنگ اور شہادتوں سے خائف ہوکر جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن چھوڑ کر جا چکے ہیں؟...... ذرا اُن طلباء کو تو شمار کرے جو خوف ودہشت کی وجہ سے جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن میں داخلہ نہیں لیتے، یا داخل تھے اور چھوڑ کر چلے گئے ہیں؟ ارے پاگلو! تم احمقوں کی جنت میں رہتے ہو! کبھی کوئی اپنی محبوب چیز سے بھی بھاگتا ہے؟ یہ تمہاری بھول ہے کہ تمہارے اِن ہتھکنڈوں سے خائف ہوکر اہلِ دین ومحبانِ وطن ''کراچی'' جیسے عالمی شہر کو تم جیسے جاہلوں، درندوں اور دین ووطن کے دشمنوں کے رحم وکرم پر چھوڑ کر وہاں سے چلے آئیں گے، جہاں تم بے دینی، بے راہ رَوی اور درندگی وسفا کی کی حکومت قائم کرلو۔ نہیں! ہرگز نہیں! ٹھیک ہے، ہم پر وہاں مصائب وآلام اور آزمائشوں کی بوچھاڑ ہے، لیکن ع

جس دَور میں جینا مشکل ہو اُس دَور میں جینا لازم ہے

اور......

راہِ وفا میں ہر سُو کانٹے دھوپ زیادہ سائے کم
لیکن اس پر چلنے والے خوش ہی رہے پچھتائے کم

میدانِ فتویٰ کا نایاب شہسوار

مفتی راشد ابوبکر

رفیق دارالافتاء واستاذ جامعہ فاروقیہ، شجاع آباد

’’**أشد الناس بلاء الأنبیاء ثم الأمثل فالأمثل** ‘‘ یہ ایک حدیث ہے جس کو امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں ذکر فرمایا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ لوگوں میں سب سے زیادہ مشکلات ومصائب کا سامنا حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوات والتسلیمات کی ذات طیبات کو اپنے فرض منصبی کی تکمیل میں کرنا پڑتا ہے، اور پھر انبیا علیہم السلام کے بعد جو جس قدر مقصد نبوت کے قریب ہوگا، اسی قدر اس کو بھی تکالیف کا سامنا کرنا پڑے گا۔

اس حدیث شریف کے آئینہ میں اگر محدث العصر حضرت علامہ سید محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ کی قائم کردہ عالم اسلام کی عظیم دینی درسگاہ، دیوبند ثانی، مادرِ علمی جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کی شہادتوں اور قربانیوں کی تاریخ کو دیکھا جائے تو جامعہ کی عنداللہ مقبولیت کا کامل یقین ہو جاتا ہے۔ چنانچہ کون نہیں جانتا کہ چند سالوں میں حضرت مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار شہیدؒ، حضرت مولانا مفتی عبدالسمیع شہیدؒ، حضرت مولانا محمد بنوری شہیدؒ، حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ، حضرت مولانا ڈاکٹر مفتی نظام الدین شامزئی شہیدؒ، حضرت مولانا مفتی محمد جمیل خان شہیدؒ، حضرت مولانا سعید احمد جلال پوری شہیدؒ، حضرت مولانا محمد امین اورکزئی شہیدؒ، حضرت مولانا مفتی سید سعید احمد اخوندزادہ مردانی شہیدؒ، حضرت مولانا خلیل اللہ شہیدؒ، حضرت مولانا انعام اللہ شہیدؒ، حضرت مولانا ارشاد اللہ عباسی شہیدؒ، اور اب حضرت مولانا مفتی محمد عبدالمجید دین پوری شہیدؒ، اور حضرت مولانا مفتی صالح محمد کاروڑوی شہیدؒ **نور اللّٰہ مراقدھم وطیَّبَ اللّٰہ آثارھم وجعل الجنۃ مثواھم** جیسے اساطین امت کو موت کی نیند جامعہ کے ساتھ تعلق کی بناء پر ہی سلایا گیا، لہٰذا اگرچہ شہداء کے فراق کے غم میں دل اداس ہیں، مگر یہی شہادت جس کو دشمن اپنی کامیابی تصور کرتا ہے، جامعہ کی حقیقی کامیابی کی دلیل بھی ہے اور ان شاء اللہ! جامعہ کی تا قیامت بقاء کا ذریعہ بھی ثابت ہوگی۔

شہیدوں کے لہو سے جو زمین سیراب ہوتی ہے
بہت زرخیز ہوتی ہے بہت شاداب ہوتی ہے

۳۱/جنوری ۲۰۱۳ءکوایک بار پھر جامعہ کوخون میں نہلا دیا گیا، دشمن نے ایسی گھناؤنی وارداتوں میں جو روایت قائم کی تھی کہ اپنا ہدف قیمتی سے قیمتی ہستی کو بنایا جائے، پہلے کی طرح اس بار بھی دشمن نے اپنی اس روایت کو برقرار رکھا کہ گلستانِ بنوری کے دارالافتاء جیسے اہم پودے کے ''تنے'' دارالافتاء کے نائب رئیس، استاذ الحدیث حضرت مولانا مفتی عبدالمجید دین پوریؒ اور معاون مفتی، حضرت مولانا مفتی صالح محمد کاروڑیؒ اوران حضرات کی ''پک اینڈ ڈراپ'' کی خدمت پر مامور حسان علی شاہ صاحب کودن دَہاڑے شہید کر کے اپنے سیاہ کارناموں میں اضافہ کیا۔دشمن جو ایسے گھناؤنے کارناموں کو اپنی کامیابی سمجھتا ہے،حق تعالیٰ شانہ کتاب مقدس میں قتل علماء کوقتل انبیاء کے ساتھ ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''وَيَقْتُلُوْنَ الَّذِيْنَ يَأْمُرُوْنَ بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيْمٍ'' .(آل عمران:۲۱)

ترجمہ:''اورانصاف کی تلقین کرنے والوں کوبھی قتل کرتے ہیں آپ (ﷺ) ایسے لوگوں کودردناک عذاب کی خوشخبری سنادیجئے۔

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے علماء کے قاتلوں کے لئے عذاب الیم کو ذکرفرمایا ہے اور مفسرین لکھتے ہیں کہ جہنم میں جتنی انواع واقسام کے عذاب ہوں گے، ان میں سب سے سخت عذاب' عذابِ الیم ہوگا، کیونکہ عذابِ الیم ایسا عذاب ہے کہ جس سے خود جہنم بھی پناہ مانگتی ہے،أعاذنا الله منه۔

حضرت دین پوری شہیدؒ کاروان بنوری کے ایک مخلص فرد تھے۔احقاقِ حق اوراوراحکامِ دین پرعمل میں حضرت استاذ'' لايخافون لومة لائم '' کے بلندمرتبہ پرفائز تھے۔جامعہ بنوری ٹاؤن جیسے عالمی ادارے کے دارالافتاء جیسے اہم شعبے کے مسندنشیں ہونے کے باوجود عاجزی وانکساری اورتواضع کا پیکر تھے۔ ہمیشہ گردن جھکا کر چلتے، جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے، میں نے حضرتؒ کے جسم پر کبھی کلف والا لباس نہیں دیکھا،طلباء کے ساتھ بہت شفقت کا معاملہ فرماتے۔حضرت بنوری علیہ الرحمۃ کے ساتھ والہانہ تعلق رکھتے تھے۔ جب بھی کسی سفر سے واپس تشریف لاتے تو بڑے اہتمام کے ساتھ حضرت بنوریؒ کی قبر پر حاضری دیتے۔ بازار سے سودا سلف خود جا کر خریدتے اوراکثر اٹھا کر بھی خود ہی لاتے، اگرکوئی طالب علم سامان پہچانے کی خدمت کی درخواست کرتا تو بہت کم اس کوموقع دیتے تھے۔

گزشتہ چار پانچ سال سے گھٹنوں میں بہت زیادہ تکلیف رہنے لگی تھی،مگراس کے باوجود بنوری ٹاؤن میں ہوتے ہوئے صف اول کی نماز فوت نہیں ہوتی تھی۔گزشتہ سال وفاق کے پرچوں کی مارکنگ ملتان جامعہ خیر المدارس میں ہوئی تھی اور یہ بہت زیادہ گرمی کے دن تھے، مجھے وہ منظر بڑی اچھی طرح یاد ہے کہ ان دنوں میں ظہر کی اذان ایک بجے ہوجاتی تھی اورنماز ڈیڑھ بجے ہوتی تھی،مگرحضرتؒ دوپہر کی

کڑکتی دھوپ میں اذان کے فوری بعد اپنے آرام دہ اے سی کمرے سے نکل کر مسجد روانہ ہو جاتے اور جماعت کے ساتھ نماز ادا فرما کر دیر تک ذکر واذکار میں مشغول رہتے اور جب واپس آتے تو تمام کپڑے پسینے کے ساتھ شرابور ہو چکے ہوتے، مگر اذان کے بعد کمرے میں بیٹھنا گوارہ نہ فرماتے۔

احقر نے اپنے دو سالہ تخصص میں حضرت الاستاذؒ کو بہت قریب سے دیکھا، بلاشبہ حضرت اپنی ذات میں ایک انجمن تھے۔ چونکہ جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے دارالافتاء سے جاری ہونے والے تمام فتاویٰ پر آخری دستخط حضرتؒ کے ہوتے تھے اس لئے بلا مبالغہ یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ زبانی و تحریری فتاویٰ کا جتنا کام بنوری ٹاؤن جیسے ملک کے مصروف ترین دارالافتاء میں ۸/۷ جیّد و تجربہ کار مفتیان کرام کرتے تھے، حضرت الاستاذؒ اتنا کام بڑھاپے کے ضعف واعذار اور کتبِ حدیث کی تدریس اور امامت وخطابت جیسی ہمہ گیر مصروفیات کے باوجود اکیلے تنِ تنہا کرتے تھے۔

حضرتؒ فتویٰ کے میدان کے ایسے شہسوار تھے کہ اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے: برجستہ جواب ،قرآن وحدیث پر گہری نظر، فقہی جزئیات کا استحضار اوران سے برموقع استدلال، تحریری فتاویٰ میں بڑی سے بڑی غلطی اور چھوٹی سے چھوٹی چوک پر یکساں گرفت اوراس کی مربیانہ اصلاح حضرت شہیدؒ کا طرۂ امتیاز تھا، اس بات کی گواہی یقیناً وہ سینکڑوں متخصصین کرام دیں گے جنہوں نے ایک دَہائی سے زائد عرصہ میں حضرتؒ سے اس میدان میں استفادہ کیا ہے۔ بلا مبالغہ صرف جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے دارالافتاء میں حضرتؒ روزانہ درجنوں، ماہانہ سینکڑوں اور سالانہ ہزاروں فتاویٰ کی تصحیح فرماتے۔ جامعہ کے استاذ اور دارالافتاء میں حضرتؒ کے رفیق کار مولانا مفتی شعیب عالم صاحب مدظلہم نے حضرتؒ کے صرف بنوری ٹاؤن کے فتاویٰ کا تخمینہ ڈیڑھ لاکھ لگایا ہے، جب کہ زبانی فتاویٰ اس سے کئی گنا زیادہ ہوں گے اور دیگر اداروں کے فتاویٰ اس تخمینے میں شمار نہیں کئے گئے، یہ حساب ۱۹۹۸ء کے بعد کے فتاویٰ کا ہے اور حضرتؒ ۱۹۷۴ء سے فتویٰ کے شعبے کے ساتھ باقاعدہ منسلک رہے ہیں، تو یوں حضرتؒ نے اپنی زندگی میں تقریباً ۳۸ (اڑتیس) سال افتاء نویسی کی خدمت سرانجام دی ہے، جس سے کل فتاویٰ کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

حضرتؒ کے فتاویٰ میں اکابر کا احتیاط اوران کے مسلک ومشرب کی کامل تقلید نمایاں تھی۔ جدید مسائل میں اپنی تحقیقات کی بجائے اکابر کی رائے کو خود بھی اپناتے اور دوسروں کو بھی اسی کی تلقین فرماتے، خاص کر مسئلۂ تکفیر میں بہت احتیاط فرماتے۔ تخصص کے دوسرے سال میں ایک مرتبہ احقر کے پاس ایک استفتاء آیا کہ سندھ کے ایک مصنف ڈاکٹر انور علی عالمانی نے لندن کے ایک اسکالر علامہ آء، آء قاضی کی انگلش تقاریر کا اردو میں ترجمہ کیا تھا، اس ترجمہ میں ڈاکٹر عالمانی سے یہ غلطی ہوئی کہ ''سورۂ مدثر'' کی آیت ''یاأیھا المدثر'' میں علامہ نے انگلش میں ترجمہ کیا تھا o.you entolded in your

mentle جو کہ بالکل درست تھا، مگر ڈاکٹر عالمانی نے لفظ mantle (مانٹل) کا ترجمہ mentle (مینٹل) کے اعتبار سے کر دیا، جس سے ترجمہ غلط ہوا، اور ترجمے میں توہین رسالت کا شبہ ہونے لگا تو مقامی مسلمانوں نے ڈاکٹر موصوف پر توہین رسالت کا مقدمہ درج کروادیا اور مقدمے کی پیروی کی مضبوطی کے لئے جامعہ سے فتویٰ طلب کیا۔ میں جب اس استفتاء کو لے کر حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا تو حضرت نے دیکھتے ہی تمام صورتِ حال کو سمجھ لیا اور ''دی آکسفورڈ ڈکشنری'' میں دیکھا تو واقعہ کی اصل حقیقت بالکل اسی طرح سامنے آئی جیسے استاذ محترمؒ نے بیان فرمائی تھی۔ اور ڈاکٹر عالمانی کی یہ غلطی چونکہ توہین رسالت کے زمرے میں نہیں آتی تھی، اس لئے فتوے میں اس غلطی کو توہین رسالت سے خارج قرار دلوایا، مگر اس مسئلے کی حساسیت کی بناء حضرت شہیدؒ نے دارالافتاء کے تمام مفتیان کرام کی ایک میٹنگ بلوائی اور تمام مفتیان کرام کی مشاورت سے اس کا جواب لکھا گیا۔

لیکن اس احتیاط میں حضرت نہ تو افراط کا شکار تھے اور نہ ہی تفریط کی طرف مائل تھے، چنانچہ ایک مرتبہ توہین رسالت ہی کا ایک مسئلہ تھا، جس میں ایک خبیث نے اپنے باطنی خبث کا مظاہرہ کیا تھا، اس کا جواب جب ایک متخصص لکھ کر لے گئے تو اس سے فرمایا کہ جواب بالکل درست ہے، مگر اس کی خباثت کے اعتبار سے الفاظ بہت نرم استعمال کئے گئے ہیں، چنانچہ اس فتوے کو دوبارہ لکھنے کا حکم دیا۔

یومیہ درجنوں ڈاک اور دستی فتاویٰ کی تصحیح مکمل سوال وجواب کو پڑھے بغیر نہ فرماتے تھے، حالانکہ حضرت کے پاس آنے سے پہلے فتوے کی تصحیح جید مفتیان کرام فرما چکے ہوتے تھے۔ حضرتؒ پر دارالافتاء کے کام کی ایک دھن سوار ہوتی تھی کہ رات کو عشاء کے بعد دارالافتاء تشریف لاتے اور جب تک اگلے دن کی واپسی کے تمام فتاویٰ کی تصحیح نہ فرمالیتے، واپس نہ جاتے۔

اگر حضرت شہیدؒ کے پورے دن کی مصروفیات اور کام کو دیکھا جائے تو بلا شبہ اتنا کام آج کا نوجوان اپنے مضبوط اعضاء اور تازے خون کے ساتھ بھی نہیں کر سکتا۔ حضرت اکثر نماز فجر پہلی صف میں ادا فرماتے اور نماز کے بعد دیر تک ذکر واذکار میں مشغول رہتے، معمولات سے فارغ ہوکر روزانہ حضرت بنوریؒ کی قبر پہ حاضری دیتے اور پھر دارالافتاء آکر دورۂ حدیث شریف کے سبق کا مطالعہ فرماتے، اور یہیں سے دارالحدیث تشریف لے جاتے اور دورۂ حدیث کا پہلا سبق پڑھاتے جو کہ مدرسے کے عام وقت سے پون گھنٹہ پہلے شروع ہوتا تھا۔ سبق سے فراغت کے بعد دفتر میں بیٹھ کر کچھ دیر اخبار پڑھتے اور پھر گھر تشریف لے جاتے اور ناشتے کے بعد دارالافتاء میں جلوہ افروز ہوتے اور بارہ بجے تک تحریری فتاویٰ کی تصحیح فرماتے۔ زبانی مسائل پوچھنے والوں کو بھی نمٹاتے اور پی. ٹی. سی ایل اور موبائل فون پر بھی سوالات کے جواب دیتے۔ بارہ بجے کے بعد بخاری پڑھانے کے لئے جامعہ درویشیہ تشریف لے جاتے، (یہیں جاتے ہوئے حضرتؒ نے جام شہادت نوش فرمایا) پھر ڈیڑھ بجے ظہر کی نماز کی ادائیگی کے

بعد کچھ دیر آرام فرماتے، دوبارہ عصر تک کے لئے دارالافتاء تشریف فرما ہوتے۔ مغرب کے بعد حضرت مولانا محمد یحییٰ مدنیؒ (جو کہ اب حضرتؒ کی شہادت کے بعد خود بھی وفات پا گئے ہیں، رحمہ اللہ) کے مدرسہ جامعہ معہد الخلیل الاسلامی بہادرآباد کے دارالافتاء میں حل شدہ فتاویٰ کی آخری تصحیح فرماتے۔ عشاء کے بعد پھر بنوری ٹاؤن کے دارالافتاء میں تشریف لاتے اور ساڑھے دس یا گیارہ بجے تک فتاویٰ کی اصلاح فرماتے۔ تقریباً رات گیارہ بجے گھر جاتے اور پھر اگلے دن جب صبح فجر کی نماز میں ''وَالَّذِیْنَ هُمْ عَلٰی صَلَوٰتِهِمْ یُحَافِظُوْنَ'' پر عمل پیرا ہوکر پہلی صف میں نظر آتے تو ایک طرف خدائی وعدہ ''قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ'' کا یقین کامل ہوتا اور دوسری طرف اکابر کے تقویٰ وطہارت کے واقعات کی ایک عملی تصویر سامنے آجاتی۔ ہم نے اپنے اساتذہ سے جامعہ کے استاذ الحدیث اور حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیری علیہ الرحمہ کے شاگرد حضرت مولانا محمد ادریس میرٹھی علیہ الرحمہ کا جو نماز کا اہتمام سنا تھا، اس کا عملی مشاہدہ حضرت کی نماز کے اہتمام میں کیا۔

حضرتؒ کی زندگی کے نمایاں پہلوؤں میں سے ایک اپنے مشائخ واساتذہ کے ساتھ والہانہ تعلق اور عقیدت تھی۔ عشاء کے بعد ہم حضرتؒ کے پاس ان کی خدمت کے لئے حاضر ہوتے تو اکثر اپنے اساتذہ کے واقعات بڑی محبت سے سناتے اور فرطِ عقیدت سے اکثر آنکھیں بھیگ جاتیں۔ ایک دن اپنا ایک واقعہ سنایا کہ ''ہم خان پور میں پڑھتے تھے، شرح جامی کا سبق تھا، سبق خود حل کر کے لانا ہوتا تھا، ایک دفعہ جمعرات کا دن تھا اور ہمارے اوپر گھر جانے کا نشہ سوار تھا، اس لئے سبق حل نہ کیا، صبح استاذ صاحب نے سبق سنا تو سبق یاد نہ تھا، استاذ جی نے غصے سے پوچھا کہ بھائی کیوں یاد نہیں کیا؟ تو میں نے کہہ دیا کہ نہیں جو یاد ہوتو اب کیا کریں؟ (حضرتؒ نے اتنی بات سنا کر کر فرمایا کہ آج تک مجھے سمجھ نہیں آئی کہ میرے منہ سے یہ بات کیسے نکل گئی؟) بس یہ کہنا تھا کہ ساتھ میں ایک درخت تھا جس کی جڑوں میں چیونٹیوں کی بلیں تھیں، اس میں پانی ڈلوا کر وہاں استاذ جی نے کان پکڑوائے اور خوب جوتے بھی لگائے اور کتاب دے کر حکم دیا کہ ابھی سبق یاد کر کے سناؤ، بقول حضرت شہیدؒ کہ: بس پھر تو جو سبق ساری رات میں یاد نہیں ہوا تھا، صرف دس، بارہ منٹ میں یاد ہوگیا۔ یہ واقعہ سنا کر استاذ صاحبؒ رونے لگے اور فرمایا کہ اگر استاذ جی اس وقت جوتے نہ لگواتے تو نجانے آج میں کہاں ہوتا؟۔

دورۂ حدیث کے سال آخری سبق کے بعد بڑی رقت آمیز دعاء کروائی اور آخر میں فرمایا کہ آپ یہ دعاء کریں کہ اللہ تعالیٰ مرتے دم تک حدیث کے ساتھ یہ تعلق برقرار رکھے اور شہادت کی موت عطاء فرمائے۔ اللہ نے حضرتؒ کی اس دعاء کو حرف بحرف قبول فرمایا کہ بخاری کے درس کے لئے جاتے ہوئے ہی حضرتؒ نے جام شہادت نوش فرمایا۔ شہادت کے بعد حضرت کے چہرہ کا اطمینان زبان حال سے ''فزت ورب الکعبة'' کا نعرہ لگا رہا تھا۔

خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

مفتی عبدالمنعم فائز
متخصص جامعہ بنوری ٹاؤن

۳۰رمئی ۲۰۰۴ء بھی ایک ایسا ہی دن تھا۔ مفتی نظام الدین شامزئیؒ بنوری ٹاؤن آ رہے تھے۔ مجھ سمیت تخصص فی الفقہ کی درس گاہ میں بیٹھے تمام طلبہ نے فائرنگ کی آواز سنی۔ باہر نکلے تو مفتی نظام الدین شامزئیؒ کی گاڑی تیزی سے آگے بڑھتی دکھائی دی۔ ہر ہاتھ دعاء کے لئے اٹھ گیا اور ہر آنکھ اشکبار ہوگئی مگر تقدیر نے تدبیر کو شکست دے دی۔ مفتی صاحب جدا ہوئے۔ تخصص فی الفقہ کے طلبہ اب دارالافتاء میں مفتی عبدالمجید دین پوری صاحب کے حوالے ہوئے۔ فتویٰ لکھنے کی مشق مفتی صاحب دیکھتے اور اصلاح دیتے۔ فطرت نے ذکاوت وذہانت کا وافر حصہ عطاء کیا تھا۔ سوال نامہ پر نظر پڑتے ہی مسئلہ سمجھ جاتے۔ جواب پڑھتے اور فوری اصلاح دیتے جاتے۔ ہر وقت قابل رسائی، جب چاہیں جائیں اور مسئلہ پوچھ کر آجائیں۔ دائیں بائیں ہٹو بچو کی صدا، نہ ہی بات کرنے پر پابندی اور جکڑ بندیاں۔ دارالافتاء میں تشریف لاتے ہی ان کے ارد گرد جم گھٹا لگ جاتا۔ اس دور میں روزانہ موصول ہونے والے دستی سوالات کی تعداد ۷۰رضرور ہوتی تھی۔ یہ تمام فتاویٰ آپؒ کی نظر سے گزر کر آپؒ ہی کے دستخط ہوکر ہی جاتے تھے۔ اتنے فتاویٰ کو روزانہ دیکھنا، اصلاح دینا بہت مشکل کام ہوتا ہے۔ مگر مفتی صاحب مغرب کے بعد تشریف لاتے اور فتاویٰ دیکھتے۔ صرف یہی نہیں اس کے ساتھ ساتھ فون پر فتاویٰ پوچھنے والوں کی بھی بہت بڑی تعداد ہوتی۔ مفتی صاحب موجود ہوتے تو فون پر پوچھے جانے والے فتاویٰ کے جواب بھی خود ہی ارشاد فرماتے۔

فقہی جزئیات کے استحضار میں بھی کمال حاصل تھا۔ ہدایہ کا سبق جن طلباء نے آپؒ سے پڑھا ہے، وہ خوب جانتے ہیں کہ ایک ہی مسئلہ کی نظائر اور شواہد کس طرح بیان کرتے تھے؟ میراث کی تقسیم سے متعلق مسائل بھی چٹکی بجاتے میں حل فرمادیتے۔ دو سال تک ہم نے ان سے فتاویٰ کی اصلاح لی، مگر کبھی نہیں دیکھا کہ کسی مسئلے میں تردّد کا شکار ہوئے ہوں یا پہلے فتویٰ سے رجوع فرمارہے ہوں۔ جب کوئی اہم مسئلہ آتا تو تمام مفتیان کرام سے مشاورت ضرور کرتے، دارالافتاء میں موجود اپنے شاگردوں کی رائے ضرور لیتے۔

ایک بار مناسخہ کا مسئلہ لے کر حاضر ہوا، آپ نے کیلکولیٹر پر دو تین رقمیں جمع تفریق کیں۔ پھر

فرمایا غلط لکھا ہوا ہے، پھر کیلکو لیٹر سامنے رکھ کر طویل ترین مسئلہ سیکنڈوں میں حل فرمادیا۔ تخصص سے فراغت ہوئی تو فرمایا کہ میرا مسجد سے منسلکہ گھر خالی ہوتا ہے، آپ اس میں رہائش اختیار کرلیں، اس کے ساتھ ساتھ معیشت پڑھ لیں، ہمیں معاشی ماہر مفتیان کرام کی ضرورت ہے۔ مگر بندہ جامعۃ الرشید میں انگلش وصحافت کورس پڑھنے کا ارادہ کرچکا تھا۔ یہ بیل منڈھے نہ چڑھ سکی۔ جب کبھی جامعۃ الرشید تشریف لاتے تو بہت خوش ہوتے۔ پچھلے سال میں نے فون پر عرض کیا ''استاذ جی! آج کل آپ جامعۃ الرشید تشریف نہیں لا رہے؟'' فرمانے لگے ''آپ ہی نہیں بلا رہے''۔ اس کے کچھ روز بعد حلال فوڈ سے متعلق مفتیان کرام کا اجتماع ہوا، مفتی صاحب تشریف لائے اور فرمایا ''دیکھو ہم آ بھی گئے''۔

صرف جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن ہی نہیں، آپ معہد الخلیل میں آنے والے فتاویٰ بھی دیکھتے، جمشید روڈ پر موجود الحمراء مسجد کے امام اور خطیب تھے، اس مسجد میں بڑی باقاعدگی سے تشریف لے جاتے۔ اس کے ساتھ جامعہ درویشیہ میں شیخ الحدیث تھے۔ ان تمام مقامات پر آنا جانا آپ کے روزانہ کے معمولات کا حصہ بن چکا تھا۔ اتنی مصروفیت کے باوجود کبھی ایسا نہیں ہوا کہ آپ فون کریں اور وہ نہ اٹھائیں جب فون کریں آپ بات کرسکتے ہیں۔ مجھ جیسے نجانے کتنے شاگرد ہوں گے جو فون پر فتاویٰ دریافت کرتے تھے۔ جوں ہی کسی شخص نے مشکل مسئلہ پوچھا، فوری طور پر مفتی صاحب کا نمبر ملا کر پوچھ لیا، آپ فوری طور پر نہ صرف مسئلہ ارشاد فرماتے بلکہ دلیل بھی دے دیتے۔

دو ہفتے قبل شریعہ اینڈ بزنس میگزین کا آغاز ہوا، پہلا شمارہ آپ کی خدمت میں ارسال کیا، فون پر فرمانے لگے ''بہت خوبصورت ہے، پڑھ کر بتاؤں گا'' دوبارہ رابطہ ہوا تو فرمایا کہ ''میں نے آدھا میگزین پڑھ لیا ہے، میرا ارادہ ہے کہ ایک صفحہ کی تحریر لکھ کر بھیجوں'' دوسرا شمارہ چھپ کر آیا تو وہ بھی آپ کی خدمت میں ارسال کردیا، فرمانے لگے: کچھ نہ کچھ ان شاء اللہ ضرور تحریر کروں گا۔ مگر تقدیر نے اس کی مہلت ہی نہ دی۔

جمعرات ۳۱ر جنوری کو جامعہ درویشیہ روانہ ہوئے تھے، دو دہشت گرد سفید رنگ کی ہائی روف پر یکے بعد دیگرے فائرنگ کرتے ہیں۔ خون خاک نشیناں تھا، رزق خاک ہوا۔ دارالافتاء جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے ذمہ دار مفتی عبدالمجید دین پوری شہید ہوگئے۔ ان کے ساتھ مفتی صالح محمد کاروڑی صاحب بھی شہادت کا رُتبہ پاگئے۔ ابھی تو نجانے وہ کتنے فتاویٰ پر تحقیق وتخریج کا کام کررہے تھے۔ ہر لمحہ حاضر جواب اور ہر لحظہ لکھنے لکھانے میں مصروف۔ کیا لوگ تھے جو پنہاں ہوگئے۔ تصحیح کے لئے جائیے تو فوری فوری لے کر واپس آئیے۔ حوالہ جات کا استحضار اور فقہی بحث واستدلال کا زبردست ملکہ، بلاشبہ جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن جیسے ادارے میں ایسے ہی مفتیان کرام کی ضرورت تھی، مگر وہ دستِ قاتل سے نہ بچ سکے۔

خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

حضرت مفتی شہیدؒ کا تدریسی انداز

مولوی محمد عمران ممتاز
متعلم تخصص فقہ

پھولوں سے بھرا چمن انسان کی قوتِ باصرہ کو محظوظ کرتا ہے، جمالیاتی ذوق رکھنے والا شخص اُسے دادِ عیش دیئے بغیر نہیں رہ سکتا، مگر خوبصورتی اور دل لبھانے کے اس مقام تک پہنچنے کے لئے اس پر ایک لمبا زمانہ بیتتا ہے۔ یہ تمام خوبصورتی اس مالی کی دن رات کی نگہداشت کی مرہونِ منت ہوتی ہے جو اس کی نگرانی پر مامور ہوتا ہے، اسی طرح کسی بھی پھل کا پکنا، اس میں مٹھاس کا پیدا ہونا کئی مراحل کے بعد وقوع پذیر ہوتا ہے، جس کے بعد مخلوقِ خدا اس سے فائدہ حاصل کرتی ہے۔ یہی حالت اور کیفیت افراد کے مقتدائے اُمت بننے اور ان کی صلاحیت کے اجاگر ہونے کی ہے۔ اس قحط الرجال کے دور میں کسی مضبوط، پختہ اور ماہر عالم دین کا میسر آجانا نعمتِ خداوندی ہے، جس پر جتنا شکر ادا کیا جائے کم ہے۔ افسوس اس پر نہیں کہ اپنے انفرادی اور اجتماعی مسائل کی گرہ کشائی میں مدد طلب کرکے ایسے جبال العلم کی قدر نہیں کی جاتی، بلکہ جب ان بزرگ ہستیوں کو جو اپنی ذات میں انجمن اور ادارے ہوتے ہیں، سنگِ راہ سمجھ کر راستہ سے ہٹایا جاتا ہے تو غم اور افسوس اپنی حد پار کر جاتا ہے۔

مادرِ علمی جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کو متذکرہ بالا قسم کے کئی اندوہ ناک واقعات کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ حال ہی میں مفتی محمد عبدالمجید دین پوری شہیدؒ اور مفتی صالح محمد کاروڑی شہیدؒ کی شہادت کا واقعہ بھی دشمنانِ اسلام کی جانب سے جامعہ اور اسلام کی بنیادوں پر ایک کاری ضرب کے مترادف تھا۔

مفتی محمد عبدالمجید دین پوری شہیدؒ سے بندہ نے جامع الترمذی (حصہ دوم) پڑھی ہے۔ جامعہ میں دورہ حدیث کے اسباق، عام درجات کے اسباق سے ۴۵ منٹ پہلے شروع ہوتے ہیں، حضرت مفتی شہیدؒ اسی دورانیے میں سبق پڑھاتے تھے۔ عام طور پر سبق کے دورانیے کے شروع اور ختم ہونے کا اندازہ گھنٹی کی آواز سے لگایا جاتا ہے، دورۂ حدیث کے پہلے سبق کی ابتداء میں گھنٹی نہیں بجتی تھی، مگر طلبہ ترمذی ثانی کا سبق شروع ہونے کا اندازہ حضرت کی اشراق کی نماز سے لگایا کرتے تھے، حضرتؒ کا معمول تھا کہ درس گاہ آنے سے پہلے ایک مخصوص جگہ اشراق کی نماز اہتمام سے پڑھتے تھے، جسے دیکھ کر طلبہ مستعد ہوکر

اپنی جگہوں پر تیار رہتے۔ حضرتؒ درس گاہ میں تشریف لاتے اور بڑے دھیمے وعمدہ انداز میں درس حدیث دیتے، یوں محسوس ہوتا کہ عشق نبوی ﷺ کے سمندر میں موجزن ہوں، جس کا مشاہدہ ہر طالب علم بخوبی کرسکتا تھا۔ حضرت شہیدؒ کا تدریسی انداز انتہائی سہل اور درس انتہائی پُرمغز ہوتا تھا۔ ذیل میں حضرت کے چند درسی افادات، افادۂ عام کی خاطر تحریر کئے جاتے ہیں:

حلِ لغات وقواعدِ لغویہ

لفظِ ''دجال'' کی تحقیق کرتے ہوئے فرمایا: یہ لفظ ''دَجَــلٌ'' سے مبالغہ کا صیغہ ہے، بمعنی خلط ملط کرنا، ''دجال'' لوگوں پر حق کو خلط ملط کرے گا، کیونکہ ایک طرف تو یہ یک چشم ہے، دوسری طرف تمام قدرتیں اُسے عطا ہوں گی، لوگوں کو اشتباہ ہوگا کہ خدا ہوتا تو عیب دار نہ ہوتا، اگر نہ ہوتا تو یہ قدرتیں عطا نہ ہوتیں۔

حدیث ''من شذ شذ في النار'' میں مشہور ہے کہ دوسرا ''شذ'' شین کے ضمہ کے ساتھ ہے، مگر حضرت شہیدؒ نے فرمایا کہ دونوں فعل معلوم پڑھے جائیں گے، کیونکہ ''شذ'' فعل لازمی ہے۔

فرمایا: حدیث ''لا تسبوا الريح'' میں ریح سے مراد ماحول بھی ہوسکتا ہے، جیسا کہ اردو میں کہا جاتا ہے کہ آج کل کیسی ہوا چل پڑی ہے؟۔

لفظ ''كاد'' کے متعلق ارشاد فرمایا: لفظ ''كاد'' محل اثبات میں نفی کے معنی میں ہوتا ہے اور نفی کے محل میں آئے تو اثبات کا معنی دیتا ہے ''إن الساعة آتية أكاد أخفيها'' فرمایا، پھر قیامت کی گھڑی چھپادی، علامات بتادیں۔ بنی اسرائیل کے گائے ذبح کرنے کے قصہ میں فرمایا: ''وما كادوا يفعلون'' حضرت مفتی شہیدؒ نے فرمایا: انہوں نے گائے ذبح کرلی تھی۔

برکت کا معنی بیان کرتے ہوئے فرمایا: برکت کا ایک معنی ہے کہ وہ چیز زیادہ ہو۔ دوسرا یہ کہ تھوڑی سی چیز کئی لوگوں کے لئے کافی ہوجائے۔ تیسرا یہ کہ وہ چیز جزوِ بدن بنے اور کام میں آئے۔

ابواب الرؤیا کی ابتداء میں لفظِ ''رؤیا'' کی تحقیق کرتے ہوئے فرمایا: یہاں تین لفظ ہیں:

۱......رُؤیا: نیند کی حالت میں بعض اشیاء کو متشکل شکل میں دیکھنا۔

۲......رُؤیۃٌ: حاسۂ بصر سے دیکھنا۔

۳......رَأیٌ: دل کی نگاہ سے دیکھنا، اسی سے امام ابوحنیفہؒ کے اصحاب کو ''اصحاب الرأی'' کہا جاتا ہے کہ یہ لوگ دل کی گہرائیوں سے دیکھتے ہیں۔ یہ ایک دوسرے کی جگہ بھی استعمال ہوتے ہیں، مثلاً آیت: ''وما جعلنا الرؤيا التي أريناك إلا فتنة للناس'' میں باجماع محققین ''رؤیا'' سے مراد رؤیتِ عینی ہے۔

سند اور رجال پر کلام

امام ترمذیؒ نے اپنی جامع ترمذی میں فقہاء کے اقوال بھی سند کے ساتھ ذکر کئے ہیں، مگر ان فقہاء میں امام صاحبؒ کا نام نہیں لیتے، احنافؒ کا قول ذکر کرتے ہوئے کبھی کبھار یوں کہہ دیتے ہیں:

’’**وقال بعض أهل العلم من أهل الكوفة**‘‘ (۱۸۰/۲، ط:سعید) اس کی وجہ حضرتؒ نے یوں بیان فرمائی: امام ترمذیؒ کے پاس امام صاحبؒ کی روایات چونکہ کسی سند سے نہیں تو انہوں نے ’’**بعض أهل العلم من أهل الكوفة**‘‘ سے تعبیر کیا ہے۔

توجیہ معانی الآثار

حدیث شریف میں ہے: ’’**لیس المؤمن بالطعان** ‘‘ جس کا بظاہر مفہوم یہ ہے کہ مؤمن زیادہ طعنہ باز نہیں ہوتا، اس سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ وہ تھوڑا بہت طعن کر لیتا ہے، حالانکہ یہ معنی مراد لینے میں کامل مؤمن کی صفات کا ظہور نہیں ہوتا۔ حضرتؒ نے اس کا معنی یوں بیان فرمایا: یہ نفئ مبالغہ نہیں، بلکہ مبالغۂ نفی ہے، یعنی مکمل طور پر نفی ہے کہ وہ بالکل طعن ہی نہیں کرتا۔

’’دجال‘‘ کے متعلق بعض روایات میں ہے کہ اس کی دائیں آنکھ کانی ہوگی، بعض روایات میں ہے کہ بائیں آنکھ، اس تعارض کا حل حضرتؒ نے یوں بیان فرمایا: چونکہ اس کا سارا معاملہ دجل وتلبیس پر مشتمل ہوگا، تو آنکھ میں یہی دجل کارفرما ہوگا، کبھی دائیں آنکھ اور کبھی بائیں آنکھ ایسی ہوگی۔

استنباطِ مسائل

حضرت شہیدؒ کو اللہ تعالیٰ نے فقہی مہارت سے خاص طور پر نوازا تھا، جسے بیان کرنے کے لئے ایک مستقل دفتر درکار ہے، یہاں مقصود حضرتؒ کے اس کمالِ ملکہ کا ذکر ہے جس سے وہ درس حدیث کے دوران، احادیث سے وقتاً فوقتاً مسائلِ فقہیہ کا استنباط کرتے رہتے۔ امام ترمذیؒ نے ابواب الدعوات (صفحہ نمبر: ۱۷۵ ط: ایچ ایم سعید) کے تحت عنوان قائم کیا ہے ’’**باب ماجاء فی القوم یجلسون فیذکرون اللہ مالهم من الفضل**‘‘ حضرتؒ اس سے اجتماعی ذکر کے ثبوت پر استدلال کرتے تھے۔

امام ترمذیؒ نے صفحہ: ۲۵ پر ’’داغ لگا کر علاج کرنے‘‘ کے متعلق دو طرح کے باب قائم کئے ہیں، پہلے سے اس کے عدم جواز اور دوسرے سے جواز کا علم ہوتا ہے، اس کے متعلق حضرت الاستاذ نے فرمایا کہ: آخری طریقۂ علاج کے طور پر اختیار کرنا درست ہے اور فرمایا: یہی حکم آپریشن کا ہے۔

قیافہ شناسی کی حجیت کے متعلق امام ترمذیؒ نے صفحہ: ۳۴ پر باب قائم کیا ہے، احنافؒ کے ہاں نسب کے ثبوت میں اس کا اعتبار نہیں۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ DNA ٹیسٹ کا بھی یہی حکم ہے۔

حدیث: ’’**لاتقوم الساعة حتی لایقال فی الأرض اللہ اللہ** ‘‘ سے حضرتؒ لفظ ’’اللہ‘‘ کی ضربیں لگانے کے جواز پر استدلال فرماتے۔

فقہی مسائل ولطائف

فقہ میں امام ابوحنیفہؒ کے طرز استدلال اور منہج اجتہاد کے بارے میں ایک موقع پر ارشاد فرمایا: امام ابوحنیفہؒ عام طور پر اصول کی احادیث کو لیتے ہیں اور اُنہیں منطبق فرماتے ہیں، ان کے خلاف کوئی حدیث

آئے تو اس کی تاویل کرتے ہیں۔ دیگر حضرات ان روایات کو لیتے ہیں جو جزئی ہوں اور کلی روایات میں تاویل کرتے ہیں۔ نیز فرمایا: امام ابوحنیفہؒ عرب کے عرف کا اعتبار نہیں کرتے، آثار کا اعتبار کرتے ہیں۔

کتب احادیث میں بعض مرتکبین کبائر کے متعلق ہے کہ وہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے، ایسی احادیث کی تاویل میں عموماً کہا جاتا ہے کہ یہ شخص اس گناہِ حرام کو حلال سمجھتا تھا، اس کے متعلق حضرتؒ فرماتے کہ مطلق تحلیل سے کوئی کافر نہیں ہوتا، بلکہ اس چیز کی تحلیل سے کفر لازم ہوتا ہے، جس کی حرمت قطعی الدلالۃ اور قطعی الثبوت ہو۔

لوگوں کے ہاں جو اصطلاح ہے کہ جب عرفہ کا دن جمعہ کو آئے تو یہ حج اکبر ہے، اس کا ثبوت احادیث کی روشنی میں نہیں ملتا، البتہ ایسے حج کا ثواب اور حجوں کی بنسبت زیادہ ہے، کیونکہ جمعہ کے دن حج کا ثواب ستر حجوں کے برابر ہے۔

خواب پر مسئلہ شرعیہ کی بنیاد نہیں رکھی جاسکتی، حلال' حرام نہیں ہوسکتا اور حرام' حلال نہیں ہوسکتا۔

جدید مباحثِ علمیہ

حضرت شہیدؒ موجودہ زمانے کو ملحوظ رکھتے ہوئے جن مباحث کا جاننا ضروری ہے، درس کے دوران بسا اوقات ایسی ضروری معلومات بھی پہنچاتے۔ شقِ قمر کے معجزہ پر وارد ہونے والے اعتراض کو ایسے انداز میں دور کیا کہ عقلِ سلیم تسلیم کئے بغیر نہ رہتی، چنانچہ فرمایا کہ: کہا جاتا ہے کہ اگر انشقاقِ قمر ہوتا تو دنیا کے دیگر کناروں میں بھی دیگر لوگوں کو نظر آتا، اس کا جواب یہ ہے کہ دیگر علاقوں میں بھی شقِ قمر ہوا ہو، لیکن لوگوں نے اس کی طرف غور نہ کیا ہو، کیونکہ ایسا تھوڑی ہوتا ہے کہ اور لوگ چاند کی طرف گھورتے ہی رہتے ہیں، دنیا میں تو یہ ہوتا ہے کہ سورج گرہن اور چاند گرہن کا پہلے سے علم ہوجاتا ہے، لیکن لوگ اپنے کاموں میں لگے رہتے ہیں، کسی کا دھیان نہیں رہتا۔

سورج کا سجدہ کی اجازت طلب کرنے والی روایت پر سوال ہوتا ہے کہ دنیا میں سورج ہر وقت موجود رہتا ہے، لہٰذا قدیم اور جدید سائنس کے اعتبار سے سجدہ والی بات نہیں پائی جاتی؟ اس کا جواب حضرتؒ نے یہ دیا کہ: سجدہ سے مراد یہاں ''وضع الجبهة على الأرض'' نہیں، بلکہ ''نقیاد'' مراد ہے، جیسے پہاڑ وغیرہ کے لئے فرمایا: ''أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللّٰهَ يَسْجُدُ لَهُ مَنْ فِيْ السَّمَاوَاتِ وَمَنْ فِيْ الْأَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُوْمُ وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَابُّ وَكَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ''۔ (الحج:۱۸)

فرقِ ضالہ پر رد

مہدی علیہ الرضوان کے متعلق روایات میں ہے: ''يواطئ اسمه اسمي'' حضرتؒ فرماتے: بعض روایات میں ہے ''يواطئ اسم أبيه اسم أبي'' تو معنی یہ ہوا کہ حضرت مہدی علیہ الرضوان کا نام محمد بن عبد اللہ ہوگا، لہٰذا روافض کا یہ قول غلط ہے کہ مہدی موعود' محمد بن حسن عسکری ہیں، جو دنیا سے تنگ

آ کر غار میں چھپ گئے ہیں ۔

خواب کے متعلق حدیث میں آتا ہے کہ یہ جزءِ نبوت ہے، اس کے متعلق پیدا ہونے والے اشکال کو دور کرتے ہوئے فرمایا: اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ جب جزءِ نبوت باقی ہے تو نبوت باقی ہوئی۔ اسی کو لے کر قادیانی تلبیس کرتے ہیں، حالانکہ جزء کے وجود سے کل کا وجود لازمی نہیں، کل موجود ہو تو جزء ہوتا ہے، لیکن جزء کے ہوتے ہوئے کل کا ہونا ضروری نہیں ہوتا، جیسے کسی کا ہاتھ ملے تو اس پر نماز جنازہ یہ کہہ کر نہیں پڑھی جاتی کہ لاش مل گئی۔

علمِ طب و معالجہ

حضرت شہیدؒ کو علم طب سے بھی مناسبت کافی تھی، جس کی واضح دلیل حضرت شہیدؒ کا کچھ عرصہ تک مطب کی نگرانی ہے۔ ابواب الطب کے ابتدائی مباحث بھی حضرتؒ کی اس خاموش اور مخفی ملکہ پر دلالت کرتے تھے، ایک موقع پر فرمایا:

بیماریاں اور غذائیں دو طرح کی ہیں، بعض غذائیں مفردات ہیں، جیسے: صرف گاجر کھالی یا صرف روٹی یا پھل۔ بعض غذائیں مرکب ہیں جیسے: سالن، بریانی وغیرہ۔ دوائیں بھی دو طرح کی ہیں: مفردات جیسے: سونف، دھنیا، اجوائن اور کبھی مرکبات کہ کئی چیزوں کو ملا کر دوا بنائی جائے، جیسے: معجون۔ مفردات غذاؤں کی وجہ سے جو بیماری آتی ہے، اس کا علاج مفرد دواؤں سے ہوتا ہے اور جو بیماری مرکب غذاؤں سے آتی ہے، اس کے لئے مرکب دوائیں ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے مفرد دوائیں تجویز فرمائی ہیں، جیسے: کلونجی وغیرہ۔ آج کل مرکب غذاؤں کا دور ہے، تو اگر اس میں مفرد دوائیں اثر نہ کریں تو حدیث پر اعتراض نہ کیا جائے، نیز فرمایا: آپ ﷺ نے یہ دوائیں مشورہ کے طور پر بتائی ہیں، اس میں اعتقاد کا دخل ہے، اگر اعتقاد ہے کہ یہ فائدہ مند ہے تو فائدہ ہوگا، ورنہ کبھی ہوگا، کبھی نہیں ہوگا۔

نکاتِ لطیفہ

حدیث میں موجود دعاء ''ووسع لی فی داری'' کا مفہوم بیان کرتے ہوئے فرمایا، اس کا معنی یہ ہے کہ گھر میں رہوں، باہر چوراہوں میں نہ بیٹھوں کہ گناہوں میں پڑ جاؤں، بدنظری اور بدسماعت میں پڑ جاؤں، یہ وسعت باطنیہ ہے کہ گھر میں دل لگا رہے۔ اور اس میں وسعت ظاہریہ کی دعا بھی ہے کہ گھر میں ایک کمرہ ہے تو دو دیجئے۔

فرمایا: قرآن میں جو آیت ہے: ''**لاجناح علیکم أن تأکلوا جمیعاً أو أشتاتاً** '' اس میں ''**أشتاتاً**'' کا یہ معنی نہیں کہ الگ الگ پلیٹ لے کر کھانا کھایا جائے، بلکہ مراد یہ ہے کہ سب اکٹھا ہو کر کھائیں یا چھوٹی چھوٹی جماعتوں کی صورت میں کھائیں، دونوں صورتوں میں کوئی حرج کی بات نہیں۔

مختلف احادیث میں یہ وارد ہوا ہے کہ صحابہ کرامؓ نے نبی کریم ﷺ سے سب سے افضل عمل کے

متعلق پوچھا، آپ ﷺ نے اس سوال کا مختلف مواقع پر مختلف جواب دیا، اس جواب میں ایمان کو ذکر نہ کرنے کی وجہ حضرتؒ نے یہ بیان کی کہ سب سے افضل ایمان ہے، اس کا تذکرہ اس لئے نہیں کیا کہ سوال اعمال کے متعلق تھا اور ایمان کا تعلق عقائد سے ہے، جس کا ہونا ناگزیر ہے۔

تقدیر کی مباحث میں زیادہ غور وفکر کرنے سے منع کرتے ہوئے فرمایا: تقدیر میں زیادہ غور وخوض سے انسان یا تو قدریہ بنتا ہے یا جبریہ۔ جبریہ کہتے ہیں کہ انسان مجبور محض ہے اور قدریہ کہتے ہیں: ''**الأمر مبتدأ**''۔ صحیح بات یہ ہے کہ اصل خالقِ افعال اللہ تعالیٰ ہیں اور کاسب انسان ہے، جیسا کہ ایک آدمی نقشہ بنائے، دوسرا اس میں رنگ بھرے، اب دوسرا اپنے اختیار سے ہی رنگ بھرے گا، لیکن وہ اس نقشہ تک محدود ہوگا، اس سے آگے پیچھے نہ ہوگا، ورنہ نقشہ باقی نہ رہے گا۔

امام ترمذیؒ نے صفحہ: ۳۹ پر باب قائم کیا ہے: ''**باب ماجاء فی نزول العذاب اذا لم یغیر المنکر**'' اس کے تحت حضرتؒ نے فرمایا: دعوت کی دو قسمیں ہیں: ایک غیروں کو ایمان پر لانا، دوسرا اپنوں کو اسلام پر جمانا۔ دوسری دعوت اہم ہے، حدیث میں وعید بھی اسی کے ترک پر ہے۔

مال کی کثرت میں بھی ضرر نہیں، جیسا کہ احادیث میں ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم آئے اور کہا کہ ہمارے بعض ساتھی مال خرچ کرتے ہیں، ہم سے آگے بڑھے ہوئے ہیں، تو اس پر آپ ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ چھوڑو، یہ اچھا نہیں، بلکہ آپ ﷺ نے وظیفہ بتایا۔

حضرت شہیدؒ نے فرمایا: مأمورات اہم ہیں، لیکن منہیات اس سے زیادہ اہم ہیں، کیونکہ منہیات کی وجہ سے اعمال ضائع ہوجاتے ہیں اور پتہ بھی نہیں چلتا، جیسا کہ قرآن کریم میں ہے: ''**لاترفعوا أصواتکم فوق صوت النبی ولاتجهروا له بالقول کجهر بعضکم لبعض أن تحبط أعمالکم وأنتم لاتشعرون**'' (الحجرات:۲) پھر مأمورات پر عمل کرنا بھی آسان ہوتا ہے، جبکہ منہیات سے بچنا زیادہ مشکل ہوتا ہے۔

اختتامیہ

مندرجہ بالا عنوانات اور ان میں مندرج افادات وعلمی نکات سے حضرت شہید رحمہ اللہ کا علمی، تحقیقی اور عابدانہ مزاج کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے، حالانکہ یہ چند سطور اس سے عاجز ہیں کہ حضرت کے درس، علمی مقام اور زاہدانہ حیثیت کی کماحقہٗ منظر کشی کرسکیں۔

اللہ تعالیٰ حضرت شہید رحمہ اللہ اور ان کے رفقاء کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور ہمیں ان کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

حضرت دین پوری شہیدؒ کے ملفوظات

ضبط وترتیب: مولانا محمد سفیان بلند
فاضل جامعہ

☆...... دین کے حصول کے لئے بنیادی شرط اخلاص ہے، چند اور شرائط ہیں جن کا اہتمام ضروری ہے، ایک یہ ہے کہ طالب علم تواضع وانکساری کرے، تکبر نہ کرے، تعلیمی طور پر اگر اچھا ہے تو یہ نہ سمجھے میں بہت کچھ ہوں۔ تکبر اور غرور اللہ تعالیٰ کو سخت ناپسند ہے، اپنے دوستوں سے عجز وانکساری سے پیش آنا اللہ کو پسند ہے، تکبر وغرور سے پیش آنا اللہ کو پسند نہیں۔ بڑائی صرف اس کے لئے ہے، اس کو اپنے اندر لانے سے اجتناب کرے اور کسی کو اپنے سے حقیر نہ سمجھے۔ اور تواضع صرف اس کا نام نہیں کہ پھٹے پرانے کپڑے پہنے۔ جو پھٹے پرانے کپڑے میں دوسروں کو حقیر سمجھے وہ اللہ کو پسند نہیں اور اچھے کپڑوں میں ہوکر دوسروں کو اپنے سے بڑا سمجھے وہ اللہ کو پسند ہے۔ اپنے چھوٹوں سے بھی شفقت سے پیش آئے۔ اور علم کے حصول کی ایک شرط تکرار اور مطالعہ ہے، اس کا اہتمام کرنا چاہئے۔ وقت ضائع نہ کریں، بلکہ اس کو تکرار ومطالعہ میں استعمال کریں۔ اور درسی کتابیں پڑھے اور اگر اس سے فارغ ہو جائے تو غیر درسی مفید کتاب کا مطالعہ کرے، یہ نہیں کہ ڈائجسٹ کا مطالعہ کرے۔ ہمارے اکابر جن کے ہم نام لیوا ہیں، ان کو اگر کوئی تکلیف ہوتی تو پھر وہ مطالعہ کرتے اور کتاب کی محویت ان کو وہ تکلیف بھلا دیتی تھی۔

☆......تکرار ہمارے ہاں یوں ہوتا ہے کہ ایک کہتا ہے اور باقی سنتے ہیں، لیکن اس کا فائدہ نہیں ہوتا، بلکہ اس سے صرف تکرار کرانے والے کو فائدہ ہوتا ہے اور سننے والے کو نہیں ہوتا۔ دو دو کی جوڑی بنا کر ایک دن ایک کرائے، دوسرے دن دوسرا کرائے، اس سے آپ کو فائدہ ہوگا۔ صرف سننے والے نہ بنیں، بلکہ سنانے والے بھی بنیں۔ وقت کا خیال رکھیں۔ آپ اپنے گھربار، وطن، بھائی بہن کو چھوڑ کر یہاں آتے ہیں، آپ اس وقت سے فائدہ اٹھائیں۔ فضول، لایعنی باتوں، دل لگی کی باتوں کی بجائے اچھی چیزوں میں وقت کو استعمال کریں۔ اور اس کے ساتھ جو آپ نے علم حاصل کیا ہے اس پر عمل بھی کریں، علم سے صرف پڑھ لینا مقصود نہیں، علم صرف کالے حروف کا نام نہیں ہے، علم کے ساتھ عمل نہیں ہوگا تو اس کی مثال گدھے کی ہے، قرآن نے کہا ہے: ''مَثَلُ الَّذِیْنَ حُمِّلُوْا التَّوْرَاۃَ ثُمَّ لَمْ یَحْمِلُوْھَا کَمَثَلِ الْحِمَارِ الخ''۔

☆......اگر حدیث پڑھنے کے بعد زندگی کو بدلنے کا داعیہ پیدا نہیں ہوتا، مسائل پڑھنے کے بعد مسائل پر چلنے کا جذبہ پیدا نہیں ہوتا تو آپ کو فائدہ نہیں ہوگا۔ آپ یہاں عالم بننے کے لئے آئیں ہیں، گدھا بننے کے لئے نہیں آئے۔ آپ مشکوٰۃ میں کتاب الدعوات پڑھیں گے، اس میں دعائیں ہیں، آپ ان کو یاد کرلیں اور عمل میں لے آئیں تو پھر آپ کو مشکل نہیں ہوگی اور ساتھ میں معاصی سے بچیں۔ علم کے تقاضے کو پورا کریں، ورنہ علم کا نور نہیں ملے گا، جیسا کہ امام شافعیؒ نے کہا ہے:

شکوت إلی وکیع سوء حفظی　　　فأوصانی إلی ترک المعاصی

فإن العلم نور من إلٰہٍ　　　ونور اللہ لایعطی لعاصی

☆......مستشرقین بسا اوقات بہت اچھے علمی نکات بیان کرتے ہیں، لیکن ہم ان کو عالم نہیں کہتے، کیونکہ وہ عمل نہیں کرتے۔ اگر عمل کرتے تو پھر مسلمان ہوجاتے، ایمان لے آتے۔ حروف میں مہارت حاصل کرنے والا عالم نہیں ہے اور علم کالے حروف میں مہارت کا نام نہیں ہے، اس لئے اپنی زندگی کو علم کے تقاضے کے مطابق بنائیں۔ ہم جماعت کے فضائل پڑھتے ہیں، تکبیر اولیٰ کے فضائل پڑھتے ہیں، تہجد کے فضائل پڑھتے ہیں، وہ اس لئے نہیں کہ عوام کو سنائیں، بلکہ اس لئے کہ ہم خود اس پر پہلے عمل کریں۔

☆......علم کا، کتاب کا، استاذ کا ادب کریں۔ کتاب کا ادب اس لئے کہ وہ علم کے حصول کا ذریعہ ہے۔ استاذ کا ادب اس لئے کہ وہ علم کے حصول کا ذریعہ ہے۔ اگر ان کی بے ادبی کی تو بظاہر امتحان میں کامیاب ہوجائے، لیکن اس کے علم سے فائدہ نہیں ہوگا۔ علم سے فائدہ استاذ کے ادب سے ہوگا۔

☆......آپ نے علم کو حاصل کیا اور اس علم کو آگے چلایا تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ سے علم کی خدمت لی گئی۔ آج ہماری مجلسیں اگر گرم ہوتیں ہیں تو استاذ کی غیبت اور تبصرے سے ہوتی ہیں۔ اور جس مدرسہ اور جامعہ میں ہم پڑھتے ہیں تو اس سے خیر خواہی ہمارا ملی اور دینی فریضہ ہے۔ اگر ہم اس سے خیر خواہی نہ کریں تو ہم سے بڑا دغاباز، نمک حرام کوئی نہیں ہوگا۔ اور جو کتاب آپ کو اس مدرسہ سے ملے اس کی حفاظت کریں اور اپنی کتاب سے بڑھ کر حفاظت کریں اور اس کو اس طرح رکھیں کہ بعد والا بھی اس کو استعمال کرسکے۔

☆......اسلام بہت آسان ہے، آپ چاہیں تو اس میں بہت نیکیاں کما سکتے ہیں، روشن دان ہواء کے لئے بنوائیں تو مفید ہے، لیکن اذان کے لئے نیت کرلیں اور بنوالیں تو ثواب ہوگا۔ غذا کھائیں تاکہ پیٹ بھرے تو مفید ہے، لیکن حصول علم میں تقویت کے لئے نیت کرلیں تو ثواب ہوگا۔ طالب علم مجاہد وغازی ہے اور وہ جہاد میں ہوتا ہے جب تک لوٹ نہ جائے۔ تو اس میدان میں محنت کریں اور جو خزانے یہاں موجود ہیں ان کو حاصل کریں، تاکہ آپ کو فائدہ ہو۔ دل کے اندر سے بغض، حسد، کینہ نکال دیں۔ یہ بری صفات علم سے نور نکال کر بے نور کردیتی ہیں۔ بے نور ہونا الگ بات ہے اور بدشکل ہونا الگ بات ہے۔ اور کینہ والے کے لئے مغفرت کی عام رات میں بھی مغفرت نہیں ہوتی۔ اپنے اندر سے اخلاق رذیلہ کو نکال دیں۔ اور آپ نے

سنا ہے کہ جس گھر میں کتا ہو اس میں رحمت کے فرشتے داخل نہیں ہوتے، اسی طرح جس دل میں دنیا کی محبت کا کتا ہو، اخلاق رذیلہ ہوں، وہاں اللہ کی رحمت نہیں آتی، اور علم نہیں آتا۔ اپنے ساتھیوں سے ایثار کرنے والے بنیں اور اپنے ساتھیوں سے اچھا سلوک کریں اور اپنے ساتھیوں کی قیمتی چیزوں کو دیکھ کر ان کو حاصل کرنے کی کوشش نہ کریں، اور اس کا خیال بھی دل میں نہ لائیں، بلکہ اپنے سے اچھا پڑھنے والے کو دیکھیں، صف اول کے اہتمام کرنے والے کو دیکھیں۔ دنیا کے معاملات میں اپنے سے کمتر کو دیکھیں اور دین کے معاملے میں اپنے سے اچھے کو دیکھیں تو آپ سکون سے رہیں گے۔

☆...... دعاؤں کا اہتمام کریں اور یہ دعا کریں کہ اے اللہ! ہمارے علم کو نافع بنا اور ان کے لئے خیر کی دعائیں کریں جو آپ کے علم کا ذریعہ بنے ہیں اور اپنے لئے اور اپنے ساتھیوں و اساتذہ کے لئے غائبانہ دعائیں کریں۔

☆...... جو بات سمجھ میں نہ آئے، اس کو بغیر سمجھے آگے نہ بڑھیے اور اس کو پوچھ لیں اور بار بار پوچھ لیں اور اگر نہیں آتا ہوگا تو مجھے یہ کہنے میں عار نہیں ہوگا کہ مجھے نہیں آتا اور آپ بزاخفش کی طرح سر نہ ہلائیں۔ اگر آپ کو سمجھ نہ آیا اور آپ نے کہا ہاں! سمجھ میں آ گیا تو دو نقصان ہوں گے: ا...... کتاب سمجھ میں نہیں آئے گی۔ ۲...... آپ جھوٹ بولنے والے بن جائیں گے۔

☆...... ائمہ کرام کا جو اختلاف ہے وہ ان کے استدلال کے مختلف ہونے کی وجہ سے ہے اور ان حضرات نے اپنے اجتہاد سے نکالا ہے اور ہر ایک کا اجتہاد اخلاص پر مبنی تھا اور ہم اپنے مذہب کے بارے میں کہیں گے: ''**مذهبنا حق ويحتمل الغلط**'' اور ان کے مذہب کے بارے میں کہیں گے کہ ''**مذهبه غلط ويحتمل الحق**'' ، ہم اپنے مذہب کو حق سمجھیں، لیکن دوسرے ائمہ کے مذہب کو طعن و تشنیع کا نشانہ نہ بنائیں اور ان کی توہین و تنقیص نہ کریں۔

☆...... انسان کی قیمت کوئی چیز ادا نہیں کر سکتی اور مال کی انسان سے کوئی مناسبت نہیں، ایک بیٹے کو اس کے باپ کے قتل ہو جانے پر لاکھوں روپے بھی باپ کی شفقت نہیں دلا سکتے اور ایک بیوی کو خاوند کے قتل پر کئی لاکھ روپے مل جائیں، وہ شوہر کا پیار نہیں لا سکتے۔

☆...... حضرت علیؓ نے ایک شخص کو اپنے بیٹے سے اس کی بیٹی کے نکاح کے بارے میں ارشاد فرمایا، اس نے کہا کہ میں مشورہ کر کے آتا ہوں۔ وہ باہر نکلا تو پھر ایک دوست راستے میں مل گیا، اس نے اس کو مسئلہ بتایا کہ یہ بات ہے۔ اس نے کہا کہ تم ان کے نکاح میں مت دو، یہ سید لوگ ہیں، تمہاری بیٹی کو نوکر کی طرح رکھیں گے۔ تو وہ سوچ میں پڑ گیا اور کہنے لگا کہ واقعی میں نہیں دیتا۔ اس دوست نے کہا کہ میرا بیٹا ہے، تم اس کو اپنی بیٹی دے دو۔ وہ رضامند ہو گیا اور دونوں نے راستے میں رشتہ بھی طے کر دیا۔ اب وہ دوسرا آدمی مسجد میں آیا اور حضرت علیؓ سے کہنے لگا کہ میں اپنی بیٹی آپ کے بیٹے کے نکاح میں دیتا ہوں۔

آپ نے فرمایا کہ اس کے لئے میں نے کسی اور سے بات کرلی ہے، وہ کہنے لگا کہ ابھی وہ میرے بیٹے سے اپنی بیٹی کا رشتہ کروا کر گیا ہے، تو آپ نے فرمایا کہ: ٹھیک ہے اور اس کی بیٹی سے رشتہ کردیا، تو پہلا آدمی اتنی دیر میں آ گیا، جب اس نے دیکھا کہ اس نے اپنی بیٹی کا رشتہ کروادیا ہے تو کہنے لگا کہ تم نے مجھ کو منع کیا اور خود رشتہ کروادیا، وہ دوسرا آدمی کہنے لگا کہ یہ رشتہ ایسا تھا جس کے آنے کے بعد سوچ و بچار کرنا بیوقوفی ہے اور میں چاہتا ہوں کہ اس خاندان کا رشتہ کسی بے وقوف خاندان سے نہ ہوجائے۔

☆......ایک اور واقعہ ہے کہ حضرت مغیرہ بن شعبہؓ جن کی عمر زیادہ ہوگئی تھی، انہوں نے اور ایک نوجوان نے ایک عورت کے گھر رشتہ کا پیغام بھیجا، آپ کو مسئلہ معلوم ہوگا کہ جب تک منگنی نہ ہوجائے تو دوسرا آدمی رشتہ بھیج سکتا ہے تو حضرت مغیرہؓ نے رشتہ کا پیغام بھیج دیا، لیکن ان کو اندازہ تھا کہ وہ عورت نوجوان کو منتخب کرلے گی۔ آپ اور وہ نوجوان دونوں اس عورت کے گھر پر آئے اور پردہ میں بیٹھ گئے۔ آپ نے پوچھا کہ گھر کا نظام کس طرح چلاتے ہو؟ اس نوجوان نے کہا کہ میں انتظامی آدمی ہوں، گھر کے ایک ایک انتظام کو دیکھتا ہوں اور جب سودا لے کر آتا ہوں تو حساب کرتا ہوں اور معلوم کرتا ہوں کہ کتنا استعمال ہوگیا، میں اس معاملے میں سخت ہوں، پھر اس نوجوان نے آپ سے گھر کے نظام کے بارے میں پوچھا تو فرمایا کہ میں سیدھا سادہ آدمی ہوں، میں کیا اتنے انتظامات کروں، میں تو سودا لاتا ہوں اور گھر میں ڈال دیتا ہوں اور جب ختم ہوجاتا ہے تو یہ نہیں پوچھتا کہ (اتنی جلدی) ختم ہوگیا، بلکہ اور لے کر آجاتا ہوں۔ اس کے بعد یہ دونوں حضرات چلے گئے تو عورت کی طرف سے پیغام آیا کہ میں مغیرہ بن شعبہؓ سے نکاح کرنا چاہتی ہوں۔ ان دونوں واقعات سے بتانا مقصود ہے کہ جب فوراً فیصلہ کرنا ہو اور کام بھی فائدہ کا ہو تو زیادہ مشوروں اور سوچ کے چکر میں نہیں پڑنا چاہئے۔

☆......دورانِ سبق نظر عموماً سامنے رہتی ہے، دائیں بائیں کم دیکھنا ہوتا ہے، خصوصاً وہ حضرات جو کمرے سے باہر بیٹھے ہیں اور خصوصاً ان میں جو دیوار کی آڑ میں بیٹھے ہیں، تمام وہ جو میری نظر میں نہیں، وہ یہ نہ سمجھیں کہ میں نہیں دیکھ رہا، بلکہ سمجھیں کہ کوئی دیکھ رہا ہے، میں مشہور واقعہ کی طرف اشارہ کرتا ہوں کہ حضرت عمرؓ رات کو گشت فرمارہے تھے تو ماں اور بیٹی کے مکالمے کی آواز آئی، تو بیٹی نے کہا کہ دودھ میں پانی نہ ملائیں، امیر المؤمنین حضرت عمرؓ نے منع کیا ہے۔ ماں نے کہا کہ عمر کہاں ہم کو دیکھ رہا ہے؟ تم ملادو! بیٹی نے کہا کہ عمر نہیں تو عمر کا خدا تو دیکھ رہا ہے۔ اور آپ نے اگلے دن اس لڑکی سے اپنے بیٹے کا نکاح کروایا اور اسی کی اولاد سے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ پیدا ہوئے۔ تو میں نہیں دیکھ رہا تو اللہ تو دیکھ رہا ہے۔ آپ کو مسؤلیت عنداللہ کا خیال ہونا چاہئے، آپ کو خیال ہونا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ سوال کرسکتے ہیں، اس وجہ سے سبق کے دوران آپ کو اس کا استحضار ہونا چاہئے۔

☆......آج کے دور میں کیس دو طرح کے ہوتے ہیں: (۱) فوجداری کیس۔ (۲) دیوانی کیس۔

۱:......فوجداری کیس وہ ہوتا ہے جس میں جرم ثابت ہوجانے پر جسمانی یا مالی سزا دی جاتی ہے۔
۲:......دیوانی کیس وہ ہوتا ہے جس میں جرم ثابت ہوجانے پر کوئی سزا نہیں آتی، صرف متنازعہ شیئ کو حقدار کے حوالے کر دیا جاتا ہے۔

☆......ایک دوست دوسرے کسی دوست کے پاس گیا تو اس نے کہا کہ کیا حال ہے؟ دوسرے نے کہا کہ کیا بتاؤں؟ بیٹا نافرمان ہوگیا، بیٹی اپنے آشنا کے ساتھ چلی گئی اور بیوی لڑ جھگڑ کر چلی گئی، اس نے کہا کہ کام کیا کر رہے ہو؟ اس نے کہا کہ قسمت کے حال بتارہا ہوں، یعنی اپنی قسمت خراب ہے اور دوسروں کی قسمت بتارہا ہوں۔

☆......ایک وکیل صاحب کیس لڑ رہے تھے اور جج صاحب ان کے خلاف فیصلہ کرنے والے تھے تو اس نے قانون کی کتاب لی اور اس میں مختلف صفحوں پر قائد اعظم رکھ دیئے، یعنی نوٹ رکھ دیئے اور جج کو کہا کہ جج صاحب! یہ قانون کی کتاب ہے، اس میں میرے دلائل موجود ہیں۔ جج صاحب نے کتاب اٹھائی اور ان صفحوں کو دیکھا، جہاں پر نوٹ رکھے تھے اور پھر بولنے لگا کہ ابھی دو دلائل کم ہیں (یعنی دو نوٹ اور چاہئیں)

☆......قرعہ اندازی دو طرح کی ہوتی ہے: ایک قرعہ اندازی مستحقین میں استحقاق کے اثبات کے لئے ہوتی ہے اور یہ احناف کے نزدیک جائز نہیں اور ایک قرعہ اندازی مستحقین میں حق کو متعین کرنے کے لئے ہوتی ہے اور یہ احناف کے نزدیک جائز ہے۔ البتہ امام شافعیؒ کے نزدیک قرعہ اندازی کی پہلی صورت بھی جائز ہے۔

☆......بعض ظاہر بین حضرات (یعنی غیر مقلدین) یہ مسئلہ غلط بیان کرتے ہیں کہ احناف کی کتاب ہدایہ ج:۴، ص:۴۵۲ پر لکھا ہے کہ غصب کر کے قربانی کرنا جائز ہے، حالانکہ احناف یہ نہیں کہتے کہ غصب کرو، بلکہ اب جس نے یہ کرلیا ہے، اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟ اس کو بیان کیا ہے، ورنہ غصب ہمارے نزدیک بھی حرام ہے، گناہ ہے، بلکہ جس نے غصب کیا، اب اس کی حیثیت بدل گئی ہے اور ہم یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ جائز ہونا قضاءً ہے، دیانۃً تو ہمارے نزدیک بھی جائز نہیں۔

☆...... چھینک پر اللہ کی بہت سی نعمتیں ہیں، ان میں سے ایک طرف چھینک آنے سے انسان کے دماغ میں تازگی حاصل ہوتی ہے اور نشاط پیدا ہوتا ہے اور دوسرا چھینک آنے پر چہرے کی کیفیت کیسی ہوتی ہے کہ بالکل بگڑ جاتا ہے اور اس کے بارے میں کہا گیا ہے کہ اس چہرے کو چھپائے اور ناک سے کچھ ذرے پانی کے آجاتے ہیں تو اس الحمدللہ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو قدرت حاصل ہے کہ جس طرح چھینک آنے پر چہرہ بدلا ہے، اس کو ہمیشہ کے لئے ایسا کردے، لیکن ایسا نہیں کیا تو اس پر الحمدللہ کہا جائے۔ اب حدیث پر عمل کرنے کی نیت سے الحمدللہ کہا تو ایک ثواب اور اس نعمت کے استحضار پر الحمدللہ کہا تو پھر دوہرا اجر ہے۔ اسی وجہ سے کہا ہے کہ جب آدمی پانی پیئے تو الحمدللہ کہے، کیونکہ جب الحمدللہ کہے

گا تو یہ الحمدللہ بدن کے روئیں روئیں سے نکلے گا۔

☆...... جمائی کے دوران منہ کو حتیٰ الامکان بند کرے، منہ کو کھولے تو پھر اس کے اندر مکھی تو چھوڑیئے، ایک چڑیا بھی جاسکتی ہے۔شریعت نے انسان کو یہ احکامات اس کے فائدے کے لئے دیئے ہیں اور منہ کے سامنے ہاتھ رکھنے کی وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ منہ زیادہ نہ کھلے، ورنہ زیادہ منہ اگر کھل گیا تو پھر جبڑا اپنے مقام سے نکل کر نیچے بھی آسکتا ہے اور میں نے ایک آدمی کو دیکھا ہے کہ اس کا جبڑا زیادہ زور سے جمائی لینے کی وجہ سے نیچے آ گیا تھا اور پھر ایک ڈاکٹر نے ہاتھ مار کر اُسے ٹھیک کیا۔ جمائی پر منہ بند کرنے کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ منہ میں گندگی نہیں جائے گی اور منہ کی بد بو ظاہر نہ ہوگی۔شریعت نے انسان کے عیوب چھپانے کے مختلف طریقے بتائے ہیں۔

☆......اللہ تعالیٰ کی حکمت دیکھئے کہ حلقوم گول پائپ ہے، جو سکڑتا بھی نہیں اور کھلتا بھی نہیں، کیونکہ اس میں سے ہوا گزرتی ہے، جبکہ کھانے کا پائپ ''مریٔ'' ہے جو سکڑتا بھی ہے اور کھلتا بھی ہے، کیونکہ اگر بڑا کھانا آجائے، بڑا لقمہ آجائے تو وہ اس میں جھٹکا دینے سے اتر جاتا ہے اور سانس (ہوا) کی نالی میں کوئی چیز چلی جائے تو انسان کو کھانسی آجاتی ہے اور اللہ تعالیٰ نے حلقوم و مریٔ کو ایک ساتھ رکھا ہے، اگر سانس اور کھانے کی نالی ایک ہوتی تو انسان کھانا کھاتا اور اس کا سانس بند ہوجاتا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی حکمتیں ہیں اور انسان پر اس کی نعمتیں ہے۔

☆......خنزیر حرام ہے، اس کی وجہ حرمت تو معلوم نہیں، لیکن شاید یہ وجہ ہوسکتی ہے کہ اس میں بے غیرتی ہے اور جو انسان اس کا گوشت کھائے گا تو وہ بھی اس کی طرح بے غیرت بن جائے گا، کیونکہ خنزیروں کے نَر کی پوری لائن ایک مادہ کے پیچھے لگی رہتی ہے اور وہ باری باری فارغ ہوتے ہیں تو آج امریکہ میں یہی ہورہا ہے کہ انسان بے غیرت بن گیا ہے۔ دارالافتاء میں ایک جرمنی کی عورت آئی، اس کے ساتھ ایک بچی تھی، اس نے اسلام قبول کیا، میں نے کلمہ پڑھایا اور جب اسلام لانے کا سرٹیفکیٹ لکھا تو پھر میں نے پوچھا کہ شادی شدہ ہے؟ تو اس نے کہا کہ غیر شادی شدہ ہوں۔ میں نے پوچھا کہ یہ بچی کس طرح؟ کہنے لگی: وہاں یہ کوئی معیوب بات نہیں، ایسا ہوتا رہتا ہے۔

☆......عام طور پر عمر کے بڑھتے بڑھتے قویٰ میں کمزوری آجاتی ہے، تأثیر کم ہوجاتی ہے، شاید یہی عمل ہم نے نحو کے عامل کے ساتھ کیا ہے کہ عبارت پڑھتے ہیں تو وہ اپنا عمل نہیں دے پاتا، کیونکہ عامل بھی اتنے عرصے سے عمل دیتے دیتے بوڑھے ہوگئے ہیں، اب '' في '' جر نہ دے، فعل، فاعل کو نصب دے دے، وغیرہ۔ بھائی! ابھی ہم نے پڑھا ہی کیا ہے؟ ابھی سے ہماری عبارتیں کمزور ہیں، ہم ان امور کا خیال رکھیں۔

☆......ہم اس تعلیم کے ساتھ ساتھ کچھ اپنی باطنی تعلیم کی طرف بھی توجہ دیں، ہمیں صرف ظاہری طور پر حروف پر توجہ دے دینا کافی نہیں، جیسا کہ ایک آدمی عبارت صحیح پڑھ لیتا ہے اور اس کو اس کے معانی

معلوم نہیں تو اس کو فائدہ نہیں ہوگا۔ اسی طرح ہم اس علم کو ظاہری طور پر پڑھ لیں اور باطنی طور پر نہ ہو تو فائدہ نہیں۔ باطنی چیز اخلاق، کردار اور ہمارے اُٹھنے بیٹھنے سے معلوم ہو کہ ہم علوم نبویہ کے پڑھنے والے ہیں۔ ہم علم پڑھ رہے ہوں، لیکن ہماری شکل وصورت اس کے مطابق نہ ہو تو پھر ہم کو اس علم کا کیا فائدہ؟ ہمارا صرف طوطے کی طرح علم پڑھنا کافی نہیں۔ طوطا مکلّف نہیں ہم مکلّف ہیں۔ ہمارا اُٹھنا بیٹھنا، کھانا، پینا، رہنا سہنا، وغیرہ ہر چیز میں صفائی ستھرائی ہو، ہم ہر جگہ کے اعتبار سے طہارت کو دیکھیں، ہر کام میں سلیقہ ہو، ہر چیز کو صاف رکھیں۔ اور جہاں رکھنے کی چیز ہے وہاں رکھیں، ایک ناڑی دان کو اس کی جگہ پر نہ رکھنے سے بعد میں اس کو ڈھونڈنے کے لئے آدمی کتنا وقت لگائے گا؟ ہر کام کو سلیقہ سے کرنے کے لئے ابھی سے کوشش کریں اور اس کو نخرے بازی نہ سمجھیں، جو لوگ صفائی وسلیقہ کا اہتمام کرتے ہیں تو اس کو لوگ نخرے باز کہتے ہیں، یہ نخرہ بازی نہیں۔ تکبر تو دل میں ہوتا ہے، ظاہر میں صفائی وسلیقہ تکبر نہیں ہے۔ اور نمازوں کا اہتمام ہو اور صف اول میں ہوں، یہ نہ ہو کہ صف اول میں دوسرے لوگ ہیں اور ہم پچھلی صفوں میں ہوں۔ صف اول پر ہمارا قبضہ ہو اور پھر بیٹھ کر ذکر واذکار کرلیں۔ استغفار، درود شریف، اور فرشتوں کی تسبیح پڑھ لیں۔ اپنے کو ذکر کا عادی بنائیں۔ اپنے کو ایسا نہ بنائیں جس کی وجہ سے کسی کو حرف گیری کا موقع ملے۔ حضرت عالمگیر بادشاہؒ ہندوستان میں ایک عالم گزرے ہیں، وہ اپنے ہاتھوں سے قرآن شریف لکھ کر بیچا کرتے اور کمائی کرتے۔ اب ہم نے جو روپ دھارا ہوا ہے، اس کی لاج رکھنی چاہئے اور اگر آپ کے کسی کام سے کوئی قابل اعتراض بات آئے گی تو آپ کی ذات پر نہیں آئے گی، بلکہ سارے پڑھنے والوں پر آئے گی، سارے بنوری ٹاؤن والوں پر آئے گی۔ ابھی سے اپنے آپ کو درست کرنے کی توجہ کریں اور سنت پر ڈھالنے کی کوشش کریں۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

☆......کھجور کے نکلنے سے لے کر پکنے تک کے دس نام ہیں، لیکن چار مشہور ہیں: ۱......بسر۔ ۲......مذنب۔ ۳......رطب۔ ۴......تمر۔ بسر کہتے ہیں کہ جو سخت اور پیلی رنگ کی ہوتی ہے، مذنب کہتے ہیں جو سخت ہوتی ہے، لیکن پکی ہوتی ہے۔ رطب کہتے ہیں جو نرم اور پکی ہوجائے۔ تمر کہتے ہیں جو بالکل پک جائے۔

☆......ریشم وہ ہوتا ہے جو کیڑے سے ریشہ نکلتا ہے اور وہ بڑھتا رہتا ہے اور وہ کیڑا اس میں مرجاتا ہے تو اس کو اس سے نکال کر ریشم بنایا جاتا ہے، اس کو پہننے سے منع کیا ہے اور یہ حرام ہے، لیکن جو ریشم مصنوعی ہوتا ہے، اس کو پہننے میں ممانعت نہیں ہے۔

☆......مردوں کو چاندی کی انگوٹھی پہننے کی اجازت ہے، لیکن وہ ایک مثقال ساڑھے چار ماشے سے کم ہو اور پتھر، لوہے، تانبے وغیرہ کی انگوٹھی پہننا حرام ہے، لیکن انگوٹھی کا نگینہ پتھر کا ہو تو اجازت ہے، لیکن انگوٹھی نگینہ ہاتھ کے پشت کی جانب نہ ہو، بلکہ ہتھیلی کی جانب ہو۔

☆......چاندی کی انگوٹھی پر سونے کا پانی چڑھانا جائز ہے اور اس پر نام لکھوانا بھی جائز ہے، لیکن

اگر اسمائے الٰہیہ یا متبرک اسماء ہوں تو پھر اس کو گندی جگہ یا بیت الخلاء وغیرہ میں پہن کر جانا جائز نہیں۔

☆......

مگس کو باغ میں جانے نہ دینا
کہ ناحق خون پروانے کا ہوگا

مذکورہ شعر کے بارہ میں فرمایا: اس کے دو مطلب ہیں: پہلا مطلب یہ ہے کہ مکھی کو باغ میں جانے نہ دو، ورنہ وہ پھولوں سے شہد بنائے گی اور اس سے موم نکلے گا اور موم سے موم بتی بنے گی اور موم بتی سے پروانے کا قتل ہوگا۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ مگس سے مراد سرمہ کی سلائی ہے اور باغ سے مراد آنکھوں کی پلکوں کا باغ ہے، سلائی کو سرمہ دانی میں نہ ڈالو اور آنکھوں میں نہ لگاؤ، ورنہ سرمئی آنکھوں کو دیکھ کر کئی پروانے مر جائیں گے، یعنی عورت کی آنکھ کے سرمہ کو دیکھ کر مردوں کا ناحق خون ہوگا۔

☆......شاہ ولی اللہؒ کے بیٹے حضرت شاہ عبدالقادرؒ جنہوں نے قرآن کا ترجمہ اردو میں کیا ہے، بڑے صاحب کشف آدمی تھے، ان کا اردو ترجمہ اردو زبان کا پہلا ترجمہ ہے۔ علامہ انور شاہ کشمیریؒ فرماتے تھے کہ: اگر قرآن پاک اردو زبان میں نازل ہوتا تو شاہ صاحبؒ کے ترجمہ میں نازل ہوتا۔ رمضان میں تراویح ہوتی تو شاہ عبدالعزیزؒ آدمی بھیجتے کہ وہ رمضان کی پہلی تراویح میں ایک پارہ پڑھتے ہیں یا دو پارے، کیونکہ صاحب کشف آدمی تھے تو دو پارے پڑھنا گویا رمضان کے ۲۹ روزے ہونے کی علامت تھی اور ایک پارہ پڑھنا رمضان کے ۳۰ روزے ہونے کی علامت تھی۔

☆......وہ کھیل جس کے سبب جسمانی و ذہنی طور پر فائدہ ہو اور فرائض متروک نہ ہوتے ہوں اور کسی کا حق ضائع نہ ہوتا ہو اور وہ کوئی پیشہ نہ ہو تو اس صورت میں وہ جائز ہے اور اگر یہ شرائط نہیں ہیں تو پھر جائز نہیں ہے۔ اب فٹ بال، والی بال، کرکٹ وغیرہ میں یہ دیکھا جائے اور خاص کر آج کل تو کرکٹ میں فرائض متروک ہو رہے ہیں اور وہ پیشہ بن گیا ہے تو پھر یہ کھیل جائز نہیں اور حدیث میں ہے: ''**من حسن إسلام المرء تركه مالا يعنيه**'' کے مطابق یہ کھیل لایعنی ہے، اس کھیل والوں کو پیشہ ور کھلاڑی کہا جاتا ہے اور یہ قوم کے ہیرو کہلاتے ہیں، حالانکہ یہ زیرو ہیں۔ اس کے علاوہ اسنوکر، ہاتھ سے فٹ بال، ویڈیو گیم، کیرم بورڈ وغیرہ کھیلنا بھی جائز نہیں۔ اور اس کے علامہ جس کھیل میں ذہنی وجسمانی ورزش ہے، وہ مباح کے طور پر جائز ہے، نہ کہ اس میں ثواب ہے۔ اور اگر ان کھیلوں میں شرط ہے تو پھر حرام ہوگا اور اگر شرط نہیں تو عبث ہے۔ عبث اور لہو میں فرق ہے کہ عبث جس میں بالکل فائدہ نہ ہو، جبکہ لہو کہتے ہیں جس میں ذہنی فائدہ ہو، اسی وجہ سے شطرنج کھیلنے کو لہو کہا گیا ہے۔ ان کھیلنے والوں کو سلام کہا جائے یا نہیں؟ اس کے بارے میں حضرات صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ ان کو سلام نہ کیا جائے، تاکہ ان کو تنبیہ ہو جائے کہ ہماری اتنی بھی اہمیت نہ رہی، اس کھیل کی وجہ سے کہ سلام کیا جائے۔ اور حضرت امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ ان کو سلام کیا جائے، تاکہ

ان پر شفقت ہو اور جتنی دیر وہ سلام کا جواب دیں گے اتنی دیر تو وہ غفلت سے دور رہیں گے۔ (ہدایہ، ج:۴،ص:۴۷۵)

☆......اللہ نے انسان میں فطری طبیعت رکھی ہے اور فطری تقاضے میں جذبات وخواہشات کا پیدا ہونا ہے، اس کو پورا کرنے کے لئے اللہ نے نظام بھی بنایا ہے۔

☆......بچوں کو سزا دینے میں اور سزاؤں کے تجویز کرنے میں پانی پتی صاحبان مجتہد کا درجہ رکھتے ہیں۔ زنجیروں سے باندھنا، بیڑیاں لگانا، کرسی بنانا وغیرہ نہ جانے کیا کیا اصطلاحات انہوں نے ایجاد کر رکھی ہیں۔ حدیث میں ہے کہ اگر غلام کو سزا سے کم مارا تو قیامت میں بدلا نہیں لیا جائے گا اور اگر برابر دی تو حساب برابر رہے گا اور اگر زیادہ مارا تو پھر غلام کو آقا سے بدلہ دلوایا جائے گا۔ شریعت نے غلام کو بظاہر انسانوں سے نکال کر حیوان کی طرح رکھا ہے، لیکن اس کو حقوق دیئے ہیں، پھر بھی اس کے بارے میں یہ ارشاد وارد ہوا ہے، تو وہ بچہ جو غلام نہیں، اس کو اس طرح مارنا کہاں جائز ہوگا؟ بغل میں دبا کر اس پر دوسرے ہاتھ کی کہنیاں چلانا کتنا ظلم ہے!۔

☆......تقسیم ہند سے پہلے مدارس کی صورت یہ ہوتی تھی کہ دیہاتوں کے جو طلبہ عالم بن کر آتے تو اپنے علاقہ میں مدرسہ قائم کرتے اور وہ اپنا کام وغیرہ بھی کرتے اور طلبہ بھی ان کے ساتھ پڑھتے اور ان کا کام میں ہاتھ بٹاتے تھے۔

☆......شریعت اسلامی کی سزائیں جن کو حدود کہا جاتا ہے، اس کے ذریعے کسی کو صرف سزا دینا مقصود نہیں ہے، بلکہ لوگوں کو عبرت دلانا مقصود ہے، تاکہ لوگ اس چیز سے بچ جائیں۔

☆......روافض بہت ساری اشیاء کا انکار کرتے ہیں تو امام ابوحنیفہؒ نے صرف مسح علی الخفین کو اہل سنت کی علامت کیوں قرار دیا؟ تو جواب یہ ہے کہ روافض کی کتب میں لکھا ہے کہ ہر چیز میں تقیہ جائز ہے، لیکن مسح علی الخفین میں تقیہ جائز نہیں تو وہ اس کا انکار کھل کر کرتے ہیں، بقیہ اشیاء کے انکار میں تو تقیہ کا شبہ ہے، اس لئے مسح علی الخفین اہل سنت کی علامتِ مخصوصہ ہے۔

☆......ایک بادشاہ نے ایک وزیر سے پوچھا کہ تعلیم وتربیت غالب رہتی ہے یا فطرت؟ وزیر نے کہا کہ فطرت۔ بادشاہ نے کہا: نہیں! تربیت غالب رہتی ہے۔ وزیر خاموش ہوگیا، بادشاہ کے دربار میں بلیاں اپنے ہاتھوں پر موم بتیاں لے کر کھڑی رہتی تھیں، جس کی روشنی میں دربار میں روشنی رہتی تھی، ایک دفعہ وہ بلیاں دربار میں موم بتیاں لئے کھڑی تھیں کہ وزیر چپکے سے چوہا لے آیا اور دربار میں چھوڑ دیا، ساری بلیوں نے موم بتیاں پھینکیں اور چوہے کے پیچھے بھاگیں۔ وزیر نے بادشاہ سے کہا کہ بادشاہ سلامت! بلیوں کی تعلیم موم بتیاں اٹھانا تھی، لیکن فطرت چوہا کھانے کی اس پر غالب آئی، اور انہوں نے موم بتیاں چھوڑ دیں، تو بادشاہ کی سمجھ میں بات آئی۔ لیکن بعض مرتبہ تربیت کرنے والے فطرت کو بھی بدل دیتے ہیں، جیسے رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرامؓ کی ایسی تربیت فرمائی کہ پہلے جو جان لینے

والے تھے، جان دینے والے بن گئے، یہ مربی کا کام ہے، وہی اس طرح تربیت کرسکتا ہے۔

☆...... مجھے ایک آدمی نے ایک غیر مقلد کی تقریر کا جملہ سنایا تھا کہ تقلید قلادہ سے ہے اور اس کا معنی کتے کے گلے کا پٹا (تو ان لوگوں کے گلوں میں وہ پڑا ہے) میں نے اس سے کہا: اگر قلادہ کا یہی معنی ہے تو اس سے کہہ دو کہ ہم کو یہ معنی بھی قبول ہے، کیونکہ اصول ہے کہ شہروں میں دو قسم کے کتے ہوتے ہیں، بعض کے گلے میں پٹا ہوتا ہے اور بعض آوارہ ہوتے ہیں اور ان کے گلے میں پٹا نہیں ہوتا۔ وہ کتے جن کے گلے میں پٹا نہ ہو، بلدیہ والے ان کو زہر دے کر مار دیتے ہیں اور جس کے گلے میں پٹا ہو تو وہ اس کو کسی کا سمجھ کر نہیں مارتے تو ہمارے گلوں میں اگر امام ابوحنیفہؒ کی تقلید کا پٹا ہے تو پھر ہم شیطان جو بلدیہ والوں کی شکل میں ہے کہ حملے سے محفوظ ہیں، جبکہ یہ تو بغیر پٹوں کے ہیں تو شیطانی حملوں سے نہیں بچ سکیں گے اور جو کتا جتنا زیادہ موذی ہوتا ہے، اس کو اتنا زیادہ زہر دے کر مارتے ہیں۔

☆...... حضرت بنوریؒ ان لوگوں میں سے تھے جو صدقات کو واپس کر دیا کرتے تھے۔ رمضان میں لوگ آتے اور دیتے تو آپ فرماتے کہ یہ لے جاؤ، ہمارے پاس بہت ہے، کسی دوسرے مدرسہ والے کو دے دو۔ اور جن سے تعلق ہوتا تو وہ اگر زکوٰۃ دیتے تو فرماتے کہ جب تک اس کے ساتھ غیر زکوٰۃ کی رقم نہیں دوگے تو یہ قبول نہیں کریں گے اور ان لوگوں سے فرماتے کہ تم ہم کو زکوٰۃ کی رقم دے کر احسان نہیں کرتے، بلکہ ہمارا شکر ادا کرو کہ ہم قبول کر لیتے ہیں۔ کراچی کے اس زمانے کے ۲۲/اونچے خاندانوں میں سے ایک خاندان کے آدمی حضرت بنوریؒ کے ساتھ گھر کی طرف جارہے تھے تو آپؒ اچانک مڑے اور ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے فرمارہے تھے کہ اگر نہیں دوگے تو تم کو جوتے پڑیں گے۔ یہ ہم لوگوں کا احسان ہے کہ ہم قبول کر لیتے ہیں اور ان کو صحیح مصرف میں لگاتے ہیں، وہ آدمی کہتے ہیں: حضرت بنوریؒ کا ہاتھ ہل رہا تھا اور مجھے ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ جوتے ابھی لگنے والے ہوں۔

حضرت مولانا فضل محمد سواتیؒ جو ہمارے ابوداؤد و مشکوٰۃ ثانی کے استاذ ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت بنوریؒ کے پاس بیٹھا تھا تو فون آیا، آپ نے فرمایا کہ ہمارے پاس آدمی نہیں ہے، آپ لا سکتے ہیں تو لے آئیں اور فون رکھ دیا۔ میں نے پوچھا کہ کس کا فون تھا؟ کہنے لگے کہ ایک صاحب کا تھا، کہہ رہے تھے کہ میرے پاس غیر زکوٰۃ کے ۲۵/ پچیس ہزار روپے ہیں، کسی آدمی کو بھیج کر منگوا لیں۔ میں نے کہا کہ حضرت! آج کل ویسے بھی غیر زکوٰۃ کی رقم کی ضرورت ہے، اگر منگوا لیتے تو فائدہ ہو جاتا۔ فرمایا کہ اگر ہمارے مقدر میں ہوگا تو خود آجائے گا اور نہیں ہوگا تو آدمی کے بھیجنے سے بھی نہیں ملے گا۔

وفارقتک برهن لافکاک له
یوم الوداع فأمسیٰ الرهن قد غلقا

☆......اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ''ولکم فی القصاص حیٰوۃ'' تو اس میں حیات اس طرح

ہے کہ جب قاتل کو معلوم چلے گا کہ مجھ کو بھی قتل کے بدلے قصاص میں قتل کیا جائے گا تو وہ قتل کرنے سے باز آجائے گا جس سے دونوں کو حیات ملے گی، ورنہ تو دونوں مارے جائیں گے اور اس طرح بھی حیات ہے کہ جب قاتل کو مقتول کے بدلے قصاصاً قتل کیا گیا تو پھر دونوں خاندان سکون میں آجائیں گے اور پھر اس سے دونوں طرح حیات ہوگی، ورنہ دونوں میں جھگڑا شروع ہوگیا تو بہت سے مارے جائیں گے اور قاتل کو اگر قتل نہ کیا تو وہ اور دوسروں کو قتل کردے گا، جس سے وہ لوگوں کے قتل ہونے کا سبب بنے گا تو اس کو قتل کرنے کے بعد وہ لوگ اس کے قتل سے بچ کر حیات پالیں گے۔

☆......حضرت ابوبکر صدیقؓ سے ان کے بیٹے حضرت عبدالرحمٰنؓ نے اسلام لانے کے بعد کہا کہ ابا جان! اسلام لانے سے پہلے بدر کی جنگ میں آپ میرے وار میں کئی مرتبہ آئے، لیکن میں نے باپ سمجھ کر وار نہیں کیا اور چھوڑ دیا۔ آپؓ نے فرمایا کہ: اگر تم میرے وار میں آتے تو میں تم پر وار ضرور کرتا، کیونکہ تم کافر تھے (اور رسول اللہ ﷺ کے خلاف لڑ رہے تھے) اس زمانے میں جنگ قومیت یا لسانیت کی بنیاد پر نہیں، بلکہ اسلام کی بنیاد پر تھی اور آج یہاں لڑنا قومیت، عصبیت، لسانیت کی بنیاد پر ہوتا ہے۔

☆......شریعت نے تو ڈاڑھی کو منفعتِ جمال بتایا ہے، لیکن آج کہتے ہیں کہ ڈاڑھی میں جمال نہیں ہے۔ حضرت قاری محمد طیبؒ ایک تقریر میں فرماتے ہیں کہ آج مغربی تہذیب نے ہر چیز کو الٹا کردیا ہے، پہلے کہتے تھے چراغ تلے اندھیرا اور آج کہتے ہیں بلب کے اوپر اندھیرا، اسی طرح ڈاڑھی کا حال ہے، پہلے یہ جمال کہلاتی تھی اور آج بدصورتی کہلاتی ہے، العیاذ باللہ۔ میں ایک مجلس میں بیٹھا تھا تو ایک عورت آئی اور کہنے لگی مجلس میں بزرگ سے کہ حضرت! دعا فرمائیں میرا بیٹا ٹھیک ہوجائے، انہوں نے پوچھا کہ کیا ہوا؟ کہنے لگی کہ ابھی جوان ہے اور اس نے ڈاڑھی رکھ لی ہے۔ میں نے یہ اپنے کانوں سے سنا ہے، آج ذہن ہی الٹا ہوگیا ہے۔

☆......آپس میں لڑنا تہذیب اور ثقافت کے خلاف عمل ہے اور یہ ممنوع فعل ہے، لیکن جب اس کو غیروں نے اپنایا اور باکسنگ شروع ہوئی تو پھر اسی کو تہذیب اور ثقافت کہا جارہا ہے۔ یہ انسانی حقوق کی خلاف ورزی نہیں ہے کہ ایک دوسرے کو زخمی کردیا جائے۔ دو گدھے ایک دوسرے سے لڑ رہے ہیں اور سارے لوگ ٹی وی پر بیٹھ کر ان کو دیکھ رہے ہیں۔

☆......جس مسئلہ میں صحابہ کرامؓ کا اختلاف ہو، اس میں ایک کے مسلک کو حق اور دوسرے کو باطل نہیں کہہ سکتے، کیونکہ دونوں حق پر تھے، ان میں صرف ترجیح دے سکتے ہیں۔ اسی ضمن میں یہ بھی سمجھ لیں کہ سماع موتی کے مسئلہ میں صحابہ کرامؓ کے زمانے سے اختلاف رہا ہے تو اس میں تشدد کرنا اور دوسرے کو گمراہ اور باطل قرار دینا درست نہیں، کیونکہ اس میں نسبت اوپر تک جائے گی اور صحابہ کرامؓ کی بے ادبی لازم آتی ہے، ان کی گستاخی لازم آتی ہے اور صحابہ کرامؓ کی گستاخی سلب ایمان کا سبب بن جاتی ہے، لہٰذا

اس طرح کے مسائل میں زیادہ تشدد نہ کریں۔

☆ ......اصل غناء، نفس کا غناء ہے، آدمی کے پاس کچھ نہ ہو اور اس میں استغناء ہو تو یہ مالدار ہے اور جس میں استغناء نہ ہو اور مال بہت ہو تو وہ گداگر ہی ہے اور مانگنے کی عادت بہت بری ہے۔ ناراض نہ ہوں، میں کہتا ہوں کہ وہ مہتمم حضرات جو مدارس کو اپنا ذریعہ معاش بنا لیتے ہیں، وہ بھی ان گداگروں سے کم نہیں ہیں، ان الفاظ کو غور سے سنیں اور سمجھیں اور ان لوگوں کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کا وہ فرمان پورا صادق آتا ہے: ''إن الله ليؤيد هذا الدين بالرجل الفاجر ''اللہ تعالیٰ نفس کا غناء عطا فرمائے، آمین۔ ہمارے حضرت بنوریؒ کے استغناء کی برکت سے یہ مدرسہ چل رہا ہے اور آج بھی اس کا کوئی سفیر نہیں، قربانی کوئی دیتا ہے اور کھاتا کوئی ہے۔ حضرت بنوریؒ نے قربانی دی ہے اور ہم کھا رہے ہیں، ہم کہاں ان جیسی قربانی دے سکتے ہیں؟۔

☆ ......ہم نے ہدایہ رابع مولانا بدیع الزمانؒ سے پڑھی۔ ۱۹۷۱ء۱۳۹۱ھ میں دورہ کیا، یہاں سادسہ میں آیا۔

☆ ......استیجار علی القرآن تو جائز ہے، لیکن اپنے کو دوسروں کے گھروں پر جا کر بے عزت کرنا جائز نہیں ہے، ہاں جو بہت مجبور ہیں، ان کے لئے مجبوری کی صورت میں جائز ہے۔

☆ ......مسجد کسی جگہ پر بنا دی جائے اور وہاں پر نماز شروع کروا دی جائے اور لوگوں کو آنے کی اجازت دے دی جائے تو پھر اس کو گرانے کی اجازت نہیں۔ آج ہمارے ہاں مساجد گرائی جا رہی ہیں، اگر ہندو مساجد گرائیں تو ہم جلسے جلوس کرتے ہیں اور ریلیاں نکالتے ہیں، لیکن جب ہم خود گرائیں گے تو پھر کل ہم ہندوؤں کو کس منہ سے کہیں گے کہ مساجد نہ گراؤ؟۔

☆ ......ایک وقت تھا کہ کتاب شروع ہو رہی تھی اور سال گزر گیا اور کتاب ختم ہوگئی، ظاہری حالات کے اعتبار سے تقریباً ۱۰ ماہ آپ کی رفاقت حاصل رہی۔ اس میں اپنے طور پر اور انسانی کوشش کے طور پر اس بات کی کوشش رہی کہ آپ کو کتاب سے متعلق سمجھاؤں، ہوسکتا ہے کہ میں اس میں کامیاب رہا ہوں، اسی میں بعض اوقات ایسا ہوا کہ کسی کے ساتھ ایسے معاملات کئے کہ وہ سمجھیں کہ میری عزت نفس کے خلاف کیا ہے، ایسا نہیں، اگر کسی کو تکلیف پہنچی ہو تو معذرت کرتا ہوں۔ میں آپ سے امید رکھتا ہوں کہ اب جو ظاہری تفریق ہو رہی ہے تو وہ ذہنی اور قلبی نہیں ہوگی، بلکہ صرف جسمانی ہوگی۔ ذہنی وقلبی تفریق نہ ہونے کی صورت یہ ہے کہ آپ اور میں ایک دوسرے کو دعاؤں میں یاد رکھیں:

ہمارا خون بھی داخل ہے تزئین گلستاں میں
ہمیں بھی یاد کرلینا چمن میں جب بہار آئے

آپ اور میں جہاں ہوں، ایک دوسرے کو دعاؤں میں یاد رکھیں۔ آئندہ کی زندگی ایک دشوار

گذار زندگی ہوگی اور طالب علمی کی زندگی ایک لاابالی زندگی ہوتی ہے۔ہمیں جب اپنی طالب علمی کی زندگی یاد آتی ہے تو دل چاہتا ہے کہ وہ برقرار رہتی،لیکن حالات کے ساتھ ذمہ داری آتی ہے، آج اگر ذمہ داریاں نہ آتیں تو یہ دنیا کی مختلف رنگ و بونہ ہوتیں۔اللہ تبارک وتعالیٰ نے''**واختلاف اللیل والنہار**'' فرمایاہے،اگر رات کی تاریکیاں نہ ہوتیں تو مشکل ہوتی،حالات کے تغیرات آتے ہیں اور عقل مند وہ ہے جو ان کے آنے سے پہلے ان کی تیاری کرلے تو آئندہ حالات میں تغیر آنے والا ہے،انسان کو کہا ہے کہ آخرت کی تیاری کرنی ہے، کیونکہ آگے حالات میں تغیرات آنے والے ہیں۔آگے والے حالات اس سے علیحدہ ہیں،تو ان کی طرف توجہ کرنا ضروری ہے۔ہم بھی اپنی عملی زندگی کی تیاری کریں،ہم آپ جب باہر نکلیں گے تو بہت سے لوگوں سے واسطہ پڑے گا، جو صرف آپ کے دوست اور دشمن کے نہیں ہوں گے، بلکہ آپ کے مخالف بھی ہوسکتے ہیں اور آپ سے بڑے بھی ہوسکتے ہیں،تو عملی زندگی کی تیاری ابھی سے کرنا شروع کردیں۔اللہ تعالیٰ سے دعا کریں،ہم سب کو عافیت سے رکھے اور عملی زندگی اچھی کردے،آمین۔

لہولہو بنوری ٹاؤن

مولانا حافظ محمد اسد
فاضل جامعہ

آہ.....! جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے سپوتوں اور ستونوں کو ایک بار پھر خون میں نہلا دیا گیا....استاذ محترم حضرت اقدس مفتی عبد المجید دین پوریؒ اور استاذ محترم حضرت مولانا مفتی صالح محمدؒ شہید کر دیئے گئے۔ إنا للّٰہ وإنا إلیہ راجعون۔

حقیقت تو یہ ہے کہ انہیں شہید لکھتے ہوئے بھی دل لرز رہا ہے اور کانپ رہا ہے۔ بے شک شہادت ان کے لئے تو بہت بڑا اعزاز اور بہت اونچا مقام ہے، لیکن ان کی صلبی و روحانی اولاد اور اعزہ و اقارب وحلقۂ احباب کے لئے ان کی جدائی ایک عظیم صدمہ ہے۔ یقین نہیں آ رہا کہ کیا واقعی استاد جی ہمیں داغِ مفارقت دے گئے ہیں۔ یہ بدھ کی رات ہی کی تو بات ہے کہ حضرت دین پوری شہیدؒ سے فون پر بات ہوئی۔ حسبِ عادت حضرتؒ نے مزاح بھی فرمایا اور خوب کھل کر گفتگو فرمائی، لیکن اگلے ہی دن دوپہر کو حضرتؒ کی شہادت کی اطلاع آ گئی۔

حضرت دین پوریؒ کو اللہ تعالیٰ نے بے شمار کمالات اور خصوصیات سے نوازا تھا۔ اکابر علمائے دیوبند کی جو صفات کتابوں میں پڑھتے تھے ان کا عملی نمونہ حضرتؒ کی شخصیت میں دیکھا۔ شفقت، محبت، عاجزی وانکساری، عبادت وریاضت، للّٰہیت وخشیت، بردباری، کمالِ استغناء اور بے پناہ تفقہ فی الدین آپؒ کے وہ عمومی اوصاف تھے جن کا ہر ایک مشاہدہ کیا کرتا تھا۔ آہ! حضرتؒ کی ایک ایک ادا یاد آ رہی ہے اور دل کو رُلا رہی ہے، کون بھلا پائے گا وہ پیارا منظر کہ حضرتؒ باوجود بڑھاپے کے پوری پابندی کے ساتھ فجر کی اذان کے کچھ ہی لمحوں بعد مسجد تشریف لے آتے، مسجد کی جنوبی جانب سے تشریف لاتے، جوتا ہاتھ میں لئے باوقار انداز سے چلتے ہوئے مسجد کے شمالی برآمدے کے قریب جوتا رکھتے اور صفِ اوّل میں تشریف فرما ہو کر مسلسل تلاوت فرماتے رہتے، نماز سے فراغت کے بعد کچھ وقت ذکر واذکار اور معمولات میں مصروف رہتے اور پھر حضرت بنوری نوّر اللہ مرقدہ کی مرقد مبارک پر تشریف لے جاتے اور ان کے لئے ایصالِ ثواب کرتے۔ وقت کے بہت پابند تھے، کاؤنٹنگ تسبیح ہمیشہ آپ کے ہاتھ میں بندھی رہتی اور کام کے ساتھ ساتھ ذکر جاری رہتا، بارہا اس چیز کا مشاہدہ کیا گیا کہ فتویٰ پڑھتے وقت اور دستخط کرتے وقت بھی تسبیح حرکت میں رہتی۔

جامعہ کے اساتذہ کا کہنا ہے کہ آپ بہت زیادہ معمولات اور ذکر اذکار کے پابند تھے۔ فقہ وفتویٰ

کے معاملے میں آپؒ پر اللہ تعالیٰ کی خصوصی نوازش تھی، مجال ہے کہ کوئی معمولی سی معمولی غلطی آپ کی گرفت سے بچ سکے۔ رات دس بجے تک تنہا دارالافتاء میں بیٹھے دن کے بچے ہوئے فتاویٰ دیکھتے رہتے۔ استغناء کا یہ عالم تھا کہ کوئی مالدار مستفتی تھوڑا سا بھی اکڑ پن دکھاتا تو اس کی شامت آجاتی، حضرتؒ اس کی طبعیت صاف فرمادیتے۔ مسلک میں مضبوطی اور تصلّب کا اندازہ کریں کہ درس نظامی سے فراغت کے بعد فوج میں بطور خطیب تقرری کے تمام مراحل مکمل ہوچکے تھے، صرف کاغذی کارروائی باقی تھی، باقی سب کچھ ہو چکا تھا کہ ایک افسر نے کہہ دیا کہ یہاں مسجد میں بریلوی مسلک کے لوگ بھی ہیں، وہ مروجہ صلوٰۃ وسلام پڑھتے ہیں، آپ کو بھی صلوٰۃ وسلام پڑھنا ہوگا، حضرتؒ نے صاف انکار کردیا اور اس نوکری کو ٹھکرا کر چلے آئے۔

گزشتہ سال ایک دن جب کہ آپ رات کو دارالافتاء کا کام نمٹا کر گھر تشریف لے جارہے تھے تو چلتے چلتے اچانک آپؒ کے بائیں گھٹنے میں تکلیف شروع ہوگئی جو آخر دم تک موجود رہی، ایک دن کسی نے تکلیف پر دکھ کا اظہار کیا تو حضرتؒ نے کسی بزرگ کا واقعہ سنایا کہ جب انہیں کوئی تکلیف پہنچتی تو یہ شعر پڑھا کرتے:

لطفِ سجن دم بدم قہر سجن گاہ گاہ
ایں وی سجن واہ واہ اُوں وی سجن واہ واہ

شعر پڑھتے ہوئے حضرتؒ کی آنکھیں پُرنم ہوگئیں اور فرمانے لگے: ہر وقت اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے مستفید ہوتے رہتے ہیں، اگر مالک کی طرف سے تھوڑی سی تکلیف آگئی تو کیا ہوا؟

حضرت مفتی صالح محمد کاروڑی شہیدؒ دارالافتاء کے فعال ترین اور چست وچابک مفتی تھے، سب سے زیادہ فتاویٰ آپ ہی کو دیئے جاتے تھے۔ خواتین کے مسائل اور تحکیم کے مسائل کی تقریباً ساری ذمہ داری آپؒ ہی کے پاس تھی۔ آپؒ کی نشست کے سامنے اکثر لوگوں کا جم گھٹا لگا رہتا تھا۔ بہت زیرک انسان تھے، حالات پر بہت گہری اور کڑی نظر رکھتے تھے۔ آپؒ کی بہت سی یادیں دل میں بسی ہیں۔ آج حضرتؒ کی ایک عجیب وغریب خوبی ذکر کرکے اجازت چاہوں گا، وہ یہ کہ: حضرتؒ کی دو شادیاں تھیں اور صاحبِ اولاد بھی تھے، کسی نے پوچھا: حضرت! مدرسے کی تنخواہ پر اس مہنگائی کے دور میں کس طرح گزارا ہوتا ہے؟ فرمایا: اللہ کا شکر ہے، بہت اچھا نظام چل رہا ہے۔ بعد میں پتہ چلا کہ حضرتؒ شام کو جامعہ سے واپس جانے کے بعد ایک فیکٹری میں کام کرتے تھے اور رات ایک بجے گھر جاتے تھے.... اللہ اکبر کبیرا..... ایسے لوگ دنیا میں خال خال ہی رہ گئے ہیں اور پھر کمال تو یہ کہ ساری زندگی اس چیز کو چھپائے رکھا، کوئی شکوہ نہیں، کوئی شکایت نہیں، بس شکر ہی شکر اور کام ہی کام.... یقیناً یہی لوگ امت کے مقتدا کہلانے کے صحیح معنوں میں مستحق ہیں اور ان کی زندگیاں علماء وطلباء کے لئے نمونۂ عمل ہیں۔

یا اللہ! ہمارے ان پیارے اساتذہ اور ان کے رفیقِ سفر کے درجات بلند فرما، امت کو ان کا نعم البدل عطاء فرما۔ اور اے جبار وقہار مالک! بدبخت قاتلوں کو عبرت ناک انجام سے دوچار فرما، اور لہولہو بنوری ٹاؤن کی ہر قسم کے شرور وفتن اور مصائب وآفات سے حفاظت فرما، آمین۔

تری مرگِ ناگہاں کا مجھے ابھی تک یقیں نہیں ہے!

مولانا محمد زین العابدین
مدرس مدرسہ امام ابو یوسف، کراچی

موسمِ سرما کی دوپہر، دورالوداع کہتی خنکی اور دھیرے دھیرے پھیلتی دھوپ میں وہ روشنیوں کا پیامبر ہم سے کوسوں دور چلا گیا اور یہ کسی کے خواب وخیال میں بھی نہ تھا کہ اتنا جلدی وہ دارالافتاء بنوری ٹاؤن کو سوگوار چھوڑ کر سفرِ آخرت پر روانہ ہو جائیں گے۔ خزاں کا موسم تو ختم ہو چکا تھا.....! مگر یہ کیا ہوا کہ گلشنِ بنوری کا گلِ سرسبد بہاروں کے آغاز میں ہی دیارِ جاودانی میں جابسا۔ گردونواح کے حالات وواقعات سے بے نیاز انہوں نے یوں آنکھیں موندیں تھیں جیسے ابھی کھولیں گے اور فتویٰ لکھنا شروع کردیں گے۔

جامعہ بنوری ٹاؤن بھی عجیب دینی درسگاہ ہے، اللہ نے سب سے زیادہ مقبولیت بھی اسی ادارے کو دی اور سب سے زیادہ قربانیاں بھی اسی کے فرزندان کے حصے میں آئیں۔ مفتی عبدالمجید شہیدؒ کے جنازہ سے پہلے نمازِ عصر کے بعد جامع مسجد بنوری ٹاؤن کے امام صاحب دعا میں روتے ہوئے فرما رہے تھے کہ یااللہ! اب تو ہم لاشے اٹھا اٹھا کے تھک گئے ہیں۔ واقعی ابھی دس ماہ پہلے ہی تو مولانا عطاء الرحمٰن شہیدؒ کا جنازہ پڑھا تھا اور دوسال پہلے ہی تو مولانا ارشاد اللہ عباسیؒ کی شہادت ہوئی تھی اور ابھی مولانا سعید احمد جلال پوریؒ کی شہادت کو تو پورے تین سال بھی نہیں ہوئے اور ابھی تو مولانا انعام اللہؒ، مفتی سعید احمد مردانیؒ، مولانا محمد امین اورکزئیؒ، مولانا عنایت اللہ شاہؒ، مفتی جمیل خانؒ، مفتی شامزئیؒ، حضرت لدھیانویؒ، مولانا محمد بنوریؒ، مفتی عبدالسمیعؒ ومولانا ڈاکٹر حبیب اللہ مختار رحمہم اللہ ہماری نظروں کے سامنے کھڑے تھے۔ یہ کیا ہوا کہ اچانک ظالموں نے مفتی عبدالمجید دین پوریؒ اور مفتی صالح محمد کو شہید کرکے ہماری دنیا اندھیر کردی۔ ابھی تو پرانے زخم بھرے بھی نہیں تھے! ابھی تک تو پہلوں کی جدائی پر آنسو خشک بھی نہ ہوئے تھے، پھر یہ کیا ہوا کہ دواورا کابر اسی قطار میں جاتے نظر آئے۔

بہر حال مفتی عبدالمجید دین پوریؒ اب ہم سے بہت دور جاچکے وہ اسی شجرہ طیبہ کی ایک شاخ تھے کہ جس کی بنیادوں میں حضرت بنوریؒ کا تقویٰ، حضرت مفتی ولی حسنؒ کا تفقہ اور فتویٰ، حضرت ڈاکٹر حبیب اللہ مختارؒ کا اصول وضابطہ، حضرت مفتی احمد الرحمٰنؒ کی قربانیاں، حضرت لدھیانویؒ وحضرت شامزئیؒ کی

شہادتیں، مولانا جلالپوریؒ ومولانا عباسیؒ کی لہو رنگ داستانیں اور مفتی جمیل خانؒ ومولانا عطاء الرحمنؒ کے دوررس فیصلے اور نہ جانے کتنے اہل اللہ کی آہِ سحر گاہی اور دعائیں شامل ہیں، تو ظاہر ہے کہ پھر اس کے فرزندان مفتی عبدالمجید دین پوریؒ جیسے نہ ہوں تو کیا ہوں؟

مفتی عبدالمجید دین پوریؒ اس وقت مفتیوں کے امام تھے، وہ علماء کے راہبر تھے، وہ عوام کے راہنما تھے، وہ ایک قابل مدرّس تھے، وہ ایک عمدہ خطیب تھے، وہ ایک جید عالم تھے، وہ اس وقت پورے پاکستان میں پانچویں چھٹے نمبر کے بڑے مفتی تھے۔

آہ......! امت کا کتنا نقصان ہوا؟! کتنے مدارس بے آسرا ہوئے؟! کتنے علماء کے سر سے سائبان ہٹ گیا؟! آہ او ظالم! تو نے ذرا خیال نہ کیا، اس درویش کے کس فتوے سے تجھے تکلیف پہنچی تھی؟ اس محدّث کی ''قال اللہ وقال الرسول'' کی کس صدا سے تجھے نقصان ہوا تھا؟

مگر شاید تو نے یہ سمجھا ہوگا کہ یہ لوگ مسلسل لاشیں اٹھا اٹھا کر تھک گئے ہوں گے، انکے حوصلے پست ہو گئے ہوں گے، یہ ہمت ہار چکے ہوں گے۔ مگر یہاں ایسا کچھ نظر نہیں آیا۔ مفتی صاحبؒ کے جنازے کے موقع پر قافلۂ بنوری کے حدی خواں مردِ قلندر حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالرزّاق اسکندر عجب شانِ استغناء کے ساتھ یہ اعلان کر رہے تھے کہ ''ہم پُر امن لوگ ہیں، اس عظیم صدمے کے موقع پر تمام ساتھی سیرتِ نبوی کی روشنی میں صبر سے کام لیں ہم ملکِ عزیز میں قتل وغارت گری اور فتنہ وفساد برپا نہیں کرنا چاہتے مگر اعداء اسلام سن لیں کہ یہ اللہ کا دین ہے وہ خود ہی اس کی حفاظت کرنے والا ہے، تم خود مٹ جاؤ گے، مگر یہ دین قیامت تک باقی رہے گا''۔

واہ! مفتی عبدالمجید شہیدؒ کی قسمت کے کیا کہنے! زندہ رہے تو نیک لوگوں کی معیت میں، اکابر کی صحبت میں، مفتیوں کے جھرمٹ میں، نیکی کے کاموں میں پیش پیش اور دوسروں کو نیکی کی ترغیب دیتے ہوئے اور جب اس دنیا سے رخصت ہوئے تو شہادت پا کر دین پور کے تاریخی قبرستان میں بزرگوں کے پہلو میں جا آسودہ خاک ہوئے۔

دنیا میں بہت سے اہل علم وفضل تو وہ ہوتے ہیں جنہیں دنیا جانتی ہے، وہ دنیا سے جاتے ہیں تو ایک عالم سوگوار ہوتا ہے، ان کی تعریف وتوصیف اور ان کی خدمات کے اعتراف میں تعزیتی جلسے منعقد ہوتے ہیں، اخبارات ورسائل میں ایک عرصے تک ان کے بارے میں مضامین شائع ہوتے رہتے ہیں، یہاں تک کہ جو لوگ انہیں زندگی میں نہیں جانتے تھے، ان کے انتقال کے بعد ان کے کارناموں سے واقف ہو جاتے ہیں۔ لیکن علم وادب اور ملی خدمات کے آسمان پر ایسے ستارے بھی ان گنت ہیں جن کی روشنی کی کرنیں سب کے لئے ہوتی ہیں، مگر ان کے نام سے کم لوگ واقف ہوتے ہیں، ایسے لوگ گوشۂ تنہائی میں اپنا کام خاموشی سے کئے جاتے ہیں، ان کی تنہائی اور گمنامی ان کے کام کی لگن، محنت اور

افادیت میں کمی نہیں اضافہ کرتی ہے، نام ونمود سے دور رہ کر ان کی مخلصانہ کاوشیں رہتی دنیا تک لوگوں کو سیراب کرتی ہیں۔ بلاشبہ ہمارے حضرت مفتی صاحبؒ انہی الفاظ کی آئینہ دار ایک عظیم شخصیت تھے، آپ نے جوانی سے لے کر شہادت تک کی اپنی پوری زندگی نام ونمود سے کوسوں دور رہ کر دینی خدمات میں گزار دی۔ آپ کے نزدیک اگر کسی چیز کی اہمیت تھی تو وہ محنت ولگن سے دینی خدمت اور وقت کو قیمتی بنانا تھا۔ آپ کو ایک ایسے ادارہ کا نائب رئیس دار الافتاء اور استاذ الحدیث مقرر کیا گیا تھا کہ جس کے فرزندان کی خدمات وکارناموں کو اللہ نے پورے عالم میں پھیلایا، لیکن آپ کبھی اس چیز کو پسند نہیں فرماتے تھے کہ آپ کا نام اور کاموں کی تفصیلات اخبارات میں شائع ہوں یا یہ کہ آپ کا نام کسی عوامی، مذہبی اجتماعات یا جلسے جلوسوں کے اشتہاروں اور پوسٹروں کی زینت بنے، بلکہ عموماً مدارس کے ذمہ داران بہت کوشش کرتے کہ آپ ان کے جلسے کی صدارت قبول فرمالیں، نہیں تو کم از کم کچھ دیر کے لئے اسٹیج کی زینت ہی بن جائیں، لیکن آپ کی طبیعت ان چیزوں سے انکاری رہتی۔

اگر حضرت دین پوری شہیدؒ کی ساٹھ سالہ زندگی پر نظر ڈالی جائے تو آپؒ کی پوری زندگی انہی اعلیٰ وارفع صفات کے گرد گھومتی اور مسلسل جہد وعمل سے عبارت نظر آتی ہے۔ آپ ۱۵/جون ۱۹۵۱ء بمطابق ۱۳۷۲ھ کو پنجاب کے ضلع رحیم یار خان کی تحصیل خان پور میں مولانا محمد عظیم بخش دین پوریؒ کے گھر میں پیدا ہوئے۔ تعلیم کی ابتدا گھر ہی میں اپنے والد کے زیرِ سایہ ہوئی، اور پھر جامعہ مخزن العلوم خان پور، ظاہر پیر، ظاہر والی سے ہوتے ہوئے جامعہ بنوری ٹاؤن پہنچے اور اس بین الاقوامی دینی درس گاہ میں درجۂ سادسہ میں داخلہ لے کر مسلسل تین سال پڑھا، یہاں تک کہ ۱۹۷۱ء میں دورۂ حدیث سے فارغ ہوئے اور اپنے وقت کے اساطینِ علم سے شرفِ تلمذ حاصل کیا، جن میں محدث العصر حضرت بنوریؒ، حضرت مولانا محمد ادریس میرٹھیؒ، حضرت مفتی ولی حسن ٹونکیؒ حضرت مولانا محمد بدیع الزمانؒ، حضرت مولانا سید مصباح اللہ شاہؒ، اور حضرت مولانا مفتی احمد الرحمٰنؒ وغیرہ حضرات شامل ہیں۔ بعد ازاں تخصص فی الفقہ بھی یہیں سے کیا۔ دورانِ تخصص ایک عجیب بات یہ ہوئی کہ حضرت مفتی ولی حسن ٹونکیؒ کی ہدایت پر ان کے درسِ ہدایہ میں شرکت کرنے لگے، نہ معلوم حضرت ٹونکیؒ نے آپ کو کیوں اس بات کی ہدایت کی تھی، لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ حضرت مفتی ولی حسن ٹونکیؒ کی مسند نشینی کی تیاری تھی، اگرچہ اس میں ایک وقت لگا اور حضرت مفتی ولی حسن ٹونکیؒ کی وفات کے بعد دار الافتاء اور تخصص کی ذمہ داریاں حضرت شامزئیؒ اور حضرت مفتی عبد السلام چاٹگامی مدظلہم ادا کرتے رہے، لیکن ان دونوں حضرات کے بعد دنیا نے دیکھا کہ جامعہ بنوری ٹاؤن کے دار الافتاء کے نائب رئیس کے حساس اور اونچے منصب اور تخصص فی الفقہ کے مشرف کے عہدے پر حضرت ٹونکیؒ کے جانشین ہونے کی حیثیت سے جو شخصیت مسند نشین ہوئی، وہ حضرت مفتی عبد المجید دین پوریؒ کی شخصیت تھی، اور وہ جو کئی سال پہلے حضرت ٹونکیؒ کی زیرِ ہدایت ان کے درسِ ہدایہ میں بیٹھنے والا عبد المجید نامی

ایک طالب علم تھا، حقیقت یہ تھی جو بعد میں سامنے آئی کہ وہ ان کا جانشین تھا، اور اُس وقت آپ کی تربیت ہورہی تھی، جس کا نتیجہ اب سامنے آیا۔

غیرمعمولی اوصاف:

حضرت مفتی دین پوری شہیدؒ علم وعمل اور اخلاص وللّٰہیت کے پیکر، خوش مزاجی اور نرم خوئی کے خوگر، سادگی، متانت اور نورانیت کے پیکرِ مجسم، طلباء پر مشفق اور مہربان اور کاروان بنوری کے حدی خواں تھے۔ آپ انتہائی سادہ اور منکسر المزاج شخصیت کے مالک تھے۔ جیسا آپ کا ظاہر تھا، ویسا ہی آپ کا باطن تھا۔ راقم الحروف کوئی بار اس چیز کا مشاہدہ ہوا، ایک مرتبہ تقریباً دو سال پہلے میں کچھ کتب ورسائل کی خریداری کے لئے دفتر بینات مولانا فضل حق صاحب کے پاس آیا ہوا تھا تو اچانک حضرت دین پوریؒ بھی ایک صاحب کے ہمراہ تشریف لے آئے، جن صاحب کو حضرتؒ لے کر آئے تھے، وہ صاحب حضرت دین پوریؒ کے بھی مہمان تھے اور مولانا فضل حق صاحب کے بھی۔ حضرتؒ تو ان کی خاطر تواضع دار الافتاء میں کرآئے تھے، اب مولانا فضل حق صاحب کی باری تھی تو مولانا نے دفتر بینات کے خادم جناب قاری عبدالرّؤوف صاحب کو بھیج کر سب کے لئے جوس منگوالیا، اب مولانا فضل حق صاحب چوں کہ میزبان تھے، اس لئے ہر ایک کو ایک ایک گلاس خود اٹھا کر دے رہے تھے، مفتی صاحبؒ نے خود ہی اٹھالیا اور مسکراتے ہوئے فرمایا کہ ''مولانا! میں تو اپنا گلاس خود ہی اٹھالیتا ہوں اور آپ کو مشقت سے بچا لیتا ہوں'' یہ سنتے ہی سب مسکرادیئے، بعد میں مولانا فضل حق صاحب فرمانے لگے کہ مفتی صاحبؒ شروع سے ہی ایسے بے تکلف ہیں، کوئی بات دل میں نہیں رکھتے، اس کا اظہار فرمادیتے ہیں۔ یعنی حضرت شہیدؒ کا کوئی مصنوعی بناوٹی انداز نہیں تھا، بلکہ جیسا ظاہر تھا ویسا ہی باطن تھا۔

آپ مزاح بھی فرماتے تھے، ایک مرتبہ میں دفتر بینات کسی کام سے آیا ہوا تھا تو اچانک حضرت مفتی صاحبؒ بھی تشریف لے آئے اور کھڑے کھڑے ہی مولانا فضل حق صاحب کو فرمایا کہ روافض پر جو متفقہ فتویٰ ہے اس کے پانچ نسخے دے دیں، مولانا نے حسبِ ہدایت خادم جناب قاری عبدالرّؤوف صاحب کو بولا، انہوں نے مفتی صاحبؒ کو پانچ نسخے دے دیئے، مفتی صاحبؒ نے قیمت پوچھی تو مولانا فضل حق صاحب نے فرمایا کہ ایک نسخہ ۱۰۰/روپے کا ہے، یہ سنتے ہی حضرت مفتی صاحبؒ ہنستے ہوئے فرمانے لگے کہ ''روافض کو آپ نے اتنا مہنگا کیا ہوا ہے؟....'' اس بات پر مولانا فضل حق صاحب زور سے ہنسنے لگے، راقم الحروف کو بھی بے اختیار ہنسی آگئی اور مجلس کشتِ زعفران ہوگئی۔

اللہ اکبر! کس کس صفت کے حامل انسان تھے! اب تو صرف ان کی یادیں ہی رہ گئی ہیں۔

دل سے دعاء ہے کہ اللہ رب العزت ان کو اعلیٰ علیین میں جگہ نصیب فرمائے اور پسماندگان کو صبرِ جمیل عطاء فرمائے۔ آمین

بستیِ دین پور کا ایک دُرِّ شہوار

مولانا محمد یاسر عبداللہ
کتب خانہ جامعہ بنوری ٹاؤن

۱۸؍ربیع الاول ۱۴۳۴ھ بمطابق ۳۱؍جنوری ۲۰۱۳ء کی صبح پَو پھٹنے سے کچھ دیر قبل رات کے آخری پہر ایک دین دار خاتون نے خواب دیکھا کہ سورج اپنی پوری آب وتاب کے ساتھ افق پر فروزاں ہے اور خلقِ خدا اپنے اپنے کاموں میں مشغول ہے، اچانک سورج دن دَہاڑے غروب ہوگیا اور دنیا گھٹاٹوپ اندھیروں کی وادی میں چلی گئی۔ خاتون نے اتنا ہی دیکھا تھا کہ فجر کی اذان کی آواز کے ساتھ گھبرا کر آنکھ کھلی اور وہ رونے لگی، اپنے گھر والوں کو جگا کر اُنہیں خواب سنایا اور تعبیر یہ لی کہ کسی بڑے عالم کی شہادت ہونے لگی ہے، خدا خیر کرے!۔

اسی روز دو پہر کو نصف النہار کی تھوڑی دیر بعد استاذِ محترم حضرت مولانا مفتی محمد عبدالمجید دین پوری اور حضرت مولانا مفتی صالح محمد کاروڑی رحمہما اللہ اپنے مخلص خادم حسّان علی شاہ رحمہ اللہ کے ساتھ ظالم وقاسی القلب انسان نما درندوں کے ہاتھوں شہادت کے عظیم رتبہ پر فائز ہوگئے۔ **فإناللّٰه وإناإليه راجعون۔**

بندہ نے یہ خواب استاذِ محترم مولانا محمد عادل صاحب دامت برکاتہم سے سنا، اور ان تک محض ایک قریبی عزیز خاتون کے واسطہ سے پہنچا ہے۔ بلاشبہ اہلِ علم کی مثال سورج کی سی ہوتی ہے، جس سے تمام جہاں روشن اور ساری مخلوق فیض یاب ہوتی ہے۔ حضرت دین پوری شہید رحمہ اللہ علم وعمل کے آفتاب ہی تو تھے، جن کے ذریعے عوام وخواص راہ یاب ہو رہے تھے۔ اور الحمدللہ! ان کی شہادت سے یہ سلسلہ رکا نہیں، بلکہ چراغ سے چراغ جل رہا ہے، ان شاء اللہ! تا قیامت یوں ہی شمعیں فروزاں رہیں گی، ان کا فیض جاری رہے گا، اور وہ اپنی آرام گاہ میں اس کا اجر وثواب سمیٹتے رہیں گے۔

حضرت مولانا رحمہ اللہ بستی دین پور کے ایک عظیم سپوت تھے، جو تقریباً گزشتہ ڈیڑھ صدی سے علماء ومشائخ اور بندگانِ خدا کا مرکزِ توجہ رہی ہے، ۱۲۹۲ھ بمطابق ۱۸۷۶ء میں حضرت خلیفہ غلام محمد دین پوری رحمہ اللہ (۱۳۵۴ھ/۱۹۳۶ء) کے دستِ اقدس سے قائم ہونے والی یہ بستی ظاہری اور باطنی علوم

کا ایک مرکز اور مذہب اور سیاست کے حسین امتزاج سے آراستہ ایک مثالی اسلامی معاشرہ کا نمونہ تھی، ایک سادہ سی مسجد اور نیم پختہ مکانات پر مشتمل چھوٹا سا گاؤں، جس کی مجموعی آبادی چند سینکڑوں سے متجاوز نہ تھی، حضرت خلیفہ صاحب رحمہ اللہ، ان کے خلفاء اور نسبی اور روحانی اولاد کی برکت سے اس کا آوازہ چار دانگِ عالم میں گونج اٹھا اور بجا طور پر ''دین پور'' کہلانے کا مستحق ٹھہرا، اس بستی کے مشائخ کے ہاتھوں ہزاروں بلکہ لاکھوں انسانوں میں انقلاب آیا، زندگیاں بدلیں، بدعات ورسومات کے بادل چھٹے اور راہِ سنت نکھر کر سامنے آئی۔ بستی کے بانی حضرت خلیفہ غلام محمد رحمہ اللہ، ہمارے استاذِ محترم شہید رحمہ اللہ کے نانا مولانا عبدالمنان رحمہ اللہ کے نانا تھے، اور ان اکابر کے علمی، عملی اور روحانی فیوض سے خاندان میں دین داری وپرہیز گاری موروثی چیز کی طرح قائم تھی۔ حضرت شہید رحمہ اللہ ان ہی خدا شناس بزرگوں میں پلے بڑھے اور ابتدائی تعلیم وتربیت پائی، پھر محدث العصر حضرت علامہ سید محمد یوسف بنوریؒ، مفتی ولی حسن ٹونکیؒ اور مولانا ادریس میرٹھی رحمہم اللہ جیسے اساطینِ علم سے رسمی طلبِ علمی کی تکمیل فرمائی اور خصوصاً فقہ وفتاویٰ میں مہارت حاصل کی۔ یوں تعلیم وتربیت دونوں پہلوؤں سے اپنے وقت کے اکابر علما ومشائخ سے استفادہ اور استفاضہ کا موقع ملا، جو علمی میدان میں بلندیوں تک رسائی کے لئے خشتِ اول ثابت ہوا۔

حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ ظاہری اور باطنی کمالات کے حامل تھے، اخلاص وللّٰہیت اور تقویٰ وطہارت زندگی کا حصہ تھی اور تواضع وفروتنی ان کی اداؤں سے پھوٹتی تھی۔ گزشتہ سال ختمِ بخاری شریف کے موقع پر اپنے مختصر نصائح آمیز بیان کے دوران نم ناک آنکھوں اور لڑکھڑاتی آواز کے ساتھ فرمانے لگے: ''یہ قیامت کی علامات میں سے ہے کہ مجھ جیسا کم علم مسندِ حدیث پر بیٹھ کر علمِ حدیث پڑھانے کا فریضہ انجام دے رہا ہے۔'' یہ بات کہتے ہوئے تصنع اور تکلف کا کوئی اثر محسوس نہ ہوتا تھا اور اہلِ مجلس کے دل ودماغ ان کی قلبی کیفیت سے متأثر تھے۔ یہی تواضع ان کے حال وچال سے ٹپکتی تھی، سلام کرتے تو انداز ایسا ہوتا کہ گویا کوئی طالب علم اپنے استاذ سے سلام کر رہا ہے۔ لباس وپوشاک میں سادگی اور عادت واطوار میں بے تکلفی تھی، عمامہ کا اہتمام فرماتے تھے، لیکن اتباعِ سنت کے خیال سے سادہ انداز اختیار فرماتے تھے، ایک بار دارالافتاء میں ایک عالم تشریف لائے، ان سے گفتگو کے درمیان حضرت شہید رحمہ اللہ عمامہ باندھنے لگے، انہوں نے عرض کیا کہ حضرت! آپ یہ عمامہ کیسے باندھ رہے ہیں؟ مجھے اجازت دیجئے، میں باندھ دیتا ہوں، فرمانے لگے کہ: ''بھئی! سنت اس سے بھی ادا ہو جاتی ہے''۔ اس موقع پر بندہ کے استفسار پر فرمایا کہ ''عمامہ باندھنے کا کوئی مخصوص طریقہ سنت نہیں''۔ آج کل اس سنت کی ادائیگی میں عموماً تکلفات کا جو رخ چل پڑا ہے، اس کے پیشِ نظر استاذِ محترم کے اس طرزِ عمل میں ہم سب کے لئے خاموش درس ہے۔ نماز باجماعت کا اہتمام اور ادعیہ واذکار کی پابندی معمولات کا حصہ تھی۔ دارالافتاء میں تشریف فرما ہوتے تب بھی فتاویٰ کی تصحیح وتصدیق سے فارغ اوقات ذکر وفکر سے معمور رہتے۔ باوضو رہنے کا بھی اہتمام فرماتے تھے۔ سہ پہر کو تخصص فی الفقہ کے طلبہ

کو سبق پڑھانے کے لئے تشریف لانے سے قبل جامعہ کی مسجد کے وضوخانے میں وضو فرماتے، پھر درس گاہ تشریف لے جاتے، بندہ نے ان گنت بار یہی معمول دیکھا، معمولات کی پابندی ان کے شب وروز میں نظر آتی۔ پورا دن مختلف علمی سرگرمیوں میں گزرتا اور رات کو دیر تک فتاویٰ کی تصحیح میں مشغول رہتے تھے۔ اس کے بعد اٹھ کر جامعہ کے باہر دکان سے خود جاکر گھر کے لئے دودھ خریدتے، طلبہ نے بارہا درخواست کی کہ یہ خدمت ہمارے سپرد ہو، لیکن حضرت استاذِ محترم نے یہ معمول جاری رکھا، شاید اس میں اتباعِ سنت مقصود تھی اور یہ تعلیم بھی کہ گھر کا سودا سلف خریدنے کے لئے خود بازار جانا کسی عالم اور مفتی کے لئے کوئی حقارت کی بات نہیں، بہرحال ان کی پوری زندگی جفاکشی سے عبارت تھی اور کسل مندی سے کوسوں دور تھے۔

حضرت شہید رحمہ اللہ کا ایک اہم وصف ان کی ''فقہی بصیرت'' تھا، فقہی مزاج اور مذاق ان کی رگ وپے میں سرایت کرگیا تھا۔ اپنے بزرگوں سے سنا اور اصولِ افتاء کی کتابوں میں پڑھا ہے کہ یہ چیز محض کثرتِ مطالعہ یا عبارات اور حوالہ جات یاد کرنے سے پیدا نہیں ہوتی، بلکہ ایک نعمتِ خداداد اور وہبی ملکہ ہے، جس میں محنت ومطالعہ کے ساتھ باطن کی صفائی اور تقویٰ وطہارت شرطِ اول کی حیثیت رکھتی ہے، جو محض ظاہری نصاب ونظام سے حاصل ہونے والی چیز نہیں، بلکہ اہل اللہ کی صحبت اور ذکر وفکر کے اہتمام کے ساتھ عرصہ دراز تک محنت ومجاہدہ کی چکی میں پسنے کے بعد یہ مقام حاصل ہوتا ہے۔ حضرت استاذِ محترم ایک علمی اور روحانی خاندان سے تعلق رکھتے تھے، پھر مفتی ولی حسن ٹونکی رحمہ اللہ اور مفتی عبدالسلام چاٹگامی مدظلہ جیسے فقہی ملکہ رکھنے والوں کے صحبت یافتہ تھے، نیز کئی دہائیوں سے فقہ وفتویٰ کے میدان سے وابستہ تھے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کو اس علم میں خاص مہارت عطا فرمارکھی تھی۔ دورِ حاضر کے اکابر مفتیانِ کرام ان کی اس خوبی کا برملا اعتراف فرماتے تھے اور دارالافتاء جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن، جس کی مرکزیت وعظمت علمی دنیا ہی میں نہیں، عوام وخواص کے مختلف طبقات میں مسلم ہے، حضرت رحمہ اللہ اس میں ایک اہم ذمہ داری پر فائز تھے اور حضرت مفتی عبدالسلام چاٹگامی مدظلہ کی وطن واپسی کے بعد عملی طور پر وہی دارالافتاء کے رئیس تھے۔ ان کی رائے بہت وزنی اور مدلل ہوتی تھی، مشکل وپیچیدہ مسائل میں دیگر اساتذہ ومفتیانِ کرام انہی کی طرف رجوع فرماتے تھے اور فتاویٰ کی آخری تصحیح بھی استاذِ محترم کے سپرد تھی۔ ان تک پہنچنے سے قبل فتویٰ تحقیق ومطالعہ کے ایک مرحلہ سے گزر چکا ہوتا، لیکن اس کے باوجود بعض اوقات کوئی ایسا باریک نکتہ نکال لیتے تھے کہ ان کی فقاہت کی داد دینی پڑتی تھی، بسا اوقات صرف ایک لفظ بدلنے کا حکم فرماتے لیکن اس ایک لفظ کی تبدیلی سے بھی فتویٰ کا تعبیری اور تشریحی رخ ہی بدل جاتا تھا، فتویٰ کی نوک پلک سنوارنے اور ''تشــقیــق'' سے اجتناب کی ہدایت فرماتے۔ ایسے فتاویٰ جن میں مزید تنقیح یا تبدیلی کی ضرورت محسوس ہوتی ان کو اپنے بائیں طرف رکھ دیتے، اس کے لئے ''کسٹم'' کی اصطلاح اراکینِ دارالافتاء اور متخصصین میں مشہور ہے۔ حضرت استاذِ محترم کے فتویٰ روکنے کی اطلاع جب متخصص کو

ملتی تو وہ سوچ بچار میں پڑ جاتا کہ کہاں غلطی ہوئی؟ استاذ محترم طلب فرماتے اور غلطی پر متنبہ فرما کر اپنے سامنے اسی سے تبدیلی کرواتے، یوں متخصصین کی عملی تربیت کا سلسلہ بھی جاری رہتا تھا۔ افتاء میں ان کا مسلک اعتدال کا تھا، افراط وتفریط اور تشدد یا مساہلت سے نفور تھا۔ دارالافتاء کے اصول وضوابط کا حد درجہ خیال فرماتے تھے۔ افتاء میں عرف سے واقفیت اور حالات زمانہ سے آگاہی بھی ایک اہم پہلو ہوتا ہے، حضرت شہید رحمہ اللہ اس سلسلہ میں بھی خصوصی درک رکھتے تھے، اور افتاء کے میدان سے متعلق نت نئی معلومات بہم رکھتے تھے۔ اسی طرح مختلف علاقوں کی رسوم ورواج سے واقف تھے اور ان چیزوں سے فتویٰ میں مدد لیتے تھے۔ جامعہ کے دارالافتاء کا جو مرتبہ ومقام ہے، اس کے پیش نظر دارالافتاء کی کوئی ذمہ داری شاخِ نازک کی حیثیت رکھتی ہے، حضرت استاذ محترم رحمہ اللہ نے دارالافتاء کی رکنیت کو امانت خداوندی سمجھ کر گزشتہ تقریباً سترہ برس سے پوری جانفشانی وجانگدازی کے ساتھ اپنا بھرپور حصہ ڈالا ہے۔ اللہ تعالیٰ جامعہ کے اس شعبہ کو اپنے خصائص وامتیازات کے ساتھ یوں ہی قائم دائم رکھے۔ آمین!

فقہ وفتویٰ کی طرح تدریسی میدان میں بھی حضرت دین پوری رحمہ اللہ کا نمایاں مقام تھا۔ راقم الحروف کو حضرتؒ سے ہدایہ ثالث کا کچھ حصہ، ترمذی جلد ثانی، شمائلِ ترمذی، ردالمحتار اور شرح عقود رسم المفتی پڑھنے کا موقع ملا۔ فقہ تو حضرت کا اختصاصی مضمون تھا اور ہدایہ ثالث انہوں نے کافی عرصہ پڑھائی ہے، اس لئے ہدایہ میں وہ ابواب کے اصول بتلا کر اس کے تحت آنے والی جزئیات روانی سے بتاتے اور عبارت حل کرواتے جاتے اور اس طرح طلبہ کی فقہی تربیت فرماتے تھے۔ جزئیات کی بجائے ہر باب کے کلیات اور اصول کی طرف رہنمائی کرنا ہدایہ کے طلبہ میں فقہی مزاج پیدا کرنے کا ایک بہترین وقابلِ تقلید طریقہ ہے، اس لئے کہ کثرت کی بنا پر جزئیات ہاتھ نہیں آتیں اور ان کا استحضار نہیں ہو پاتا، اگرچہ حضرت مولانا انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ کی نظر میں جزئیات کی بجائے قواعد پر انحصار سے فقہ میں رسوخ پیدا نہیں ہوتا۔ (ملفوظات کشمیریؒ، ص:۲۵۹، ادارۂ تالیفاتِ اشرفیہ) لیکن مرورِ زمانہ کے ساتھ طبائع میں جو تکاسل چھا گیا ہے، اس کی بنا پر یہی صورت زیادہ مفید معلوم ہوتی ہے۔

یہ چند نمایاں اوصاف تھے جو بندہ کی کوتاہ نظر میں ممتاز اور لائقِ تقلید ہیں۔ تمام اوصاف و کمالات کا احاطہ مقصود ہے، نہ اس کی استطاعت۔ حضرت استاذِ محترم کی شہادت ان کے لئے تو باعثِ شرف ہے، بلکہ ان کی آرزو کی تکمیل ہے، لیکن رونا یہ ہے کہ ایسی شخصیات برسہا برس کی محنتوں کے بعد تیار ہوتی ہیں اور جب وہ اٹھتی ہیں تو اپنے پیچھے ایسا خلا چھوڑ جاتی ہیں، جس کے پر ہونے کا دور دور تک کوئی امکان نظر نہیں آتا۔ ایسی صورتِ حال میں موجودہ اکابر کی حفاظت اور درازیٔ عمر کی دعاؤں کے ساتھ ان کے وجود سے جو علمی وروحانی استفادہ ممکن ہو، اس میں کوتاہی برتنا کفرانِ نعمت ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ان اکابر کا سایہ ہم پر تادیر قائم رکھے۔ آمین!

لہو ہمارا بھلا نہ دینا

مولانا محمد عمران ولی
استاذ جامعہ

سمجھ سکو تو ضرورت نہیں سنانے کی
کہ دل کا خون ہے سرخی مرے فسانے کی

عیسوی سال کے پہلے مہینے کی آخری تاریخ یعنی ۳۱؍جنوری ۲۰۱۳ء کو سندھ اسمبلی کی جدید تعمیر میں کچھ احباب کے ساتھ ایک پروگرام میں حاضر ہونے کا اتفاق ہوا، وہاں پہنچے ہی تھے کہ کچھ لمحوں بعد برادرم مفتی محمد الیاس صاحب کے موبائل پر جامعہ درویشیہ کے مہتمم مولانا لیاقت علی شاہ صاحب مدظلہ ایک دردناک خبر کی اطلاع دے رہے تھے۔ دوران گفتگو مفتی صاحب کے حد درجہ اضطراب اور بے چینی کو دیکھ کر دل کھٹکا اور پھر انہوں نے گم سمی کی حالت میں یہ الفاظ ادا کر ہی دیئے کہ ''بڑے مفتی صاحب پر حملہ ہوا ہے اور وہ شہید ہو چکے ہیں'' اس دوران مزید اطلاعات آتی رہیں، مفتی صالح محمد کاروڑی اور طالب علم حسان علی شاہ کی شہادت کی خبر ناگہانی بھی پورے ملک میں جنگل کی آگ طرح پھیل گئی۔ دینِ اسلام کی خدمت وحفاظت اور اس کی آبیاری اپنے خون اور جان ومال سے کرتے اور شہادتوں کی داستان رقم کرتے ہوئے یہ تینوں حضرات سرخ لباس اوڑھے اس فانی قفسِ زندگی کی مختصر سی قید سے ہمیشہ کے لئے آزاد ہوکر بزبانِ حال یہ شعر جو حضرت مفتی دین پوری شہیدؒ اکثر سناتے تھے کہتے ہوئے راہئی خلد بریں ہوگئے:

ہمارا خون بھی شامل ہے تزئینِ گلستاں میں
ہمیں بھی یاد کرلینا چمن میں جب بہار آئے

بلا شک وشبہ یہ عظیم تر حادثہ جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے لئے بہت ہی عظیم سانحہ ہے، اس سے قبل بھی جامعہ کو اس جیسے عظیم کمر توڑ حادثات وسانحات سے دوچار ہونا پڑا ہے، جس کے زخم ابھی ہرے ہیں، وہ خلائیں پُر ہونا مشکل نظر آتی ہیں۔ حضرت مولانا حبیب اللہ مختار شہیدؒ سے لے کر مولانا سعید احمد جلال پوری شہیدؒ اور دیگر اساتذۂ جامعہ کو اسی طرح بے دردی سے سرراہ برلب سڑک خاک وخون میں تڑپایا گیا ہے، جو وقت کے مبلغین، واعظین، مجاہدین، محدثین اور مفسرین وقابل ترین مدرسین

تھے اور چلتے پھرتے کتب خانے کہلانے کے حقدار تھے۔ ہرایک اپنی ذات میں ایک انجمن اور ادارہ تھا، جنہوں نے اس مایوس اور مشکل ترین دور میں جہاں موت کی سوداگری کا بول بالا ہے، حق بات کرنا موت کو دعوت دینا ہے، دین اسلام کی سربلندی کے لئے دن رات ایک کرکے جہالت کی اندھیرنگریوں میں علم وعمل کی تابناک مشعلیں جلائیں اور للّٰہیت وخشیت اور تواضع وتقویٰ کے چراغ روشن کئے، نہ جان کی پرواہ، نہ مال کی فکر، بس اسی دین حق کی خاطر جدوجہد کرتے ہوئے جان' جان آفریں کے سپرد کر چلے۔

اسلام کے نام پر وجود میں آنے والے اس ملک میں اسلام اور مسلمانوں کی حالت زار کسی سے مخفی نہیں، پورے ملک میں بالعموم اور شہر کراچی میں بالخصوص مسلمان طبقہ خاص کر سنی دیوبندی مکتبۂ فکر سے تعلق رکھنے والے عوام وخواص سب کو ہرطرح سے کچلا جارہا ہے۔ استعماری قوتوں کے ''ٹارگٹ کلنگ'' کا عفریتِ پلید مکمل آزاد اور ریاستی وملکی محافظوں کا ''پدیوں'' سے بنا ''دستۂ امن وحفاظت'' بالکل بے بس ولاچار، روزانہ بلاناغہ موسم خزاں کے درختوں کے پتوں کی طرح بےحساب مظلوموں کی لاشیں گررہی ہیں، مگر کوئی پرسان حال نہیں۔ اغواء برائے تاوان کا بازار گرما گرم، چھینا جھپٹی عروج پر، انسانی اسمگلنگ، منشیات فروشی، بھتہ خوری، بدمعاشی اور دیگر انسانیت کش کاموں کا دھندا سرعام جاری وساری، غنڈہ گردی، چوری، ڈکیتیاں روز کا معمول، مگر ان مظلوموں کی آہ وپکار سننے والا کوئی نہیں۔ وڈیروں، جاگیرداروں، چوہدریوں اور ان کی بگڑی اولاد کو کھلی چھوٹ کہ جو جی میں آئے کرگزرو، کسی کا گھر اُجاڑ دو، کسی کا سہاگ اُجاڑ دو، کسی کے بڑھاپے کا سہارا چھین لو، خرمستی میں مست ان بدمست ہاتھیوں کو لگام دینے والا کوئی نہیں، ان کے ظلم وستم کے شکار مظلوموں کی شنوائی کرنے والا کوئی نہیں، یتیموں کی سسکتی آہیں، بیواؤں کی پُرنم حسرت بھری آنکھیں، اجڑتے سہاگ اور کچلتے معصوم ارمان، جلتے گھر، اجڑتے آنگن، گھر کا واحد سہارا اور کفیل سے محروم ان ضعیفوں اور مسکینوں کی اشک شوئی کرنے والا کوئی نہیں۔ جس کی لاش گری اس کا خون رائیگاں۔ آخر وہ کونسی آفت وپریشانی ہے جو یہاں پائی نہیں جاتی، مگر آفرین ہے ان نام نہاد حکمرانوں پر کہ ان کے کانوں پر جوں تک نہیں رینگتی۔ اپنی سیاست چمکانے اور اقتدار حاصل کرنے کی خاطر عوام کی جان ومال، گھربار، مال ومتاع کو آگ لگا کر اس پر ہاتھ تاپنے والے اقتدار کے نشہ میں مدہوش ان حکمرانوں کو وہ دن بھی یاد کرلینا چاہئے کہ جب انصاف کی کرسی پر اس قہار وجبار کی ذات ہوگی جس کے ہاں انصاف ہی انصاف ہے، ظلم کا تصور نہیں، اس دن کہاں بھاگوگے؟ أین المفر ؟

آج ہمارا پورا ملک دہشت گردی کی لپیٹ میں ہے، اس حوالے سے اگر صرف شہر کراچی کا جائزہ لیا جائے تو صرف پانچ سالوں میں دہشت گردی کا نشانہ بننے والوں کی تعداد تقریباً ۶۶۰۱ بنتی ہے۔ سال ۲۰۱۰ء

میں۱۳۱۰افراد کی ٹارگٹ کلنگ ہوئی، ۲۰۰۹ء میں ۱۰۰۱افراد، ۲۰۰۸ء میں ۷۷۷افراد کو ناحق قتل کیا گیا۔

اخبارات وجرائد کے اعداد وشمار کے مطابق اگر ۱۹۹۸ء سے ۲۰۰۷ء تک دیکھا جائے تو ان دس سالوں میں ۲۰۲۰ افراد کو دہشت گردوں نے موت کی نیند سلایا۔ ۲۰۰۷ء میں ۳۴۴، ۲۰۰۶ء میں ۲۷۸، ۲۰۰۱ء میں ۱۰۷، ۲۰۰۰ء میں ۸۴، ۱۹۹۹ء میں ۸۴، اور ۱۹۹۸ء میں ۷۶۲ افراد دہشت گردوں کے ہاتھوں جان کی بازی ہار گئے، جبکہ اس ناحق قتل وغارت گری میں ۲۰۰۸ء کے بعد سے بہت تیزی آئی، یہی وجہ ہے کہ ۲۰۱۲ء کے آخر میں کراچی کو دنیا کا سب سے خطرناک ترین شہر قرار دیا گیا۔ سالِ نو ۲۰۱۳ء کے پہلے مہینہ میں ۴۸۶ افراد کو ٹارگٹ کیا گیا، جن میں ہمارے استاذ محترم حضرت مفتی عبدالمجید دین پوری شہیدؒ اور مفتی صالح محمد کاروڑی شہیدؒ (رفیق دارالافتاء) بھی شامل ہیں، جنہیں دن دَہاڑے ابلیس کی ذریت نے ہزاروں لوگوں کی موجودگی میں نشانہ بنایا اور فرار ہونے میں کامیاب ہوگئے۔

حضرت بڑے مفتی صاحب اور ان کے رفیق کار مفتی صالح محمد دارالافتاء کے بنیادی ستونوں میں تھے۔ اللہ تعالیٰ نے غضب کا حافظہ عطا فرمایا تھا، گویا کلیات وجزئیات بمع دلائل وحوالہ جات مستحضر تھے، اور یہی وجہ تھی کہ ان کا وجودِ مسعود دارالافتاء کے لئے ایک نعمتِ عظمیٰ تھی۔ ہمیں حضرت بڑے مفتی صاحب سے درجہ سابعہ میں ہدایہ ثالث پڑھنے کی سعادت حاصل ہوئی۔ یوں کہئے کہ پوری ہدایہ از بر تھی۔

تواضع وملنساری کی اعلیٰ مثال تھے، نمازوں کے حد درجہ پابند تھے۔ آخری وقت میں جب گھٹنوں کی تکلیف بڑھ گئی تو جمشید روڈ میں موجود اپنی مسجد تشریف نہیں لے جاتے تھے، بلکہ جامعہ ہی میں نماز باجماعت ادا فرماتے، باوجود یکہ گھٹنوں کی تکلیف کافی تھی۔ فجر کی نماز کے بعد بیٹھ کر اپنے اذکار پورے فرماتے۔ حضرت کا اس دوران ایک خاص معمول یہ تھا کہ کچھ پڑھ کر چاروں اطراف پھونکتے اور سیدھی ہاتھ کی ہتھیلی کو تقریباً تین مرتبہ زمین پر ہلکا ہلکا مارتے، معلوم نہیں کہ استاذ جی کیا پڑھتے۔ شہادت والے دن اتفاق سے بندہ استاذ محترم سے نماز فجر میں دو، تین صف پیچھے بیٹھا تھا، ان کے اٹھنے سے پہلے اٹھا، مزارات کی طرف سیڑھیوں پر حضرت کی سرمئی رنگ کی ایروسوفٹ چپل کو سیدھا کرنے کی سعادت حاصل ہوئی اور اس خوف سے کہ استاذ جی کہیں اس پر ناگواری کا اظہار نہ فرمادیں جلدی سے ایک طرف نکل لیا۔ استاذ محترم فجر کے بعد بلاناغہ حضرت علامہ بنوریؒ، حضرت مفتی احمد الرحمٰنؒ، مولانا ڈاکٹر حبیب اللہ مختار شہیدؒ اور مولانا محمد بنوریؒ کے مزارات پر فاتحہ پڑھتے، اس دن بھی فاتحہ پڑھی (جیسا کہ میں ان کو ابھی بھی اس حال میں دیکھ رہا ہوں کہ عصا کو سیدھے ران کے سہارے چھوڑ کر سیدھے ہاتھ کی انگلیوں پر کچھ پڑھ رہے ہوں) اس کے بعد دارالافتاء تشریف لے جاتے، دورۂ حدیث میں ترمذی شریف کا پہلا گھنٹہ تھا، اس سے فارغ ہوکر گھر تشریف لے جاتے اور ناشتہ تناول فرما کر واپس دارالافتاء تشریف لے

آتے اور دفتر محاسب کے سامنے سے ہی گزر ہوتا تو اندر کی طرف دیکھ کر مخصوص انداز میں سر ہلا کر سلام فرماتے، اکثر اندر بھی تشریف لے آتے، بے شمار یادیں ہیں جو دل ودماغ پر نقش ہیں۔

استاذ جی کی شہادت کا دوسرا مہینہ شروع ہو چکا ہے، مگر دل ودماغ میں ہلچل ہے، دل مضطرب ہے اور ایسا کیوں نہ ہو کہ جس بے دردی سے دن دہاڑے سرِعام ہمارے استاذ محترم کو ہم سے جدا کیا گیا اور ان کا معصوم جسم گولیوں سے چھلنی کیا گیا، اس پر ہمیشہ دل اداس وغمگین رہے گا۔

حضرت کے صاحبزادے مولوی محمد زبیر نے بتایا کہ آخری دنوں میں ہم نے نوٹ کیا تھا کہ گھر سے نکلتے نکلتے کچھ رک سے جاتے تھے، جیسا کہ کچھ بولنا چاہ رہے ہوں اور بول نہیں پاتے۔ اور تقریباً یہی صورت حال ہمارے والد (مفتی محمد ولی درویشؒ) کے ساتھ بھی ہوگئی تھی کہ وفات سے قبل گھنٹوں گھنٹوں گہری سوچ میں ڈوبے ہوتے، تخصص کی کلاس میں مغرب کے بعد بیٹھتے تو باہر کیاریوں کی طرف دیکھتے ہوئے سوچوں میں گم ہوتے، قیلولہ کے حد درجہ پابند تھے، مگر قیلولہ کے وقت بھی چھت کو تک رہے ہوتے، پنکھا بند کرنا یاد نہ رہتا، طبیعت میں ایک دم سے خاموشی چھا چکی تھی اور ایک واضح تبدیلی ہم نے محسوس کی تھی، پھر اچانک ۱۷ر اگست ۱۹۹۹ء کو آپ کا افغانستان جانے کا ارادہ ہوا، اور ۱۹ر اگست کو آپ نے داعئ اجل کو لبیک کہا۔

وفات کے کئی دنوں بعد والدہ ماجدہ حفظہا اللہ نے خواب دیکھا کہ والد صاحب فرما رہے ہیں کہ: ''میں نے خواب دیکھا تھا کہ ایک بزرگ میرے پاس آئے اور مجھ سے کہا کہ آپ کا سب کچھ معاف کر دیا گیا ہے اور مجھے ایک تھیلی دی جس میں سفید کپڑا تھا، اس دن کے بعد سے میرا دل گھر میں نہیں لگتا تھا''، **واللہ أعلم بالسرائر**۔

بہرحال! اللہ کے دربار میں یہ اکابرین حاضر ہوگئے، اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے اور ان کے مبارک خون سے اسلام کی نشأۃ ثانیہ فرمائے۔

آخر میں ''**ختامہ مسک**'' کے طور پر حضرت مفتی عبدالمجید دین پوری شہیدؒ کی ایک مختصر سی تحریر جو انہوں نے اپنی والدہ ماجدہ کی وفات پر آج سے تقریباً (۴۲) بیالیس سال قبل قلم بند کی تھی پیش خدمت ہے۔ اس وقت حضرت مفتی صاحبؒ جامعہ ہذا میں دورۂ حدیث کے طالب علم تھے اور یہ تحریر حضرت مفتی صاحبؒ کی ترمذی شریف کی اپنے ہاتھ سے لکھی ہوئی کاپی کے بالکل آخری صفحہ پر درج ہے، اور اتفاق سے والدہ ماجدہ کی تاریخ وفات بھی ۳۱ر ہے، وہ تحریر یہ ہے:

''(ہوالعظیم)

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

یلوح الخط فی القرطاس دھراً

وکاتبہ رمیم فی التراب

بروز منگل بتاریخ ۸؍رجب ۱۳۹۱ھ بمطابق ۳۱؍اگست ۱۹۷۱ء کو والدہ ماجدہ رحیم یار خان ہسپتال میں جگر کی خرابی کے سبب بوقت دس بجے صبح اپنے محبوب حقیقی سے جاملیں، إنا لله وإنا إليه راجعون.

اور اسی دن شام کو دین پور شریف میں حضرت دین پوریؒ کے جوار اور والدہ ماجدہ کے دادا کے قدموں میں سپرد خاک کردیا گیا۔ بندہ کو ٹھیک ۲۴ گھنٹے بعد کراچی میں اطلاع ملی اور اسی وقت بذریعہ تیز رو، رات کو گیارہ بجے گھر پہنچ گیا، گھر مہمانوں سے بھرا ہوا تھا، والد ماجد أطال الله ظله علينا سارے دن کے تھکے ماندے تھوڑی دیر پہلے سو چکے تھے، محترم چچا علامہ صاحب جاگ رہے تھے، گھر اور سب تھے، لیکن مہمان نواز میزبان کسی طرف نظر نہیں آتی تھی۔ چونکہ سالانہ امتحان میں باقی چند یوم تھے، اس لئے صرف چھ دن گھر رہ کر دوبارہ کراچی آنا پڑا۔ اگرچہ وہاں سے تعلیم کے لئے جلدی آ گیا ہوں، لیکن یہ حالت ہوچکی ہے کہ دل کسی کام میں نہیں لگتا، امتحان بالکل سر پر آ پہنچا، خدا جانے کیا ہوگا، خداوندقدوس سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ کامیاب فرمادے اور والدہ ماجدہ کو اپنے جوار رحمت میں جگہ عنایت فرمادیں، آمین ثم آمین۔

نوشتہ بماند سیاہی بر سفید
نویسندہ را نیست فردا امید

کتبہ العبد محمد عبدالمجید دین پوری عفی عنہ
شریک دورۂ حدیث مدرسہ عربیہ اسلامیہ نیوٹاؤن کراچی (۵)
۸؍رجب ۱۳۹۱ھ بروز جمعہ بوقت گیارہ بجے رات''

جبکہ اس کے متصل ہی کسی نے یوں لکھا ہے:

''بارگاہِ رب العزت میں دست بدعا ہوں کہ اللہ تعالیٰ جناب مفتی عبدالمجید صاحب کی والدہ کو اپنے جوار رحمت میں جگہ عنایت فرماویں، آمین بندہ جمشید علی عفی عنہ''۔

اللہ تعالیٰ حضرت استاذنا المکرّم مفتی صاحب اور ان کے رفقاء کرام کی شہادت عظمیٰ کو قبول فرمائے اور ان کے درجات بلند فرمائے اور ان کے طفیل ہم سب کو کامیاب وکامران فرمائے۔

ایں دعا از من واز جملہ جہاں آمین باد

مفتی عبدالمجید دین پوری شہیدؒ کی یادیں

مولانا عبدالصمد، محراب پور

لو کانت الدنیا تدوم بواحد
لکان رسول اللّٰہؐ فیها مخلدا

بروز جمعرات ۳۱/جنوری ۲۰۱۳ء بقیۃ السلف حضرت مفتی صاحب دین پوری نوراللہ مرقدہ اپنے ہر دلعزیز دوست حضرت مولانا قاری اسلام الدینؒ کی تعزیت ورفع درجات کی دعاء کے لئے محراب پور تشریف لانے والے تھے، پروگرام طے ہوگیا تھا، اور سفر کے لئے سارے انتظامات مکمل ہو چکے تھے، اور محراب پور میں آپ کے شاگرد بعد از اطلاع استقبال کے لئے مصروف عمل تھے اور خوشی سے پھولے نہیں سما رہے تھے، واقعتاً آپ کے شاگردوں کے لئے یہ دن عید سے کم نہیں تھا کہ اچانک بعد از نماز ظہر تقریباً ۳/ بجے انتہائی اندوہناک، دل سوز اور جسم کے رونگٹے کھڑے کر دینے والی (آپ کی شہادت) کی خبر ملی تو پہلے تو یقین ہی نہیں آرہا تھا، پھر جب مزید رابطوں سے حقیقت حال واضح ہوئی تو ہماری خوشی غمی میں تبدیل ہوگئی، امیدوں پر پانی پھر گیا، سارے ساتھی سر پکڑ کر بیٹھ گئے کہ کیا ہونا تھا اور کیا ہوگیا؟ سارے بدن میں سکتہ سا طاری ہوگیا اور دل ودماغ کام کرنا چھوڑ گئے اور آنکھوں کے سامنے اندھیرا سا چھا گیا اور آنکھوں سے آنسو اس قدر جاری ہوئے کہ تھامے تھم نہیں رہے تھے، ان کیفیات کا ادراک وہی کرسکتا ہے جس کے ساتھ یہ بیتا ہو۔ بہر حال اب دونوں اکابر کی اعلیٰ علیین میں ملاقات بھی ہوگی اور عیادت وشہادت پر ایک دوسرے کو مبارک باد بھی دے رہے ہوں گے۔

حضرت مفتی صاحب کا شمار ان شخصیات میں ہوتا ہے جن کے بارے میں حلفیہ کہا جاسکتا ہے کہ انہوں نے کبھی بھی کسی کو زبان وہاتھ سے تکلیف نہیں پہنچائی اور ان کے قول وفعل سے کبھی بھی فرقہ واریت، انتشار ونفرت کی بو نہیں آئی، بلکہ انہوں نے ہمیشہ اتحاد، اتفاق، محبت واخوت بین المسلمین کا سبق دیا ہے۔ ایسی مقدس شخصیات کے ناحق قتل اور ظلم سے ظالموں کو کیا ملا ہوگا؟ آپ پر جو بربریت کی گئی ہے اس سے تو یقیناً عرش الٰہی بھی ہل گیا ہوگا اور بحر وبر کی مخلوق نے آنسو بھی بہائے ہوں گے۔

حضرت مفتی صاحب ہم سب کے مشترکہ قیمتی اثاثہ تھے۔ انہوں نے اپنی زندگی دین اسلام کی

اشاعت وتبلیغ اورعوام الناس کے دینی ودنیوی مسائل کا حل حدودشرع میں رہتے ہوئے ملک وقوم کی ترقی وبہبود پرخرچ کردی۔ان کی رحلت موت العالم،موت العالم کاحقیقی مصداق ہے۔اس طرح کے ہیرے طویل عرصہ کے بعد دنیامیں جلوہ گر ہوتے ہیں۔ان کی شہادت سے صرف ان کے اہل خانہ ہی یتیم نہیں ہوئے، بلکہ ہزاروں کی تعداد میں ملک وبیرون ملک کے تمام شاگردیتیم ہوگئے ہیں۔ان کی رحلت فرمانے سے جوخلا ہوا ہے، فی الحال اس کا پر ہونا مشکل نظرآرہاہے۔دعاہے کہ اللہ پاک آپ کی علمی میراث کوتاقیامت جاری وساری رکھےاوران کے لئے صدقہ جاریہ بناکران کے رفع درجات کازینہ بنائے۔آمین یارب العالمین!

زندگی کی چند نصیحت آموزیادیں

ا:......حضرت مفتی صاحب میرے استادومربی تھے، بندہ نے آپ کے پاس جامعہ اشرفیہ سکھر میں تین کتابوں کے پڑھنے کا شرف حاصل کیا تھا:ا:......رابعہ کا ترجمہ۔۲:......دیوان متنبیؔ۔۳:......مشکوٰۃ شریف۔اس وقت تقریباً دودہائیاں گزرنے کو ہیں،لیکن حضرت استادمحترم کا اندازسبق ابھی تک بحمداللہ تعالیٰ میرے ذہن نشین ہے۔حضرت استاد صاحب کا انداز تدریس انتہائی آسان اور عام فہم تھا۔اللہ رب العزت نے استادمحترم میں ہرایک طالب علم (غبی،متوسط،اعلیٰ) کے دل ودماغ میں سبق اتارنے کی صلاحیت ودیعت کررکھی تھی۔ہمیں تو استادمحترم کا سبق (دوران گھنٹہ) ان کے پڑھاتے ہی یادہوجاتا تھااورذہن میں ایسانقش ہوجاتا کہ اگرکبھی کبھاررات کوتکرارومطالعہ کا موقع نہ بھی ملتا تب بھی اگلے دن وہی تقریر(جواستادمحترم نے پڑھائی ہوتی) ہوبہوسنادیاکرتے تھے۔ہماری پوری کلاس کے ساتھ یہی معاملہ تھا، حالانکہ سختی بالکل نہیں فرماتے تھے۔مزیدبرآں استادمحترم سبق کے ہرہرپہلو، ہرہربحث کواس طرح بیان فرماتے کہ اورکوئی پہلو یاتفصیل تشنہ نہ چھوڑتے۔

ترجمۂ قرآن پاک میں سب سے پہلے ایک رکوع کالفظی ترجمہ کرتے،اس کے بعد آیات کا شان نزدل وتفسیر بیان فرماتے اورساتھ ساتھ مشکل الفاظ کامعنیٰ سہل الفاظ اورسلیس اردومیں بیان فرمادیاکرتے، آخر میں پھرایک بار دوبارہ رکوع کا لفظی ترجمہ کرکے سبق کو پورا کردیا کرتے تھے۔ سورۃ الکہف کا سبق جب شروع ہوا تو استاد صاحب نے فرمایا کہ:’’اس سورت کی ابتدائی دس آیات کا پڑھتے رہنا فتنۂ دجال سے محفوظ رکھنے کا اہم ذریعہ ہے‘‘۔الحمدللہ بندہ نے اس وظیفہ کا اثر ہرفتن میں آزما کردیکھا۔ان دودہائیوں میں جب کبھی فتنوں سے واسطہ پڑاتواس عمل کی بدولت نجات پائی۔

اسی طرح دیوان متنبیؔ میں استادمحترم کا طریقۂ تدریس یہ تھا کہ سب سے پہلے الفاظ کی لغوی و صرفی تحقیق فرماتے،اس کے بعد اشعار کالفظی وبامحاورہ ترجمہ کرتے اورطلباء کو یادکرنے کا موقع دیتے اورآخرمیں ایک بارپھرترجمہ کرتے اورسبق ختم فرماتے۔تاہم سبق کے ہرایک پہلوکوبیان کرنے کے بعد پھربھی وقت بچ جاتا، یہ درحقیقت ان کی کرامت تھی۔

نیز مشکوٰۃ شریف میں اولاً طالب علم سے حدیث پڑھواتے، اس کے بعد اس حدیث کا ترجمہ کرتے، پھر ائمہ کا اختلاف، پھر دلائل و جوابات اور وجوہ ترجیح احناف بیان کر کے سبق ختم فرماتے۔

۲:......احقر نے استاد محترم میں دو چیزیں اور دیکھیں: ا:...... وقت کی پابندی۔۲:...... وقت کی قدر و قیمت۔ یہ دونوں چیزیں آپ کے مزاج میں داخل تھیں اور ان پر عمل کرنا آپ کی طبعیت ثانیہ بن گئی تھی۔

بندہ نے ان تین سالوں میں آپ کو یا تو پڑھاتے یا قرآن پاک کی تلاوت کرتے یا نوافل میں کھڑے ہوئے دیکھا، کبھی بھی آپ کو اس کے خلاف نہ دیکھا۔ اگر طلبہ کرام کو کلاس میں داخل (حاضر) ہونے میں کچھ تاخیر ہوجاتی تو حضرت استاد محترم ان منٹوں اور لمحات کو قیمتی بنانے کی غرض سے قرآن پاک کی تلاوت میں مشغول ہوجاتے اور طلبہ کرام کے آتے ہی تلاوت بند کر کے سبق شروع فرمادیتے تھے، **جزاہ اللّٰہ جزاء حسنا وافیا**۔ اور درس میں نہ اتنی طوالت ہوتی کہ طلبہ اکتا جائیں اور نہ اتنا اختصار کہ طلبہ تشنہ رہ جائیں۔ بہر حال آپ کا طرزِ تدریس اور اندازِ تفہیم بہت ہی عمدہ اور سہل تھا۔

حضرت الاستاد صاحب نور اللہ مرقدہ کی یہ دو باتیں (انداز تدریس، وقت کی پابندی و قدر و قیمت) میرے دل و دماغ میں اس قدر راسخ ہوچکی ہیں کہ آج بھی مجھے ایسے نظر آتی ہیں جیسے آئینہ میں اب دیکھ رہا ہوں۔ حضرت استاد صاحبؒ کی ان دو صفات کو اپنانے کی بالخصوص نئے فضلاء کرام کو اس وقت زیادہ ضرورت ہے، اس لئے کہ اس انداز تدریس میں بہت مطالعہ درکار ہوتا ہے، لہٰذا اس سے خود استاد کا ذاتی طور پر بھی فائدہ ہوگا کہ صلاحیت دن بدن بڑھتی چلی جائے گی اور طلبہ کرام بھی مطمئن رہیں گے۔

۳:...... ایک مرتبہ حضرت الاستاد صاحب کو وفاق المدارس العربیہ کی جانب سے سالانہ امتحان میں بمقام کولاب جیل نگران اعلیٰ کی ذمہ داری سونپی گئی۔ دریں اثنا کسی نگران نے عین وقت پر معذرت کرلی تو حضرت استاد صاحب نے بندہ کو حکم فرمایا کہ تم میرے ساتھ بطور نگران کے معاونت کرو۔ بندہ حکم کی تعمیل بجالانے کے لئے استاد صاحب کے ساتھ ہوگیا۔ دوران نگرانی درجہ ثانیہ کے ایک طالب علم نے بندہ سے "**لا تسبوا الدیک فإنه یو قظ للصلوة**" حدیث میں لفظ "**الدیک**" کا ترجمہ پوچھا، طالب علم میرے منع کرنے پر بہت اصرار کرنے لگا۔ اسی اثنا میں حضرت استاد محترم کی ہم پر نظر پڑ گئی اور ہمارے پاس تشریف لے آئے، حضرت کے سامنے بھی طالب علم نے وہی سوال دہرایا تو استاد محترم نے اس طالب علم سے جواباً فرمایا کہ بیٹھ جائیں، اگر فلاں نگران صاحب کو پتہ لگ گیا تو کہیں وہ مجھے مُرغا نہ بنادے، لیکن طالب علم کو پھر بھی بات سمجھ میں نہیں آئی، اس لئے کہتے ہیں کہ نقل کے لئے عقل کی ضرورت ہوتی ہے۔

واقعی آپ کی زندگی ہم جیسوں کے لئے نمونہ و مشعل راہ ہے اور آپ کی عملی زندگی اس قابل ہے کہ اسے اپنا کر ان کے نقش و قدم پر چلتے ہوئے اپنے شب و روز اس کے مطابق گزارنے کی کوشش کی جائے۔ دعا ہے کہ اللہ پاک عمل کی توفیق عطا فرمائے اور حضرت استاد محترمؒ کو خلد بریں میں جگہ عنایت فرما کر ہر گھڑی ہر لحظہ آپ کے درجات کو بلند فرمائیں، آمین ثم آمین۔

شفیق باپ کی شہادت

محمد افضل شاکر
داماد حضرت مفتی صاحبؒ

۳۱رجنوری بروز جمعرات حسب معمول جمشید روڈ سے جب میں مفتی صاحب کے گھر بنوری ٹاؤن آیا، گھر والوں نے کہا کہ: مفتی صاحب آنے والے ہیں، آپ اور مفتی صاحب ناشتہ اکٹھے کرلیں۔ میں نے کہا کہ: نہیں آج مجھے جلدی جانا ہے، آپ مجھے ناشتہ دے دو۔ میں ابھی ناشتے سے فارغ ہی ہوا تھا کہ مفتی صاحب تشریف لے آئے، مفتی صاحب نے آتے ہی گھر والوں سے پوچھا کہ: میرا بیگ تیار ہوگیا؟ تیاری ہوگئی ہے؟ میں نے مزاح کیا کہ حضرت! ہر وقت کسی نہ کسی دورے اور سفر پر رہتے ہیں، کچھ ٹائم گھر والوں کیلئے بھی نکال لیا کریں۔ مفتی صاحب نے اپنے مخصوص انداز میں ہنس کے جواب دیا کہ یہ سفر بہت ضروری ہے، مجھے ہر حال میں جانا ہے (آج مفتی صاحب نے جامعہ اسلامیہ درویشہ سے واپسی پر محراب پور جانا تھا) لیکن اللہ تعالیٰ کو کچھ اور منظور تھا کہ سفر کی تیاری تو آپ نے ٹھیک کی ہے، لیکن آپ کی ٹکٹ محراب پور کی نہیں، بلکہ جنت کی کٹ چکی ہے۔ اس طرح مفتی صاحب جامعہ بنوری ٹاؤن سے مفتی صالح محمد کے ہمراہ دن کے بارہ بجے حسان علی شاہ جو حسب معمول مفتی صاحب کو روزانہ لینے آتا تھا تینوں حضرات بنوری ٹاؤن سے ہائی روف پر روانہ ہوئے۔ ظالموں نے فائرنگ کردی، تینوں حضرات موقع پر جامِ شہادت نوش فرما گئے، إنالله وإنا إليه راجعون۔

مجھے فون آیا کہ ہمیں یہ خبر ملی ہے، میں نے مولانا اسعد مدنی کو فون کیا، مولانا اسعد مدنی نے بھی تصدیق کردی۔ اس کے بعد میری حالت ایسی تھی جیسے مجھ پر سکتہ طاری ہوگیا ہو۔ کافی دیر بعد ہمت کر کے گھر آیا، گھر میں جو رقت آمیز مناظر تھے، وہ ہم سب کے کنٹرول سے باہر تھے، یقین ہی نہیں آرہا تھا کہ ایسا ہوگیا ہے، میں کسی کو تسلی تو کیا دیتا، خود کی حالت ایسی تھی۔ اللہ نے مفتی صاحب کی اولاد کو بڑا صبر دیا، ان سے بڑھ کر زیادہ دکھ اور کس کو ہوسکتا ہے؟ جن کا شفیق باپ، محبت کرنے والا باپ اچانک ان سے جدا ہوگیا ہو، ان کے دل کی کیفیت تو صرف وہی جان سکتا ہے جو ان مراحل سے گزر رہا ہو۔ میرا اور آپ کا

دکھ اپنی جگہ، لیکن ان کی اولاد کو جو جدائی کا دکھ ہے ہم اور آپ اس کا اندازہ بھی نہیں کرسکتے۔ اللہ تعالیٰ مفتی صاحب کی اولاد کو صبر جمیل اور استقامت عطاء فرمائے، آمین۔

موت کا ایک دن مقرر ہے ہر انسان نے اس جہان فانی سے رخصت ہونا ہے لیکن شہادت کی موت اور شہادت بھی ایسی کہ باوضو ایک جگہ سے حدیث کا سبق پڑھا کے دوسری جگہ حدیث کا سبق پڑھانے جارہے تھے کہ جام شہادت نوش فرماگئے، ایسی شہادت تو اللہ کے خاص بندوں کو ہی نصیب ہوتی ہے۔

مفتی صاحب کا جسد خاکی جامعہ میں لایا گیا، لائن بناکر سب لوگوں کو دیدار کرایا گیا میں نے دیدار کیا تو یقین کریں ایسا لگ رہا تھا جیسے بہت ہی گہری نیند میں ہوں۔ چہرے پر اتنا اطمینان اور سکون تھا کہ جیسے ہم سب کو یہ پیغام دے رہے ہوں کہ میں تو بہت خوش ہوں اور آپ سب کو بھی خوش ہونا چاہئے۔ مفتی صاحب کا پہلے ہی بہت بلند مقام اور اعلیٰ مرتبہ تھا، شہادت نے اس مقام کو اور چار چاند لگادیئے۔ سچ پوچھیں تو اتنی بڑی ہستی ہمارے درمیان رہی اور ہم نے ٹھیک سے ان کی قدر نہیں کی اور نہ ہی ان سے مستفید ہوئے۔ نماز جنازہ نماز عصر کے بعد رکھا گیا، اتنے کم وقت میں اتنا بڑا اجتماع جمع ہوگیا تھا کہ تاحدِ نگاہ لوگ ہی لوگ تھے۔ نماز جنازہ جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے رئیس حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر نے پڑھائی۔ نماز جنازہ کے بعد ہم سب ایمبولینس اور ایک بس جس میں تمام رشتہ دار سوار تھے کراچی سے خانپور روانہ ہوئے، خانپور دوسرے دن صبح آٹھ بجے پہنچ گئے، جیسے ہی خانپور میں داخل ہوئے جمعیت علماء اسلام اور جمعیت طلباء اسلام کے لوگوں نے ایمبولینس کو گھیرے میں لے لیا، چوک ڈاکٹر رازی تک ایمبولینس پر پھول نچھاور کرتے آئے، چوک رازی بھائی عبدالکریم دین پوری جو کہ مفتی صاحب کے چھوٹے بھائی ہیں کے گھر پر جسد خاکی کو رکھا گیا، تمام رشتہ داروں کو دیدار کرایا گیا، دس بجے آہوں اور سسکیوں کے ساتھ مفتی صاحب کو نماز جنازہ کے لئے نارمل اسکول لایا گیا، نماز جنازہ سے قبل جامعہ کے استاد محترم مولانا مفتی رفیق احمد بالاکوٹی نے مختصر لیکن بڑا ہی جامع بیان فرمایا، نماز جنازہ میاں مسعود احمد دین پوری صاحب مدظلہ نے پڑھایا، خان پور میں بھی نماز جنازہ میں کافی رش تھا۔ حضرت مولانا محمد عبداللہ درخواستی اور مولانا عبدالشکور دین پوری کے جنازے کے بعد میں نے اتنا بڑا جنازہ دیکھا۔ نماز جنازہ کے بعد ایک مرتبہ پھر مفتی صاحب کا دیدار کرایا گیا، اس کے بعد مفتی صاحب کو ان کی آخری آرام گاہ کی طرف لایا گیا، دین پور کے تاریخی قبرستان میں اپنے بڑے بھائی حکیم عبدالجمیل دین پوری کے ساتھ سپرد خاک کیا گیا۔

مفتی صاحب کی جدائی کا دکھ جہاں انکے گھر والوں کو اور بہن بھائیوں کو تھا اس کے ساتھ ساتھ میں اگر اپنی کیفیت بیان کروں تو میری حالت ایسی تھی کہ بات بات پر آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑتے

تھے، مجھے ایسے لگتا تھا جیسے میں نے تمام آنسوں اس عظیم ہستی کے لئے چھپا کے رکھے تھے، چار سال مفتی صاحب کے ساتھ اعتکاف میں بیٹھنے کا اتفاق ہوا، مفتی صاحب دورانِ اعتکاف نہ صرف ایک دن میں پورا قرآن پاک کا ختم کرتے تھے، بلکہ اس کے ساتھ ساتھ دیگر معمولات عبادت کا بھی خوب اہتمام کرتے تھے۔ اہلِ محلّہ مفتی صاحب کے ساتھ اعتکاف میں بیٹھنے کو اپنی سعادت سمجھتے تھے، ہمیں کہتے تھے آپ روازانہ کم ازکم پانچ پارے ضرور پڑھا کرو۔ سفر میں بھی عبادات کا خاص اہتمام کرتے تھے، ہر وقت تسبیحات میں مصروف رہتے تھے۔

ایک دفعہ میں اور مفتی صاحب خانپور سے کراچی بذریعہ بس آرہے تھے، جب صبح کی نماز کا ٹائم ہوا تو مفتی صاحب نے بس کے ڈرائیور کو کہا کہ نماز کا ٹائم ہوگیا ہے، ڈرائیور نے کہا کہ تھوڑی دیر بعد روکتا ہوں، لیکن کچھ دیر بعد جب مفتی صاحب نے یہ دیکھا کہ ٹائم نکلا جارہا ہے تو مفتی صاحب نے بڑے غصے میں کہا کہ بس روکو، پھر اس نے بس روکی اور ہم نے باجماعت فجر کی نماز ادا کی۔

جس سال مفتی صاحب کراچی آئے تھے، اس کے ایک سال بعد میں بھی کراچی ملازمت کے سلسلے میں آگیا تھا۔ اسی اثناء میں مجھے جب بھی کوئی مشکل ہوتی، میں مفتی صاحب سے ضرور مشورہ کرتا، مفتی صاحب میری رہنمائی فرماتے تھے۔ مفتی صاحب کے اندر خداداد صلاحیتیں تھیں، کاروباری مشکلات کے بارے میں اکثر مفتی صاحب سے مشورہ کرتا تھا اور مفتی صاحب میری مشکلات کا حل ایسے نکالتے تھے کہ جیسے یہ کوئی بہت بڑے بزنس مین ہوں۔

ایک دفعہ میرے ایک بزنس مین دوست کو کاروبار میں کوئی بہت بڑی مشکل پیش آگئی، میں اسے مفتی صاحب کے پاس لے آیا، جب مفتی صاحب نے اسے سمجھایا تو وہ اتنا حیران ہوا اور اس نے مجھ سے پوچھا کہ کیا مفتی صاحب نے ایم، بی، اے کیا ہوا ہے؟ اتنی وضاحت اور فصاحت کے ساتھ تو کوئی ایم، بی، اے بھی نہیں سمجھا تا، جتنی فصاحت و بلاغت کے ساتھ مفتی صاحب نے مجھے نہ صرف سمجھایا، بلکہ مجھے مطمئن کردیا۔

مفتی صاحب کی شہادت کی خوشی کے ساتھ ہم سب کو ان کی جدائی کا دکھ تو ہمیشہ رہے گا لیکن جب ہم مفتی صالح محمد شہیدؒ کے گھر تعزیت کے لئے گئے تو وہاں کے مناظر کچھ اور ہی تھے۔ ان حضرات کو ہمارے آنے کی اطلاع پہلی سے تھی، سب حضرات نے اپنے گھر کے باہر ہمارا استقبال ہنستے مسکراتے چہروں کے ساتھ کیا، جب گھر گئے تو گھر میں کھانے کا ایسا انتظام کیا ہوا تھا، ایسے لگتا تھا کہ جیسے ہم کسی شادی میں آئے ہوں۔ کھانے کے بعد مفتی صالح محمد شہیدؒ کے بھائی نے سب حضرات کا مٹھائی کے ساتھ منہ میٹھا کرایا، میں یہ سب حیران ہوکر دیکھتا رہا، یہ سب کچھ دیکھ کر مفتی عبدالمجید دین پوری شہیدؒ کے بھائی

برادرم حکیم محمد عبداللہ سے رہا نہ گیا اور وہ رو پڑے، لیکن کمال کا اللہ نے ان لوگوں کو صبر دیا کہ مفتی صالح محمد شہیدؒ کے بھائی نے فرمایا کہ: آپ روتے کیوں ہیں؟ آپ ہمیں مبارک دیں کہ ہمارا بھائی اللہ کی راہ میں شہید ہوا ہے۔ مفتی صالح محمد شہیدؒ کے بھائی نے بتایا کہ: ہمارے خاندان میں یہ پہلا عالم ہے اور پہلا ہی شہید ہے، ہمارے بھائی کی شہادت نے ہمارے پورے خاندان میں ہمارا مقام اتنا بلند کر دیا ہے کہ جس کا ہم نے کبھی تصور بھی نہیں کیا تھا۔ مفتی صالح محمد شہیدؒ کے بوڑھے باپ کا حوصلہ بھی قابل دید تھا، دنیا کا کونسا ایسا باپ ہوگا جس کو اپنے لخت جگر کے بچھڑنے کا دکھ نہ ہوتا ہو، ان کو دکھ تو تھا، لیکن شہادت کا اتنا بلند مقام ان کے سامنے تھا، یعنی سب حضرات بہت ہی خوش تھے۔ اور پھر اسی طرح کے جذبات مولانا حسان علی شہیدؒ کے گھر والوں کے بھی تھے، وہاں سے واپس آنے کے بعد ہمارے اندر بھی کچھ حوصلہ اور ہمت آئی کہ ان کا بھی تو وہی غم ہے جو ہمارا ہے۔

آخر میں صرف اتنا کہوں گا کہ جہاں وہ اپنے لاکھوں چاہنے والوں کو جدائی کا صدمہ دے گئے ہیں، وہاں مجھے بھی ان کی جدائی کا اتنا صدمہ ہے کہ اب کسی چیز میں دل ہی نہیں لگتا، نہ کام پر جانے کو جی چاہتا ہے اور نہ ہی گھر میں سکون ملتا ہے، زندگی میں اتنی بے چینی اور بے کیف سی طبیعت آج سے پہلے کبھی نہیں ہوئی۔ دل ہے کہ اس بات کو ماننے کو تیار ہی نہیں کہ مفتی صاحب ہم سے ہمیشہ کیلئے جدا ہو گئے ہیں، ایسے محسوس ہوتا ہے کہ ابھی آ جائیں گے، لیکن پھر یہ سوچ کر دل کو تسلی دیتے ہیں کہ یہ تو دنیا کا دستور ہے کہ جانے والے کبھی واپس نہیں آتے، خصوصاً جمعہ کا دن گزارنا سب گھر والوں کیلئے بہت مشکل ہو جاتا ہے، کیونکہ اسی دن مفتی صاحب سب گھر والوں کے ساتھ کھانا کھاتے تھے، اب تو یہ حال ہے کہ جمعہ کے دن گھر کا ہر فرد ایک دوسرے سے نظریں چرا کر اپنے دل کا غم ہلکا کر رہا ہوتا ہے۔ اب تو ہر وقت یہی دعا کرتا ہوں کہ اللہ ہم کمزور ہیں، ہمیں اتنی ہمت اور حوصلہ دے کہ ہم سب مفتی صاحب کی جدائی کا دکھ سہہ پائیں۔ (آمین)

مفتی صاحب نے مجھے کسی دن یہ احساس نہیں ہونے دیا کہ میں ان کا داماد ہوں، ہمیشہ مجھے اپنے بیٹوں کی طرح پیار دیا، مجھے نہیں یاد کہ میری زندگی میں کوئی ایسا موڑ آیا ہو، جس پر مجھے اتنا بڑا صدمہ پہنچا ہو اور یہ سچ بھی ہے، کیونکہ میرے دل کا درد اور میرے اندر کی بے چینی مجھے یہ احساس دلاتی ہے کہ مجھ سے ایک عظیم ہستی جدا ہو گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو مفتی عبدالمجید دین پوری شہیدؒ کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطاء فرمائیں۔ آمین

اِک ستارہ جو کہکشاں ہوگیا

مولوی عزیر محمود دین پوری
صاحبزادہ مفتی عبدالمجید دین پوری شہیدؒ

جب سے اللہ تعالیٰ نے دنیا کو وجود بخشا ہے تب سے مسلسل دو قوتیں مسلسل برسر پیکار رہی ہیں اور ''الحرب سجال'' کے تحت کبھی ایک قوت غالب رہی، کبھی دوسری، ایک قوت رحمان کے پیغام کی علمبردار اور دوسری شیطان کے کام کی ٹھیکیدار رہی۔

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغ مصطفوی سے شرار بولہبی

لیکن انجام کار کامیابی رحمانی فوج کے قدم چومتی رہی اور شیطانی فوج وقتی کامیابی کے بعد اپنی ذلت ورسوائی پر دانت پیستی رہ گئی، اسی ازلی معرکہ آرائی کا ایک میدان ۱۸/ربیع الاول ۱۴۳۴ھ مطابق ۳۱/جنوری ۲۰۱۳ء کو شارع فیصل نزد نرسری پر سجایا گیا، جس میں شیطانی قوتوں نے رحمانی فوج کے ایک عظیم سپوت اور قافلۂ بنوری ٹاؤن کے سرخیل حضرت والد ماجد شہید نور اللہ مرقدہ کو ہم سے جدا کردیا اور یوں ۱۰/شعبان ۱۳۷۰ھ بمطابق ۱۵/جون ۱۹۵۱ء کو طلوع ہونے والا آفتاب وحشت وسفاکیت کا نشانہ بن کر ظلم کے سیاہ بادلوں کے پیچھے چھپ گیا اور یوں ہم ایک عظیم والد کی پدرانہ شفقتوں سے ہمیشہ کے لئے محروم ہوگئے۔

بیٹھے تھے گھنی چھاؤں میں اس کی خبر نہ تھی
بڑھے گی دھوپ اور یہ سایہ نہ رہے گا

حضرت والد ماجد شہید نور اللہ مرقدہ کی حیات وعلمی خدمات سے متعلق بہت کچھ گزشتہ شمارے میں شائع ہو چکا ہے اور اس شمارے میں بھی بہت کچھ ہوگا۔ میں کچھ سطور بطور ''مشتے از نمونۂ خروارے'' زیب قرطاس کرنا چاہتا ہوں۔

۱۹۷۳ء میں تخصص فی الفقہ سے فراغت کے بعد سے تاوقت شہادت ان کی زندگی علم کی نشر واشاعت میں گزری۔ دوسال کا عرصہ جامعہ حسینیہ شہداد پور میں گزار کر جامعہ بنوری ٹاؤن تشریف لائے، ایک سال سے کم عرصہ جامعہ کے دارالافتاء میں گزارا، پھر دادا جان کی وفات کے بعد اپنے نانا

جان کے شدید اصرار پر جامعہ سے رخصت لے کر آبائی شہر خانپور چلے آئے اور وہاں قرب وجوار کے مدارس میں اعزازی تدریس کی اور ذاتی خرچ پر روزانہ بس کے ذریعے آمدورفت رکھی اور دادا جان کی وصیت کہ ’’مسجد کو ذریعۂ معاش نہ بنانا‘‘ پر عمل کرتے ہوئے تقریباً گیارہ سال تک آبائی مسجد میں فی سبیل اللہ امامت وخطابت کے فرائض سرانجام دیتے رہے اور اسی مسجد میں ۱۹۷۸ء سے ۱۹۹۶ء تک ہر سال رمضان میں اعتکاف کیا۔ اطراف سے کافی لوگ حضرت والد شہید نور اللہ مرقدہٗ کی معیت میں اعتکاف کے لئے جمع ہوجاتے اور ان کی صحبت میں اعتکاف سے خوب محظوظ ومستفید ہوتے۔ ذاتی معاش کے لئے دادا جان کے قائم کردہ مطب کو وقت دیتے اور اسی کی آمدن سے پورے گھر کا خرچ نکالتے، یہاں تک کہ اپنی ہمشیرگان اور چھوٹے بھائیوں کی شادیاں بھی اسی کی آمدن سے کیں۔ پھر ۱۹۸۸ء میں جامعہ اشرفیہ سکھر سے دعوت آنے پر دین پور شریف کے مدرسہ کے ناظم اور اپنے شیخ میاں مسعود احمد دامت برکاتہم سے اجازت چاہی، انہوں نے فرمایا کہ اگر علمی ترقی مقصود ہے تو اجازت ہے۔ والد صاحب نے اپنی ڈائری میں لکھا ہے کہ ’’مقصود چونکہ علمی ترقی تھی، اس لئے سکھر آ گیا‘‘۔

۱۹۸۸ء سے ۱۹۹۶ء تک سکھر رہے اور وہاں کتب ابتدائیہ سے کتب عالیہ مثلاً بخاری شریف، مسلم شریف کی تدریس بھی کی۔ فقہ کی کتابوں میں ثالثہ میں پڑھائی جانے والی کتاب ’’کنز الدقائق‘‘ کے بارے میں بتاتے تھے کہ میں نے یہ کتاب از اول تا آخر بالاستیعاب کئی مرتبہ پڑھائی۔ بخاری شریف کی تدریس کے متعلق بتایا کہ وہاں کے شیخ الحدیث کے انتقال کے بعد چند بڑے اساتذہ کو تیار کرکے ایک اور استاذ کے پاس گئے کہ وہ اس کی تدریس قبول کریں کہ کہیں اس کی تدریس میرے سپرد نہ کی جائے، لیکن جامعہ اشرفیہ کی انتظامیہ نے مجھے منتخب کیا اور بخاری شریف کی تدریس میرے ذمے لگادی۔

۱۹۹۶ء میں حضرت مولانا ڈاکٹر حبیب اللہ مختار شہیدؒ کی دعوت پر جامعہ بنوری ٹاؤن تشریف لائے اور پہلے سال ہدایہ (اول) کی تدریس کے ساتھ دارالافتاء میں تقرر ہوا۔ والد صاحب کی خودنوشت یادداشت کے مطابق تقرری کے پہلے دن ہی ایک آدمی والد صاحب کے ہاتھ کلمہ پڑھ کر مسلمان ہوا۔ ترقی کی منازل طے کرتے ہوئے قائمقام رئیس دارالافتاء اور ترمذی ثانی کی تدریس تک پہنچے۔ جامعہ میں تدریس کے علاوہ مختلف مدارس میں خدمات انجام دیں۔ مدرسہ معہد الخلیل الاسلامی بہادرآباد کے شعبۂ دارالافتاء سے تقریباً دس سال سے منسلک تھے، گزشتہ سال تک مدرسہ عربیہ الٰہیہ لیاقت آباد میں ہفتہ کے دو دن ترمذی کا درس دیتے رہے اور تقریباً چار سال سے جامعہ اسلامیہ درویشیہ میں شیخ الحدیث کے منصب پر فائز تھے اور روز شہادت بھی بخاری شریف کا درس دینے جارہے تھے۔ مختلف مدارس میں خدمات انجام دینے کے علاوہ معمولاتِ یومیہ کچھ یوں تھے، صبح صادق سے تقریباً پون گھنٹہ پہلے بیدار ہوکر تہجد اور ذکر واذکار میں مشغول ہوجاتے، صبح صادق ہوجانے کے بعد سے جماعت کا وقت ہونے تک تلاوت قرآن میں مصروف ہوجاتے۔ جب جماعت کھڑی

ہونے میں دس منٹ رہ جاتے تو گھٹنوں میں تکلیف کی وجہ سے چلنے میں دشواری کے باوجود مسجد جاکر باجماعت نماز ادا کرتے۔طلوع آفتاب تک تسبیحات میں مشغول رہتے اس کے بعد دارالافتاء میں بیٹھ کر سبق کا وقت ہونے تک مطالعہ کرتے اور اگر وقت کچھ زیادہ ہوتا تو کچھ دیر آرام کرلیتے، پھر سات سوا سات بجے تک وضو کرکے اشراق پڑھ کر درس گاہ تشریف لے جاتے اور آٹھ بجے تک سبق پڑھاتے۔سبق شروع کرنے سے پہلے درود شریف پڑھتے، دورانِ درس ان کے پیش نظر کمزور استعداد کے طلبہ خاص طور پر ہوتے، اس لئے عبارت پڑھوا کر سلیس اردو میں ترجمہ کرتے اور غریب الفاظ کی وضاحت فرما کر حدیث کی دلنشین شرح فرماتے۔اگر کسی حدیث میں جانور کا ذکر ہوتا تو حیات الحیوان کے حوالے سے تمام تفصیلات بیان فرماتے۔ تمام طلبہ سے یکساں سلوک فرماتے، چاہے اپنا قریبی عزیز ہی کیوں نہ ہو۔ایک مرتبہ سبق میں پہنچنے میں مجھے معمولی تاخیر ہوگئی، جس پر گھر آکر میری سرزنش کی، حالانکہ آس پاس بیٹھنے والے طلبہ میں سے بعض اوقات کوئی پورا گھنٹہ غائب رہتا تو بھی اُسے کچھ نہ کہتے تھے۔سبق سے فارغ ہوکر دفتر اہتمام میں بیٹھ کر اخبار دیکھتے، لیکن شہادت سے ایک ہفتہ قبل سے یہ معمول ترک کرچکے تھے، پھر گھر جاکر غسل فرماکر ناشتہ تناول فرماتے اور دارالافتاء تشریف لے آتے، جہاں فتاویٰ کی تصحیح کے ساتھ ساتھ بالمشافہہ مسائل پوچھنے والوں کو تسلی بخش جواب دیتے، اس کے علاوہ فون پر بھی مسائل بتاتے تھے۔اس قدر مصروف ہوتے کہ ایک مولوی صاحب نے مجھے بتایا کہ میں ایک مرتبہ ملنے آیا تو تقریباً بیس منٹ انتظار کرنا پڑا۔ بارہ بجے حسان علی شاہ شہید مرحوم جامعہ درویشیہ سے لینے آجاتے، وہاں سے ایک بجے کے بعد لوٹتے اور بائیک پر سیدھا مسجد الحمراء ظہر کی نماز پڑھانے چلے جاتے، پھر گھر آکر آدھے گھنٹے کے لئے قیلولہ فرماتے اور جامعہ آکر تخصص فی الفقہ میں شرح عقود رسم المفتی پڑھاکر دارالافتاء میں بیٹھ جاتے، پھر عصر کی نماز پڑھانے کے لئے جاتے، جہاں نماز کے بعد درس قرآن یا درس حدیث کے زمزموں سے مسجد کو رونق بخشتے، فارغ ہونے کے بعد گھر آکر کھانا تناول فرماتے (دن میں صرف دو وقت (صبح اور شام) کھانا کھاتے تھے، یعنی رات کا کھانا الگ سے نہیں کھاتے تھے) اور ہم سب کے ساتھ ہنسی مذاق یا اس کے علاوہ سبق آموز نصائح فرماتے، پھر نماز مغرب کے لئے تشریف لے جاتے اور اوابین کا ضرور اہتمام فرماتے اور معہد الخلیل جاکر عشاء تک تحریری فتاویٰ کی تصحیح فرماتے، عشاء کے لئے واپس مسجد الحمراء آتے اور بعد عشاء جامعہ آکر دارالافتاء میں بیٹھ کر اگلے دن کے سبق کا مطالعہ کرتے اور دس بجے تک فتاویٰ دیکھتے۔اس قدر مصروف دن گزار کر گھر آکر گیارہ بجے تک سو جاتے اور پھر سابقہ معمولات شروع ہوجاتے، جمعہ کے دن چونکہ چھٹی ہوتی تھی، اس لئے پورا دن ہمارے ساتھ گھر پر گزارتے تھے، ناشتہ بھی اکٹھے ہوتا اور جمعہ کی نماز کے بعد دسترخوان پر سب اکٹھے ہوتے، یہی وجہ ہے کہ جمعہ کا دن ہم پر کوہِ گراں بن کر آتا ہے، گھر کے تمام افراد اشکبار ہوتے ہیں، خصوصاً والدہ محترمہ کی حالت ہم سے دیکھی نہیں جاتی (اللہ ان کا سایہ ہم پر تادیر قائم رکھے اور انہیں صبر جمیل عطا فرمائے) اپنے معمولات کے اتنے پابند تھے کہ سفر وحضر میں کبھی نہ چھوڑے، ایک بار کہیں سفر میں میں ان کے ہمراہ تھا، جمعہ کے دن فجر کی نماز کے

بعد مجھے اپنے ساتھ بٹھا کر سورۂ کہف زبانی سنائی اور مجھ سے بھی سنی ۔ تلاوت قرآن کا خاص اہتمام تھا۔ حضرت والد صاحب نے زمانۂ طالب علمی میں حفظ نہیں کیا تھا، بلکہ فراغت کے بعد تدریس کے دوران متفرق اوقات میں قرآن مجید کا کچھ حصہ پڑھتے اور یاد کرتے رہتے تھے، فرماتے تھے کہ والد صاحب تو قاری عبدالحئی صاحب (جو آپ کے باپ شریک بھائی ہیں) کے حفظ کی وجہ سے قیامت کے دن تاج پہنیں گے، مگر والدہ صاحبہ کیسے پہنیں گی؟ اس لئے میں بھی حفظ کررہا ہوں، چنانچہ آپ نے جامعہ میں تقرری یعنی کراچی آنے سے پہلے ۲۳ پارے حفظ کرلئے تھے، والدہ صاحبہ فرماتی ہیں کہ آپ نے پورا قرآن مجید حفظ کرلیا تھا۔ سفر میں ہمیشہ قرآن مجید کا چھوٹا نسخہ ساتھ رکھتے اور تلاوت فرماتے رہتے، میں اتنی تلاوت نہیں کرسکتا تھا جتنی ابو جی کرتے تھے۔ ایک مرتبہ عید کے دن مغرب کی نماز کے بعد کچھ دیر ہمارے ساتھ بیٹھے اور پھر اپنے کمرے میں جا کر تلاوت کرنے بیٹھ گئے ۔ شہادت والے روز چونکہ سفر پر جانا تھا، اس لئے سبق سے فارغ ہوکر گھر آ کر مونچھیں صاف کیں اور گال کے بال صاف کئے اور خوب اچھی طرح غسل کیا اور پھر ہمشیرہ سے کہنے لگے کہ میں نے تیری ماں کو منع کیا ہے کہ وہ مجھے یہ جوڑا پہننے کے لئے نہ دے، لیکن پھر بھی دے دیا، میں آئندہ یہ جوڑا نہیں پہنوں گا اور پھر ہمشیرہ سے فرمایا کہ ایک بجے میرا سفر شروع ہوجائے گا، میرا بیگ تیار رکھنا، پھر وہی کہہ کر ایک بجے سے پہلے ہی دنیا کا مسافر ''فزت ورب الکعبة'' کا نعرہ لگاتے ہوئے منزل مقصود کو جا پہنچا اور گویا بزبان حال یہ کہہ رہا تھا:

ملی تھی زندگی ہم بھی لیکن اسلام پر وار آئے
ہمیں بھی یاد کرلینا چمن میں جب بہار آئے
لہو اپنا چھڑک آئے ہیں گلشن کی فضاؤں میں
ہمیں بھی یاد کرلینا گلوں پہ جب نکھار آئے

حضرت والد شہید نور اللہ مرقدہٗ ترمذی کے اختتام پر اکثر طلبہ کو آبدیدہ ہوکر یہ شعر سنایا کرتے تھے:

ہمارا خوں بھی شامل ہے تزئین گلستان میں
ہمیں بھی یاد کرلینا چمن میں جب بہار آئے

والد صاحب جب گھر سے نکلتے تو کبھی کبھار والدہ کہتیں کہ حالات خراب ہیں، آپ زیادہ باہر نہ جایا کریں تو آپ جواب دیتے کہ ''جو رات قبر میں لکھی ہے وہ باہر نہیں آسکتی اور جو باہر لکھی ہے وہ قبر میں نہیں آسکتی''۔

شہادت کے وقت حضرت کی جیب میں یہ اشعار اپنی تحریر سے لکھے ہوئے پائے گئے:

تو غنی از ہر دو عالم من فقیر
روز محشر عذرہائے من پذیر
در حسابم را تو بینی ناگزیر
از نگاہِ مصطفیٰ پنہاں بگیر

میرے مشفق ومہربان ابو جیؒ

محمد شعیب دین پوری
صاحبزادہ مفتی عبدالمجید دین پوری شہیدؒ

کیسے خراج عقیدت پیش کروں اپنے والد شہیدؒ محترم کو وہ تو علم وعمل کے پیکر تھے، ان کی ساری زندگی حدیث مبارک پڑھاتے اور فتویٰ دیتے ہوئے گزری۔ وہ ایک طرف زہد وتقویٰ کے نمونہ تھے تو دوسری طرف پیارے آقا ﷺ کی سنتوں پر عمل پیرا رہے۔ وہ ایک طرف عاجزی وانکساری کے بادشاہ تھے تو دوسری طرف سادگی انتہاء درجے کی تھی۔ وہ طلبہ کے محبوب تھے تو اپنی اولاد کے لئے نہایت مہربان تھے۔ وہ تہجد گزار تھے، قرآن کی تلاوت کے پابند تھے، جب نماز پڑھانے کے لئے مسجد جاتے تو جماعت کا وقت ہونے تک تلاوت میں مشغول رہتے اور عصر کی نماز کے بعد قرآن کا درس بھی دیتے تھے۔ گھر میں سب کے ساتھ ہنسی مذاق کیا کرتے اور اپنے اوقات کے بڑے پابند تھے، حتیٰ کہ مغرب اور عشاء کے بعد دارالافتاء میں بیٹھتے تھے۔ عشاء کے بعد آئندہ کل کے سبق کا مطالعہ کرتے تھے۔ کھانے کی ترتیب کچھ یوں تھی کہ صبح سبق پڑھا کے آتے، پھر ناشتہ کرتے تھے اور دوپہر کا کھانا نہیں کھاتے تھے، بلکہ عصر کی نماز کے بعد کھاتے تھے، جب سے میں نے ہوش سنبھالا ہے، یہی ترتیب دیکھی ہے۔ جمعہ کے دن کی یہ ترتیب ہوتی تھی کہ جمعہ کی نماز کے بعد ایک ہی دسترخوان لگتا تھا اور سب ایک ساتھ کھانا کھاتے تھے۔

اپنے والد محترم شہیدؒ کی کون کون سی خوبی کا تذکرہ کروں؟ آج وہ ہمارے درمیان موجود نہیں، لیکن یادیں ہی یادیں ہیں۔ بڑے ہی نرم مزاج، مہربان اور تحمل والے تھے، صبر اور اخلاق کا اعلیٰ نمونہ تھے۔ سب کے لئے یکساں تھے اور مجھے بہت ہی محبوب تھے، کیونکہ میں سب سے چھوٹا ہوں۔ جہاں جاتے، مجھے ساتھ لے جاتے۔ میں نے والد صاحب کے ساتھ کئی اسفار کئے اور دو دفعہ بلوچستان کا سفر کیا اور ایک دفعہ اندرون سندھ کا سفر کیا۔

آہ...! قلم لکھنے سے قاصر ہے، دماغ کام نہیں کررہا، ہاتھ کپکپا رہے ہیں۔ ہمیں اپنے والد محترم کی شہادت کا اب تک یقین نہیں آرہا، لیکن کیا کریں! موت تو ہر ذی روح کو آنی ہے، موت سے کسی کو رستگاری

نہیں۔ والد محترم کو روضۂ رسول ﷺ کی زیارت کا اشتیاق رہتا، ایک حج اور تین مرتبہ عمرہ کی سعادت حاصل کر چکے ہیں۔ حج سے پہلے خواب میں مجھے ذبح کرتے ہوئے دیکھا تھا، پھر تعبیر حج کرنے کی صورت میں ظاہر ہوئی۔

کبھی کبھی گھر میں اپنے واقعات بھی سناتے رہتے تھے۔ میں صرف ایک واقعہ پر اکتفاء کرتا ہوں، فرمایا کہ جب بھی چھٹیوں میں دین پور جانا ہوا واپسی پر حضرت مولانا میاں عبدالہادیؒ کی خدمت میں حاضر ہوکر کراچی واپسی کی اجازت چاہتا، اسی طرح جب ایک مرتبہ ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان سے اجازت چاہی تو مجھے اپنے ساتھ چارپائی پر بٹھایا اور اچانک میرے پاؤں پکڑ لئے اور فرمایا کہ حضرت بنوریؒ کی خدمت میں حاضر ہوکر بالکل اسی طرح ان کے پاؤں پر ہاتھ رکھ کر میرے حسن خاتمہ کی دعا کرانا۔

دین پور شریف کے قبرستان میں دفنانے کے لئے حضرت میاں سراج احمد دین پوری دامت برکاتہم العالیہ سے اجازت لینی پڑتی ہے، جب والد صاحب کی شہادت ہوئی تو میرے چچا اجازت لینے گئے تو حضرت نے اجازت دے دی اور فرمایا: یہ تو فرشتہ تھا، اس کو کیوں مارا؟ حضرت کے صاحبزادے مولانا مسعود احمد دین پوری صاحب دامت برکاتہم العالیہ کے خادم نے میرے چچا کو بتایا کہ کچھ سال پہلے جب والد صاحب خانپور گئے تو راستے میں حضرت گاڑی میں جارہے تھے اور والد صاحب موٹر سائیکل پہ جارہے تھے، حضرت صاحب نے والد صاحب کو دیکھ کے گاڑی رکوائی اور والد صاحب سے ملاقات کی، جب والد صاحب جانے لگے تو اپنے خادم سے فرمایا: ان کو جانتے ہو؟ خادم نے کہا: نہیں، حضرت نے فرمایا: یہ تو فرشتہ ہے جو موٹر سائیکل پہ جاتا ہے۔

آخر میں اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ والد صاحب کی شہادت کو قبول فرمائے اور والد صاحب کے درجات کو بلند فرمائے اور ہمیں اپنے والد صاحب کے نقش قدم پر چلائے، آمین یا رب العالمین!

اپنی بات کو ان کی زبان زد رہنے والے اس شعر پر ختم کرتا ہوں:

ہمارا خون بھی شامل ہے تزئین گلستان میں
ہمیں بھی یاد کر لینا چمن میں جب بہار آئے

☆☆......☆☆

مستور مگر مسحور کُن شخصیت

مولانا محمد زبیر شمس الضحیٰ
جامعہ بنوری ٹاؤن

بڑے مفتی صاحب (حضرت مولانا مفتی محمد عبدالمجید دین پوری) نوراللہ مرقدہ کو مرتبۂ شہادت پر فائز ہوئے ایک ماہ سے زیادہ عرصہ ہو چکا ہے، ہنوز دل ودماغ اس صدمے کی شدت سے چُور رہیں۔ کچھ لکھنے کا ارادہ کرتا ہوں تو سنت سجایا تبسم بھرا چہرہ اور کبھی لہو میں نہایا رُخِ زیبا نگاہوں میں گھوم جاتا ہے اور پھر گھنٹوں گھنٹوں دل ودماغ میں یہ تصویر گردش کرتی رہتی ہے۔ اس تصور سے باہر نکلتا ہوں تو آپ کے معطر لہو کی خوشبو کا جھونکا قلب کو گھائل کر کے دل ودماغ کو پھر سونی یادوں کی اسی وادی میں کھینچ لاتا ہے اور دل کی کیفیت، بے کیف ہوجاتی ہے۔ اس مغلوب الحالی میں بڑے مفتی صاحب نوراللہ مرقدہٗ کی جامع، مسحور کُن، عالمانہ کمالی صفات کی حامل اور ہمہ گیر شخصیت کے متعلق کچھ لکھنا کم از کم اس تنگ دامن وتنگ نگاہ کے بس کی بات نہیں:

داماںِ نگہ تنگ و گلِ حسن تو بسیار　　　گلچینِ بہارِ تو ز داماں گلہ دارد

حضرت بڑے مفتی صاحب نوراللہ مرقدہٗ کی شفقتیں وعنایتیں بندۂ ناچیز پر ایسی رہیں کہ ضبطِ تحریر میں لانے کے لئے نہ ہمت وحوصلہ ہے، نہ اظہار وبیان کی مشق وتمرین ہے، بس محض رنج والم کا کچھ بوجھ دل ودماغ سے ہلکا کرنے کے لئے کاغذ وقلم کا سہارا لے رہا ہوں۔

بڑے مفتی صاحب نوراللہ مرقدہٗ سے بندے کا تعارُف بچپن سے اس طرح ہوا کہ مسجد الحمراء سے ہر جمعہ کے دن آنے والی نہایت پُرسوز اور دلدوز آواز دل کے دروازے پر دستک دیتی، جب خطیب صاحب خوش الحانی کے ساتھ جمعے کے بیان سے قبل مخصوص انداز میں قصیدہ بردہ کا یہ شعر:

یاربّ صلّ وسلّم دائماً أبداً　　　علی حبیبک خیر الخلق کلّھم

پڑھتے تو الفاظ سماعتوں کو محظوظ کرتے ہوئے دل کی گہرائیوں میں اُتر جاتے اور سنتے ہی دل گواہی دیتا کہ واقعۃً کسی سچے عاشقِ رسول کی زبان سے الفاظ نکل رہے ہیں جو سرتاپا عشقِ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم میں ڈوبا ہوا ہے۔ بعد میں معلوم ہوا کہ یہ بڑے مفتی صاحب (مولانا مفتی محمد عبدالمجید دین پوری شہید رحمہ اللہ) ہیں۔

درجہ سابعہ (۲۰۰۶، ۲۰۰۵) تک حضرت نوراللہ مرقدہٗ سے جامعہ کے ایک استاد اور نائب رئیس دارالافتاء کی حیثیت سے تعارف اور اسی کے بقدر تعلق رہا۔ لیکن اسی سال استاذ محترم مفتی محمد انعام

الحق صاحب دامت برکاتہم کے سفرِ حج پر تشریف لے جانے کے بعد مفتی صاحب کی جگہ ہدایہ ثالث کا درس دینے بڑے مفتی صاحب نور اللہ مرقدہٗ تشریف لانے لگے، تب حضرت کی شخصیت کے مخفی گوہر، ناچیز پر کھلے۔ حضرت نور اللہ مرقدہٗ بلا تکلف ہدایہ جلد ثالث کی عبارت کتاب میں دیکھے بغیر، حفظ سے ایسے مخفی اور غیر محسوس انداز میں پڑھتے کہ سامعین کو اندازہ بھی نہ ہوتا۔ حضرت علیہ الرحمۃ کے قریب بیٹھنے اور غور کرنے کے نتیجے میں جب ناچیز کو آپ کے اس کمال کا اندازہ ہوگیا تو بعض اوقات عبارت پڑھنے کے بعد حضرت بھی دلآویز مسکراہٹ کے ساتھ سر کا ہلکا سا مخصوص اشارہ فرمادیتے۔

دورانِ درس عبارت کا ترجمہ، متعلقہ مسئلہ، ائمہ کا اختلاف، دلائل بیان کرنے کے بعد ایسی روانی سے کئی کئی فقہی جزئیات (بعض مرتبہ حوالہ جات کے ساتھ) بیان فرماتے کہ عقل دنگ رہ جائے۔ آپ کا درس انتہائی سادہ الفاظ میں، لیکن علمی گہرائیوں سے بھرپور ہوتا۔ انہی دروس کے دوران حضرت کی بے نظیر فقہی مہارت وبصیرت کا بھی خوب خوب اندازہ ومشاہدہ ہوا۔ بعد ازاں دورۂ حدیث میں جامع ترمذی جلد ثانی و شمائل ترمذی اور تخصصِ فقہِ اسلامی میں مقدمۂ شامی اور شرح عقود رسم المفتی کے دروس سے، حدیث وفقہ کے مجمع البحرین کے کمالات کا حسین امتزاج دیکھنے وسننے کو ملا۔ آپ کے درس کی خصوصیت یہ تھی کہ بہت تفصیلی مباحث سے خالی، انتہائی سہل لیکن دقیق فقہی نکتوں اور اصولی قواعد سے بایں طور مزین ہوتا تھا کہ ادنیٰ سے ادنیٰ اور اعلیٰ سے اعلیٰ صلاحیت واستعداد کے حامل ہر دو قسم کے طلبہ یکساں مستفید ہوتے تھے، خصوصاً مقدمۂ شامی اور شرح عقود رسم المفتی کے درس کے دوران آپ کی فقہی جلالتِ شان مزید نکھر کر سامنے آئی۔

شہادت کے تین چار روز بعد دیکھنے والے نے خواب دیکھا کہ حدیث کی کسی کتاب کا درس دے رہے ہیں، کوئی ایسا مقام ہے جہاں تفصیلی مباحث ذکر کئے جاتے ہیں۔ سبق میں حاضر طلبہ میں سے کوئی ساتھی دل دل میں سوچ رہے ہیں کہ حضرت' حدیث کے اس مقام پر تفصیلی بحث کیوں نہیں فرمارہے؟ اتنے میں حضرت نور ایمانی سے جان کر از خود فرماتے ہیں: مجھے معلوم ہے یہاں تفصیلی بحث کی جاتی ہے، لیکن اب اندازہ ہوا ہے کہ (تفصیلی مباحث کو چھوڑ کر) جتنا زیادہ حدیث کو پڑھا جائے اتنا فائدہ ہوتا ہے۔

جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کو اللہ تعالیٰ نے جو مقبولیت عطا فرمائی ہے، وہ خالص اللہ تعالیٰ کی دَین اور محتاجِ بیان نہیں ہے۔ مسائل وفتاویٰ کے حوالے سے جس قدر عوام کا رجوع اللہ تعالیٰ نے اس جامعہ کو نصیب کیا ہے، وہ جامعہ سے جاری ہونے والے مدون فتاویٰ کے لئے حضرت رحمہ اللہ کی لکھی گئی تقریظ سے خوب واضح ہے۔ دستی تحریری فتاویٰ کی یومیہ اوسط تعداد چالیس سے پچاس ہے۔ فتویٰ کے میدان سے واقف حضرات جانتے ہیں کہ فتویٰ کا معاملہ کس قدر نازک ہے۔ روز کے صرف چالیس فتاویٰ ہی اتنی کافی مصروفیت ہے کہ دوسرا کام سوچنے کی فرصت نہ ملے۔ جامعہ میں دورۂ حدیث اور درجۂ تخصص کی تدریس، جامعہ معہد الخلیل الاسلامی میں تصحیحِ فتاویٰ، جامعہ درویشیہ میں مشیخۃِ حدیث کی مسند اور مسجد

الحمراء کی امامت وخطابت اس کے سوا ہیں۔

یوں تو آپ فقیہ النفس تھے ہی، تقریباً اڑتیس سال تدریس وافتاء کی خدمت سے وابستہ رہنے کے نتیجہ میں آپ کے فقہی ذوق کو چار چاند لگ گئے تھے اور یہ ذوق صرف علمی حد تک محدود نہیں تھا، بلکہ آپ کا ہر عمل فقہ کے جزئیات وکلیات پر پورا اترتا تھا۔ مثال کے لئے ایک دو واقعات کا بیان کافی ہوگا۔ ناچیز دورۂ حدیث کے سال ایک روز آنکھوں میں سیاہ سرمہ ڈال کے سبق میں حاضر ہوا، تو حضرت نے دیکھتے ہی دورانِ درس مائیک کے سامنے سے سَر ہٹا کر قریب ہوکر ارشاد فرمایا: ''کالا سرمہ تو خواتین کے لئے ہے، مردوں کے لئے فقہاء نے اسے مکروہ لکھا ہے، مردوں کے لئے اثمد ہے (جو سرمئی اور براؤن دو رنگ کا ہوتا ہے)۔'' ناچیز کے لئے یہ علمی اضافہ تھا۔ حضرت نور اللہ مرقدہٗ کو غور سے دیکھا تو ہمیشہ اہتمام کے ساتھ اثمد کے استعمال کا عادی پایا، شاید ہی کبھی چشمِ مبارک سرخ اصفہانی اثمد سے خالی نظر آئی ہوں۔ بعد میں یہ جزئیہ کئی کتب میں دیکھا کہ عام حالت میں مردوں کے لئے سیاہ سرمہ فقہاء کے ہاں مکروہ ہے؛ کیوں کہ یہ زینت کا حصہ ہے جو خواتین کے احکام میں سے ہے۔ مردوں کے لئے اثمد ہی کا استعمال خاص ہے۔ ملاحظہ ہو: ''کتاب الکراهية، الباب العشرون في الزينة واتخاذ الخادم للخدمة، (۳۵۹/۵) ط: مكتبه حقانيه پشاور'' جب کہ امام مالک رحمہ اللہ کے ہاں مردوں کے لئے صرف علاج وغیرہ کی ضرورت کی صورت میں سرمے کا استعمال (بلاکراہت) جائز ہے، ورنہ وہ مطلقاً کراہت کے قائل ہیں۔ ملاحظہ ہو: ''جمع الوسائل فی شرح الشمائل لعلی القاری، [المتوفی: ۱۰۱۴ھ]، باب ماجاء فی کحل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، (ص: ۱۲۹) ط: اداره تاليفات اشرفيه، ملتان''۔

ناچیز نے تخصص کے دوران کئی مرتبہ یہ بات محسوس کی کہ حضرت کو مسندِ افتاء پر تشریف رکھتے ہوئے سلام کیا جائے تو بعض اوقات جواب دیتے ہیں اور بعض مرتبہ نہیں۔ دل میں کھٹک ہوتی کہ ناراض نہ ہوں! لیکن انہی دنوں فتاویٰ کی کتب میں یہ جزئیہ نظر سے گزرا کہ قاضی کو دورانِ قضاء، اور مفتی کو فتویٰ دیتے وقت سلام کرنا ادب کے خلاف ہے، اس دوران اگر کوئی سلام کرے بھی تو قاضی اور مفتی پر سلام کا جواب دینا واجب نہیں ہے۔ چناں چہ پھر غور کرنے پر معلوم ہوا کہ حضرت جس وقت تصحیح کے لئے فتاویٰ پر نظر فرما رہے ہوتے تو اس وقت آپ کی مکمل توجہ اسی جانب ہوتی، اور جب اس مشغولیت سے ذرا فارغ ہوتے تو اس دورانی عرصے میں سلام کرنے والوں کو جواب بھی ارشاد فرماتے۔

فقہ سے اس کلی مناسبت کے ساتھ حدیث وسنت سے علمی وعملی مناسبت بھی تام تھی۔ دورانِ درس متعارض احادیث کی تطبیق اور ترجیح کا خصوصی اہتمام فرماتے تھے۔ حدیث کے علم اور اس پر پختہ عمل ہی کا اثر تھا کہ دورانِ درس کیف وسرور کا ایسا روح پرور سماں بندھتا کہ الفاظ کا جامہ نہیں پہنایا جاسکتا۔ راقم آثم کے ہم درس بنگلہ دیش کے ایک ساتھی کی دورۂ حدیث کے سال بڑے مفتی صاحب اور ایک بڑے بزرگ

استاذ کے سبق کے دوران عجیب حالت ہوتی تھی، آنسوؤں کی ایک لڑی آنکھوں سے بہہ رہی ہوتی تھی۔ پڑوسی ساتھی بار ہا دریافت کرتے تو جواب ملتا کہ تسلسل سے بیٹھنے کی وجہ سے ٹانگ میں شدید تکلیف ہوتی ہے؛ اس لئے رو رہا ہوں، راقم کو ان سے بے تکلفی تھی، ایک مرتبہ مجھے بتلایا کہ میں درد اور تکلیف کی وجہ سے نہیں روتا، بلکہ ہوتا یہ ہے کہ جب بڑے مفتی صاحب اور دوسرے استاذ صاحب درس دے رہے ہوتے ہیں تو مسندِ حدیث تا آسمان نور کا ایک ستون بن جاتا ہے اور دونوں اسباق کے دوران اساتذہ دکھائی نہیں دیتے، بلکہ یہ نور اس قدر تیز ہوتا ہے کہ اس کی شعاعیں میری نگاہ برداشت نہیں کر پاتی اور بے اختیار آنسو بہہ پڑتے ہیں۔

تقویٰ و پرہیز گاری، اخلاص وللّٰہیت واخفا، توکل، عبادت، دعا وتضرع، حلم وبردباری، تواضع وانکساری، امت پر شفقت، صبر ورضا بالقضا، مسنون اذکار وادعیہ کے اہتمام سے محلّٰی طبیعت اور تکبر، غصہ، حسد، غیبت، اسراف ایسے رذائل سے پاکیزہ فطرت رب نے ودیعت کی تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ ان عالمانہ اوصاف کی جامع شخصیات بہت ہی کم دیکھی گئی ہیں:

بے تکلف، بے ریا، بے نفس، بے خود، بے غرض
مہربانے، دل نوازے، دوست دارے ایں چنیں
چشمِ من بسیار گروید است و کم کم دیدہ است
ایں قدر عالی وقارے خاکسارے ایں چنیں
در ہمہ عالَم نہ بینی جز بہ خاصانِ خدا
با چنیں طبعے بلندے انکسارے ایں چنیں

عبادت کا ذوق ایسا والہانہ تھا کہ تہجد اور اشراق سے لے کر اوابین تک تمام نوافل کا آخر وقت تک اہتمام تھا۔ پنج گانہ نماز باجماعت ادا کرنے کا اہتمام ایسا کہ ایک سفر میں ناچیز نے خود مشاہدہ کیا کہ کئی دن تک شدید گرمی اور کافی فاصلہ پیدل طے کرنے کی مشقت اٹھا کر مسجد میں جماعت سے نماز ادا فرماتے تھے، جب کہ بعض جوان بھی سفر کی رخصت اور بعض گرمی کے عذر کا سہارا لے کر اپنے حجروں میں جماعت کرتے تھے۔ تہجد کی عادت ایسی پختہ تھی کہ سفر ہو یا حضر، یہاں تک کہ تفریحی اسفار میں بھی جب سب تھک کر سو گئے تو نصفِ لیل تا سحر آپ کو نالۂ نیم شبی میں پایا گیا۔ اشراق کی مواظبت تو شائع وذائع ہے۔ بعض اوقات حضرت کی مسجد میں مغرب یا عشاء کے بعد حاضری ہوئی تو بڑے مفتی صاحب کو مسجد میں ہی دیر تک نوافل ادا کرتے پایا۔ ناچیز نے بعض مرتبہ عرض بھی کیا کہ حضرت! آج کل حالات بھی ساز گار نہیں اور گھٹنوں کی تکلیف بھی ہے، مولوی عزیر بھی اب نیابت کر سکتے ہیں، تو کبھی خاموشی سے مسکرا دیتے۔ اور شہادت سے صرف دو دن قبل بھی بندے کے اس بابت استفسار پر فرمایا: جمعہ کا بیان میں خود کرتا ہوں، خطبہ اور نماز عزیر پڑھاتا ہے، کیوں کہ ٹانگ موڑنے میں تکلیف ہوتی ہے، عرض کیا کہ حضرت اب تو مولوی عزیر کے حوالے فرمادیں! تو فرمایا: دیکھتے ہیں! (کریمانہ

اخلاق کے سبب اپنے صاحبزادے تک کو یہ تکلیف دینا گوارا نہیں فرمائی کہ اس کی تعلیمی یکسوئی میں حرج آئے۔)

اکابرِ دیوبند سے آپ کو خاص عشق تھا، روزانہ معمول یہ تھا (اور ہمیں بھی یہی نصیحت فرمائی) کہ رات سونے سے پہلے آدھ گھنٹہ کم وبیش اکابر کے سوانح اور واقعات پڑھتے۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ مختلف اکابر کی مختلف شانیں آپ میں جمع تھیں۔ صبح سے لے کر رات دیر تک حدیث وفقہ کی تدریس اور فتاویٰ کی تصحیح کے حوالے سے آپ کا معمول ایسا لگا بندھا تھا کہ مدتوں اوقات میں معمولی فرق نہ آیا، گویا فقیہِ دوراں ومحدث بے بدل حضرت گنگوہی علیہ الرحمۃ کی شانِ استقامت اور شانِ جامعیت کا چلتا پھرتا نمونہ بڑے مفتی صاحب نور اللہ مرقدہٗ کی صورت میں آنکھوں نے دیکھا۔ دوسری طرف حضرت مدنی علیہ الرحمۃ سے غیر معمولی حد تک متأثر نظر آتے تھے، اگر یہ کہا جائے کہ بڑے مفتی صاحب علیہ الرحمۃ کی صورت میں حضرت مدنی علیہ الرحمۃ کو ان آنکھوں نے دیکھا ہے تو بے جا نہ ہوگا۔ نہ صرف اپنے اساتذہ کی خدمت بلکہ اس پیرانہ سالی میں جب کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہر طبقے میں آپ کو عزت واحترام عطا کر کے ہر دلعزیز بنا دیا تھا، اس وقت بھی اپنے شاگردوں، خادمین، اور اہل خانہ واولاد کی خدمت میں کوشاں رہتے تھے۔ گھر میں چارپائی کی بان ڈھیلی ہونے پر رسی کسنے، کپڑے دھونے، حتیٰ کہ بچوں کے کپڑے تک خود استری کرنے میں عار محسوس نہ فرماتے تھے۔

گزشتہ سال خیر المدارس ملتان میں وفاق المدارس کے زیرِ اہتمام جوابی پرچوں کی جانچ کے لئے تشریف لے گئے۔ حضرت کے کمرے میں اے سی کی سہولت موجود تھی، جو بحیثیت ممتحنِ اعلیٰ آپ کے لئے مخصوص تھا، لیکن مخلوق کی شفقت کے آگے ایسے مجبور کہ رات ہوتے ہی اس کمرے کے دروازے خدام کے لئے یوں وا کر دیتے کہ تل دھرنے کی جگہ نہ رہتی، اور سب خدام رات سکون کی نیند سوتے۔ سخت گرمی کے موسم میں عام درجے کی اے سی کوچ میں گھٹنوں کی شدید تکلیف کے باوجود جس صبر، سکون، بردباری اور شگفتگی کے ساتھ سفر مکمل کیا وہ آپ ہی کا حصہ ہے۔ سارا راستہ مزاح، اور لطائف سے محظوظ بھی ہوتے رہے اور ”**لایزال لسانک رطباً بذکر اللہ**“ پر عمل بھی جاری رہا۔ کراچی سے ملتان کے سفر، گرمی کی شدت اور دیگر سفری مشقتوں کے باوجود حضرت کے چہرے پر ذرا تغیر نہیں تھا، بلکہ اسی طرح تر وتازہ جیسے کراچی سے روانہ ہوئے تھے، ملتان کے جس علاقے سے گزر ہوتا، اس کا تعارف بھی کراتے اور موقع ومحل کی مناسبت سے مزاح بھی فرماتے۔

یہ کوئی ایک واقعہ نہیں تھا، بلکہ حضرت کی ساری زندگی ہی اس سادگی، تواضع وانکساری کا نمونہ تھی، چنانچہ دو سال قبل ایک جمعرات کی عصر کی اذان کے وقت راقم آثم کے گھر پر بڑے مفتی صاحب بنفسِ نفیس اپنی سادہ سی موٹر سائیکل پر تشریف لائے، ناچیز شرم سے پانی پانی ہوگیا، عرض کیا کہ خادم کو حکم کیا ہوتا! مسکرا کر فرمایا: بس یہ بتانا تھا کہ ہفتہ کو وفاق کے امتحانات میں نگرانی کے لئے تم نے بھی ساتھ جانا ہوگا، رات میں جامعہ آجانا دار الافتاء میں بیٹھ کر نقشہ بنالیں گے اور یہ کہہ کر حضرت نے موٹر سائیکل اسٹارٹ کر لی اور فرمایا: عصر کی نماز کا وقت قریب ہے۔

گزشتہ سال جامعہ میں ختم بخاری کے موقع پر جب سب کے مشفق ومحسن استاذ محترم مولانا امداد اللہ صاحب دامت برکاتہم نے حضرت مفتی صاحب کو بیان اور طلبہ کو نصائح ارشاد فرمانے کے لئے دعوت دی تو مائیک پر پہنچ کر مفتی صاحب بے ساختہ رونے لگے اور کافی دیر رونے کے بعد فرمایا: حضرت بنوری نور اللہ مرقدہٗ نے ایک مرتبہ ختم بخاری کے موقعہ پر ارشاد فرمایا: قیامت کی علامت ہے کہ یوسف بخاری کا درس دے رہا ہے۔ یہ قول نقل کر کے فرمایا: یہ تو حضرت بنوری نور اللہ مرقدہٗ نے تواضعاً فرمایا تھا، لیکن حقیقت یہ ہے کہ قیامت کی علامت ہے کہ عبدالمجید مسندِ حدیث پر حدیث کا درس دے رہا ہے۔ اور پھر بیان میں طلبہ کے نصائح کے ضمن میں امام ابوحنیفہ اور امام ابویوسف رحمہما اللہ کا ایک واقعہ سنایا۔ (جو آپ کی فقاہتِ نفسی کی دلیل ہے۔)

حلم و بردباری کا یہ عالم تھا کہ بچوں کے کھیل کے دوران گزرتے ہوئے کبھی گیند لگ جاتی تو چہرۂ مبارک پر تغیر آنا بڑی بات، مسکراتے ہوئے گیند خود اپنے ہاتھوں سے اٹھا کر بچوں کو تھما دیتے ۔ یہ بھی سننے میں آیا کہ مسجد میں بعض کم نصیب لوگ آپ کو برسرِ عام منہ پر سخت الفاظ کہہ دیتے تو زبان سے کچھ کہنا تو دور کی بات، چہرے کا رنگ بھی متغیر نہ ہوتا تھا۔

تقویٰ کی انوکھی شان آپ میں دیکھی ۔ شہر کی ایک مشہور دکان جہاں لوگ عیدِ قربان کے موقع پر قربانی کا گوشت لا کر ہنٹر بیف وغیرہ بنواتے ہیں اور یہ دکان اسی حوالے سے شہر بھر میں معروف بھی ہے۔ حضرت وہاں کا بنا ہوا ہنٹر بیف نہیں کھاتے تھے۔ عقدہ یوں کھلا کہ ایک مرتبہ فرمانے لگے: میں نے صاحب دکان سے کہا ہے کہ آپ کے ہاں مسلمانوں کی طرح اُن دیگر فرقوں کے لوگ بھی اپنے مذبوحہ جانوروں کا گوشت لاتے ہیں جن کا ذبیحہ حلال نہیں ہے، اور ان دنوں میں آپ مسلمانوں کے مذبوحہ جانور اور غیر مسلموں کے حرام مذبوحہ جانور ایک ساتھ ایک گھی میں پکاتے ہیں، غیر مسلم کا ذبیحہ حرام ہونے کے ساتھ ساتھ ناپاک بھی ہے، اس کے ساتھ ملنے کی وجہ سے مسلمان کا گوشت بھی ناپاک ہو جاتا ہے۔ فرمایا: صاحبِ دکان نے وعدہ کیا ہے کہ آئندہ حلال وحرام ذبیحے کے گوشت کو الگ الگ رکھوں گا اور الگ ہی پکاؤں گا۔

یہی ہیں جن کے سونے کو فضیلت ہے عبادت پر
ان ہی کے اتقا پر ناز کرتی ہے مسلمانی

اسراف سے اس قدر اجتناب کرتے کہ خط کا لفافہ کاٹ کر (اس کے اندر کی جانب جو خالی ہوتی ہے، اس پر) فتویٰ کی تمرین کے لئے تخصص کے طلبہ کو دیا کرتے تھے۔ سنت کی پابندی کا خوب اہتمام تھا۔ اخلاق ہوں یا اعمال ،آپ کے ہر عمل کی بنیاد پر کوئی نہ کوئی حدیث اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہوتی تھی۔ آخر وقت بھی جب آپ کا جسد اطہر چارپائی پر رکھا تھا تو تقریباً اڑھائی گھنٹے ناچیز حضرت کے سرہانے رہا اور بہت ہی غور سے حضرت کو دیکھتا رہا ۔ اس وقت محسوس ہوا کہ حضرت ظاہر میں تو محراب پور کے سفر کی تیاری میں مونچھوں کو عین سنت کے مطابق تراش کر روانہ ہونے کو تیار تھے، لیکن حقیقت میں بارگاہِ ایزدی کی حاضری کے وقت سنتِ حُبّی پر عمل کر گئے۔

میدانِ افتاء کا عظیم شہسوار

مفتی عبداللہ حسن زئی
دارالافتاء ختم نبوت، کراچی

حضرت الاستاذ مفتی دین پوریؒ علم وعمل کے پیکر، اخلاص وتواضع کے مجسمہ تھے، آج لرزتے ہاتھوں اور بہتے آنسوؤں کے ساتھ یہ چند حروف لکھ رہا ہوں، مگر قلم کی ہر جنبش پر مفتی صاحب کی یادیں تیر بن کر جگر سے پار ہورہی ہیں۔ حق تعالیٰ شانہٗ نے آپ کو مختلف خوبیوں سے نوازا تھا، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کے مطابق اللہ تعالیٰ نے ان سے بہت زیادہ خیر کا کام لینا تھا، اس لئے ان کو خصوصی طور پر فقاہت کے اونچے درجہ پر فائز فرمایا، مسند حدیث کو رونق بخشنے کے ساتھ ساتھ فقہ کی پیچیدہ گتھیاں سلجھاتے رہے۔ جامعہ میں آپ سے جہاں ہزاروں تشنگان علوم دینیہ اور طالبان علم سیراب ہوئے، وہیں لاکھوں افراد نے مسائل کے ذریعہ سے رہنمائی حاصل کی، فیاض قدرت نے آپ کو اتنی ذہانت عطا کی ہوئی تھی کہ پیچیدہ سے پیچیدہ مشکل سے مشکل تر مسئلہ کو منٹوں میں حل فرمادیتے تھے۔

راقم الحروف کو بشمول اپنے چھوٹے بڑے پانچ بھائیوں کے جو کہ سب کے سب جامعہ بنوری ٹاؤن کے فاضل ہیں، حضرت الاستاذ سے بعض کو ہدایہ ثالث اور بعض کو ہدایہ رابع پڑھنے کا موقع ملا ہے، سب بھائیوں نے حضرتؒ کا یہ وصف خاص یکساں طور پر محسوس کیا کہ ہدایہ ثالث ورابع جیسی مغلق اور معرکۃ الآراء کتاب میں سال بھر میں یہ اندازہ نہیں ہوسکتا کہ اس میں مشکل جگہ کونسی ہے اور آسان جگہ کونسی؟۔ حضرت کے پڑھانے کا انداز بھی انوکھا اور عجیب کہ درسگاہ میں قدم رکھتے ہی درس شروع ہوجاتا، کتاب کی تھوڑی سی عبارت پڑھنے کے بعد تقریر شروع فرماتے، پڑھانا کیا تھا، شعلے برساتے تھے، موسلا دھار بارش کی طرح تسلسل کے ساتھ الفاظ زبان سے نکلتے تھے، جس میں کبھی خطابت کی آمیزش اور جوش وجلال کا گرج ہوا کرتا تھا، اور یوں ہی تسلسل کے ساتھ بغیر کسی اٹکن اور بلا انقطاع تشریح کرتے چلے جاتے تھے۔ بلا مبالغہ ایسا لگتا کہ ہدایہ آپ کو ازبر ہے، تشریح کے بعد پھر کتاب کا ترجمہ فرماتے، جو قندمکرر کے طور پر دماغ پر نقش ہوجاتا تھا۔

مجھے اچھی طرح ہے جب میں تخصص کا طالب علم تھا ایک دفعہ میری تصحیح کی باری حضرت مفتی صاحب کے پاس تھی، مسئلہ تداخلِ کفارات سے متعلق تھا، متعلقہ حوالہ تلاش بسیار کے باوجود مجھے نہ مل سکا، حضرت مفتی صاحب نے دورانِ تصحیح حوالہ کا پوچھا، جس پر میرا جواب یہ تھا کہ حضرت! بہت تلاش کیا، مگر حوالہ نہیں ملا۔

حضرت نے فوراً فرمایا کہ البحر الرائق کی فلاں جلد فلاں عنوان کے تحت دیکھ لیں، چونکہ خود کی معذوری کی وجہ سے میرا وہاں سے اٹھنا کافی مشکل تھا، نیز بچکانہ عادت بھی تھی کہ اٹھنے کے بعد کہیں میری باری لے کر کوئی دوسرا ساتھ تصحیح کے لئے نہ بیٹھ جائے، بہرحال میں نے وہاں بیٹھے بیٹھے دوسرے ساتھی کے ذریعہ کتاب منگوائی، دیکھا تو واقعۃً من وعن حوالہ وہاں موجود تھا، اس طرح کے ایک نہیں، کئی سارے واقعات موجود ہیں۔

منصب افتاء کے نازک اور حساس ہونے کی بنا پر علماء امت نے ''مفتی'' کے لئے بہت سی شرائط اور آداب ذکر فرمائے ہیں، جن کا مفتی میں پایا جانا ضروری ہے، مثلاً یہ کہ مفتی قرآن وسنت کے علم وفہم سے آراستہ ہو، مسائل پر مکمل عبور اور قواعد فقہیہ کو جانتا اور سمجھتا ہو، کسی ماہر، مشاق اور تجربہ کار استاذ کا تربیت یافتہ ہو، بلند کردار اور عفت کا حامل ہو، نرم خو، دور اندیش اور بیدار مغز ہو، زمانہ کے عرف وعادت سے واقف ہو، فتویٰ دیتے وقت غور وفکر سے کام لیتا ہو اور دل میں خوفِ خدا ہو، اور بقول مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی ولی حسن ٹونکیؒ کے کہ ''مفتی کو قوم کا نبّاض ہونا چاہئے، صرف وسعتِ علم یا کثرتِ مطالعہ سے کوئی شخص مفتی نہیں بن سکتا، جس طرح پنساری طبیب نہیں ہوسکتا، حالانکہ دوائیوں کے نام سے وہ زیادہ واقف ہوتا ہے اور اس کے اثرات سے بھی زیادہ واقفیت رکھتا ہے۔'' بلاشبہ حضرت مفتی صاحبؒ ان خوبیوں سے آراستہ تھے، اور ہر اعتبار سے علمیت کے ساتھ ساتھ تفقہ وحکمت اور فہم وذکاوت میں ہر اعتبار سے اس درجہ پر فائز تھے، مذاہب اربعہ جو کہ سب کے سب برحق ہیں، ان چاروں فقہ میں فقہ حنفی کی گہرائی، تعمق اور وسعت کسی سے مخفی نہیں، آپؒ صرف اس کے ماہر ہی نہیں، بلکہ اس گہرے سمندر کے زبردست تجربہ کار غواص اور بہترین تیراک تھے۔ مثل مشہور ہے کہ ''المعاصرة سبب المنافرة'' کہ معاصرت حسد ورقابت کا ایندھن فراہم کرتی ہے، جس کے باعث فطرتِ انسانی اس کی آگ میں تپتی رہتی ہے، جس سے منافرت پیدا ہوتی ہے، اور اسی وجہ سے کسی معاصر کے لئے دوسرے معاصر کی تعریف کرنا یا کسی کمال کا اعتراف کرنا بڑا مشکل مرحلہ ہوتا ہے۔ ہاں! البتہ کبھی کبھار کسی بڑی شخصیت کی علمیت وروحانیت اس میں رکاوٹ بن جائے تو مستثنیات میں شمار ہوتا ہے، اہل علم میں بسا اوقات چوٹی کے اکابر بھی اپنے دامن کو اس سے پاک نہ رکھ سکے، علامہ ابن حجرؒ کی فتح الباری اور علامہ عینی کی عمدة القاری پڑھنے والے ان جبال کی نوک جھونک سے اس کا اندازہ کرسکتے ہیں۔ حضرت مفتی صاحبؒ جس طرح اس مرض سے پاک تھے، آپ کے معاصرین کا بھی آپ کے ساتھ کچھ اسی طرح کا برتاؤ تھا، چنانچہ دور حاضر کے جید، ممتاز اور اکابر مفتیان کرام آپ کے مذکورہ جملہ اوصاف کے معترف تھے، جو کہ ہر لحاظ سے آپ کے کامل ہونے کی واضح دلیل ہے۔ بنوری ٹاؤن جیسا عالمی ادارہ جس کی مرکزیت اور عظمت صرف خواص میں نہیں، بلکہ عوام اور اغیار میں بھی مسلم ہے، تقریباً تیرہ چودہ سال سے آپ عملی طور پر وہاں دار الافتاء کے رئیس تھے، لیکن تواضع کا یہ عالم تھا کہ بڑے مفتی صاحب یعنی حضرت مفتی عبدالسلام چاٹگامی صاحب مدظلہم کی موجودگی میں جیسے اپنے کو ان کا نائب سمجھتے تھے، ان کے جانے کے بعد بھی اپنے آپ کو اسی منصب پر سمجھتے رہے، چنانچہ فتویٰ کی آخری مہر تصدیق ثبت کرنے کے بعد

اپنے نام کی بنائی ہوئی مہر جس پر نائب رئیس دارالافتاء کے الفاظ کندہ تھے، لگادیا کرتے تھے۔

درجہ تخصص سے فارغ ہونے کے بعد جب بندہ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے دارالافتاء سے منسلک ہوا، تو مشکل اور عمیق مسائل میں حضرت سے مشورہ اور رہنمائی لیتا رہا، مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ حضرت جلالپوری شہیدؒ کی شہادت کے بعد ہمارے دفتر ختم نبوت میں ایک استفتاء آیا، کئی دن سوچ بچار اور ادھر ادھر مطالعہ کرنے کے بعد اس کا جواب لکھا، اس پر اطمینان نہ ہوا تو بدل کر مکرر سہ کرر اس کا حتمی جواب لکھا، اپنے خیال میں سمجھ رہا تھا کہ یہ میں نے کوئی بڑا تیر مارا ہے، اور بہت تحقیقی جواب لکھا، دیگر ساتھیوں نے بھی اس کی تصدیق فرمائی، لیکن دل میں سو فیصد اطمینان پھر بھی نہ تھا، حضرت والا امیر عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کراچی حضرت مولانا محمد اعجاز مصطفیٰ صاحب دامت برکاتہم نے فرمایا کہ بڑے مفتی صاحب کو دکھائیں، چنانچہ حسب عادت جس کی حضرتؒ سے پیشگی اس کی اجازت لے چکا تھا، فون پر حضرت کو سوال و جواب سنایا، حضرتؒ نے فوراً فرمایا کہ یہ اس کا جواب نہیں، بلکہ معمولی ترمیم کر کے فرمایا کہ یہ اس کا جواب ہے اور فرمایا: چونکہ اس کا دارومدار عرف پر ہے،، اس لئے جواب اس طرح بنے گا۔ اہل علم جانتے ہیں کہ مفتی کی ذمہ داریوں میں سے ایک ذمہ داری یہ بھی ہے کہ وہ علاقائی عرف وعادات سے مکمل واقفیت رکھتا ہو، زمانے کے حالات و واقعات پر اس کو دسترس حاصل ہو، ورنہ بسا اوقات معمولی غلطی یا تعبیر کی معمولی تبدیلی سے مسئلہ کہیں سے کہیں پہنچ جاتا ہے۔ فقہاء کرام نے فرمایا کہ ''**من جهل بأهل زمانه فهو جاهل**'' (شرح عقود،ص:۹۸) جو آدمی اپنے اہل زمانہ کے طرزِ زندگی، ان کی معاشرت، مزاج و مذاق سے واقف نہ ہو تو وہ جاہل ہے۔

حضرت لدھیانوی شہید نوراللہ مرقدہٗ کی شہرۂ آفاق کتاب ''آپ کے مسائل اور ان کا حل'' پر تخریج کے دنوں بعض مسائل پر حضرتؒ سے مشورہ لیتا رہا۔ حضرت مفتی نظام الدین شامزئیؒ اور حضرت جلال پوری شہید رحمہما اللہ کی شہادتوں کے بعد کبھی کبھار بعض مشکل سوالات پر جب کبھی ان کی طرف رجوع کرتا، وہ بڑے شفیق استاذ اور مربی کی حیثیت سے مسکرا کر اس کی فہمائش کرتے۔ سالِ رواں میں راقم درس وتدریس اور دفتر ختم نبوت کی مصروفیات سے فراغت کے بعد رات کے فاضل اوقات میں ایک کتاب پر تخریج کے کام میں مصروف ہے، ساتھی کبھی کبھار پوچھتے تھے کہ آخری تصدیق اور تقریظ کن سے کروائیں گے؟ تو اس پر میرا ایک ہی جواب ہوتا تھا کہ حضرت بڑے مفتی صاحب ہیں نا! بڑے مفتی صاحب سے مراد مفتی عبدالمجید صاحب ہوتے تھے۔ سمجھ نہیں آتا کہ اب مشکل مسائل میں مشاورت کس سے کروں گا؟ لیکن بہر حال مجھے یقین ہے کہ خونِ شہیداں رائیگاں نہیں جاتا، اللہ رب العزت حضرت شہیدؒ کی نسبت کی لاج رکھتے ہوئے ہمیں بے یار و مددگار نہیں چھوڑیں گے۔

شہیدوں کے لہو سے جو زمین سیراب ہوتی ہے
بہت زرخیز ہوتی ہے بہت شاداب ہوتی ہے

اللہ رب العزت ہم سمیت حضرت کے تمام پسماندگان اور تلامذہ ومحبین کو صبر جمیل عطا فرمائے اور جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کو ان کا بہترین نعم البدل عطا فرمادیں۔

مفتی عبدالمجید دین پوریؒ کی شہادت

قاضی محمودالحسن اشرف
رکن مجلس عاملہ وفاق المدارس العربیہ

حضرت مولانا مفتی عبدالمجید دین پوریؒ کی شہادت کی خبر راقم نے مدینہ منورہ میں سنی ، ۳۱رجنوری بروز جمعرات برادرِ صغیر مولانا سعیدالحسن انور کی طرف سے یہ پیغام موصول ہوا کہ ''ملک کی عظیم دینی درسگاہ جامعہ بنوری ٹاؤن کراچی کے رئیس دارالافتاء واستاذ الحدیث حضرت مولانا مفتی عبدالمجید دین پوری ، رفیق دارالافتاء مولانا صالح محمد، ایک ساتھی سمیت نرسری کے قریب شہید کردیئے گئے ،إناللّٰہ وإنا إلیہ راجعون ۔ یہ خبر راقم سمیت مدینہ منورہ میں موجود دیگر پاکستانی علماء اور معتمرین کے لئے گہرے غم والم کا موجب بنی ، گزشتہ سال ہی جامعہ کی ہردلعزیز شخصیت ناظم تعلیمات اور استاذ الحدیث حضرت مولانا عطاء الرحمٰن نوراللہ مرقدہٗ کی شہادت کا واقعہ ابھی بھولا بھی نہیں تھا، ان کی جدائی پر پہنچنے والے صدمات ابھی ہرے ہی تھے کہ بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اور گلستان بنوریؒ کے اساتذہ ، طلباء اور متعلقین کو رئیس دارالافتاء واستاذ الحدیث حضرت مولانا مفتی عبدالمجید دین پوریؒ کی شہادت نے ورطۂ حیرت میں مبتلا کردیا ۔ حضرت دین پوری شہیدؒ سے راقم کی زیادہ ملاقاتیں وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے سالانہ امتحانات کے بعد پرچوں کی جانچ پڑتال اور وقتاً فوقتاً جامعہ بنوری ٹاؤن میں حاضری کے موقع پر دارالافتاء میں ہوتی رہیں ۔ حضرت مولانا مفتی دین پوریؒ انتہائی خاموش طبع ،علم وعمل کے پیکر، تواضع اور عجز وانکساری کا مرقع ،خوش اخلاقی وخوش اطواری کا پرتو تھے ۔ وہ جلسے اور جلوس ، سیاسی اور فرقہ وارانہ سرگرمیوں سے کوسوں دور درس وتدریس اور افتاء کی لائن کے آدمی تھے ،ان کا تعلق جنوبی پنجاب کی تحصیل خان پور کے تاریخی قصبہ دین پور سے تھا، خان پور اور دین پور اہل حق کے تحریکی مراکز ہونے کے ساتھ ساتھ قرآن وسنت ، حدیث وفقہ ،تصوف وسلوک کے مراکز رہے ہیں ۔ مفتی صاحب پر تصوف وزہد کے آثار نمایاں نظر آتے تھے ۔ ابتدائی تعلیم دین پور اور خان پور سے حاصل کرنے کے بعد وہ اعلیٰ تعلیم کے لئے عالم اسلام کی عظیم دینی درسگاہ جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن میں داخل ہوئے ۔ جامعہ میں حضرت مفتی اعظم پاکستان حضرت مفتی ولی حسنؒ ، امین علوم نبوت ، پیکر اخلاص حضرت مولانا محمد ادریس میرٹھیؒ جیسے عظیم اساتذہ سے استفادہ کے بعد ابتدائی مدرس اور رفیق دارالافتاء کی حیثیت سے خدمات

کا آغاز کیا۔محنت اور اساتذہ کی تربیت اور توجہات کی وجہ سے تیزی سے ترقی کے مراحل طے کئے۔ نائب رئیس دارالافتاء کے منصب جلیلہ پر فائز ہوئے۔تدریس کے میدان میں بھی فقہ وحدیث کی مشکل ترین کتب جب بھی آپ کے حصے میں آئیں تو اس معیار پر نہ صرف پورا اترے، بلکہ اس میں بھی کامیابی کے جھنڈے گاڑتے چلے گئے۔

جامعہ علوم اسلامیہ کی طرف سے وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے سالانہ امتحان میں بحیثیت نگرانِ اعلیٰ اور پرچوں کی جانچ پڑتال میں بطور ممتحن اعلیٰ اور بعدازاں بطور ممتحن مفتی صاحب نے خدمات انجام دیں، جن سے ارباب وفاق نہ صرف مطمئن بلکہ اعلیٰ صلاحیتوں اور خدمات کے معترف رہے۔الغرض حضرت مولانا مفتی عبدالمجید دین پوریؒ نے بھرپور انداز میں سعادت کی زندگی کے ساتھ شہادت کی موت بھی پائی، اللہ تعالیٰ نے انہیں شہادت کے لئے جمعرات اور تدفین کے لئے جمعہ کا دن دیا اور فقہ وحدیث کے سبق کے دوران شہادت کا اعزاز ملا، اور جمعہ کے دن انہیں قبرستان دین پور کے علماء ومشائخ کے پہلو میں ابدی آرام وسکون ملا۔اللہ تعالیٰ مرحوم مفتی عبدالمجید دین پوری، مولانا محمد صالح اور دیگر رفقاء کی شہادت کو قبول فرمائے اور اس شہادت کے خون کے سلسلہ میں کراچی کو امن وسلامتی کا گہوارہ بنائے۔آمین۔

حضرت مفتی صاحب پر ہونے والا قاتلانہ حملہ دشمنان اسلام کی اسلام دشمنی کے واقعات میں سے ایک واقعہ ہے، یہ نہ تو پہلا واقعہ ہے اور نہ ہی آخری۔جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن جو ملک کی عظیم درسگاہ ہے، اس سے پہلے حضرت مولانا ڈاکٹر حبیب اللہ مختار شہیدؒ، حضرت مولانا عبدالسمیع شہیدؒ، حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ، حضرت مولانا مفتی محمد جمیل خان شہیدؒ، شہید اسلام حضرت مولانا مفتی نظام الدین شامزئی شہیدؒ، حضرت مولانا مفتی سعید احمد جلال پوری شہیدؒ سمیت درجنوں لاشوں کو اٹھا چکی ہے، لیکن ہمیشہ صبر اور امن کے دامن کو مضبوطی سے تھامے رکھا۔بدقسمتی سے اہل حق کے صبر وتحمل وبرداشت اور امن پسندی کو کمزوری سمجھا جارہا ہے۔ان لاتعداد شہادتوں کے باوجود بھی اہل حق نے صبر کا دامن تھامے رکھا، بدقسمتی سے صبر کا دامن تھام کر خاموشی اختیار کرنے والوں کو جارح اور دہشتگرد کہا جارہا ہے۔جبکہ جن کی سرشت میں یہی ظلم وجبر، جھوٹ، منافقت اور اسلام دشمنی ہے، وہ اپنے آپ کو پھر بھی مظلوم باور کروارہے ہیں۔ضرورت اس امر کی ہے کہ اہل حق کو دشمنانِ اسلام کی طرف سے جلائی ہوئی اس آگ کو بجھانے کے لئے دعائے استغفار اور قنوتِ نازلہ کے اہتمام کے ساتھ باہمی مشاورت اور اعتماد سے اس کا سدباب کرنے کے لئے ٹھوس اور مربوط منصوبہ بندی کرنا ہوگی۔اللہ تعالیٰ تمام شہدائے اسلام کی شہادت کو قبول اور ان کے خون کی برکت سے مملکت پاکستان کو امن وسلامتی کا گہوارہ اور مدارس دینیہ، مکاتب قرآنیہ، مساجد اور خانقاہوں کی حفاظت فرمائے، آمین، ثم آمین۔

نتیجۂ فکر: مولانا خلیل احمد تھانوی، لاہور

تواریخ وفات

مفتی محمد عبدالمجید دین پوری شہیدؒ

(۱) آج — مفتی حاجی محمد عبدالمجید دین پوری — شہید ہوئے

۴ + ۱۰۹۰ + ۳۴۰ = ۱۴۳۴ھ

(۲) محمد عبدالمجید — محمد صالح — حسان علی شاہ — آج سب ہی شہید ہوئے

۲۵۶ + ۲۲۱ + ۵۳۶ + ۴۲۱ = ۱۴۳۴ھ

(۳) آہ استاذ الحدیث — مولانا عبدالمجید

۱۷۲۱ + ۲۹۲ = ۲۰۱۳ء

(۴) بندۂ محبوب عبدالمجید دین پوری — نائب رئیس دارالافتاء جامعہ بنوری

۵۶۵ + ۱۴۴۸ = ۲۰۱۳ء

(۵) حکیم الزماں عبدالمجید — استاد حدیث — جامعہ درویشیہ

۳۷۱ + ۹۸۸ + ۶۵۴ = ۲۰۱۳ء

(۶) نائب رئیس دارالافتاء — جامعہ معہد الخلیل آزاد

۱۱۸۰ + ۸۳۳ = ۲۰۱۳ء

(۷) جناب محمد عبدالمجید — خطیب جامع مسجد الحمراء

۳۱۲ + ۱۱۲۲ = ۱۴۳۴ھ

(۸) الحاج سید محمد عبدالمجید — ممتحن وفاق المدارس

۳۷۳ + ۱۰۶۱ = ۱۴۳۴ھ

(۹) عبدالمجید صاحب — شاگرد مولانا محمد یوسف بنوری

۲۶۵ + ۱۱۶۹ = ۱۴۳۴ھ

(۱۰) زبدہ زماں عبدالمجید — شاگرد رشید مفتی ولی حسن

۲۸۰ + ۱۷۳۳ = ۲۰۱۳ء

(۱۱) عبدالمجید ابن محمد عظیم — چل بسے

۱۳۲۹ + ۱۰۵ =۱۴۳۴ھ

(۱۲) فقد قال اللّٰہ جل وعدہ — من جاء بالحسنة فله عشر أمثالها

۴۹۹ + ۱۵۱۴ =۲۰۱۳ء

(۱۳) انما قال جل قوله — واللّٰہ غفور رحیم

۳۹۷ + ۱۶۱۶ =۲۰۱۳ء

(۱۴) فانما قال جل قوله — فوقاهم اللّٰہ شر ذالک الیوم

۴۷۷ + ۱۵۳۶ =۲۰۱۳ء

(۱۵) لقال اللّٰہ جل امرہ — حسنت مستقرا ومقاما

۵۰۶ + ۱۵۰۷ =۲۰۱۳ء

(۱۶) فقال جل امرہ — سلام علیه یوم ولد ویوم یموت ویوم یبعث حیا

۴۹۰ + ۱۵۲۳ =۲۰۱۳ء

تیرا جینا ہی رہا جینا سدا عبدالمجید!

دین وملّت کے محافظ تھے حقیقی پاسباں
تا اَبد اونچا رہے گا اُن کی عظمت کا نشاں
پی کے وہ جامِ شہادت چل پڑے دار القرار
جنت الفردوس میں ان کا یقیناً ہے مکاں
غیرتِ دینی شجاعت قوّتِ ایماں کے ساتھ
تیرے آگے اہلِ باطل ٹھہر سکتے تھے کہاں
تمکنت بخشی تھی ایسی آپ کو اللہ نے
واقعی تھا وصفِ درویشی میں وہ شاہِ جہاں
وصفِ عالی سے نوازا تھا خدا نے آپ کو (رزین)
تیرے چہرے پر تبسّم سے شرافت تھی عیاں
تیرا جینا ہی رہا جینا سدا عبد المجید!
مل گئی تجھ کو شہادت سے حیاتِ جاوداں

نتیجۂ فکر: مولانا رزین شاہ صاحب، استاذ حدیث شاخ جامعہ بنوری ٹاؤن

’’کاروڑ‘‘ کا گل سرسبد

مفتی شعیب عالم
استاذ ومفتی دارالافتاء جامعہ

دریائے سندھ اور ڈیورنڈ لائن کے درمیان کا علاقہ پاکستان کا سرحدی اور قبائلی علاقہ کہلاتا ہے۔ دریائے سندھ تو مشہور ومعروف دریا ہے، جبکہ ڈیورنڈ لائن وہ خطِ فاصل ہے جو برطانوی حکومت کی ایماء پر ہندوستان کو افغانستان سے متمیز کرنے کے لئے کھینچا گیا تھا، اس خط کی وجہ سے وہاں کی مقامی آبادی پاک اور افغان دو حصوں میں بٹ گئی ہے، مگر قبائل نے زمین کی تقسیم کو دلوں کی تقسیم کا ذریعہ نہیں بننے دیا۔

سیاسی لحاظ سے سرحدی صوبہ یعنی خیبر پختونخوا دو حصوں میں تقسیم ہے۔ ایک تو آزاد قبائل کا علاقہ ہے جو مالاکنڈ، مہمند، کرم اور شمالی وجنوبی وزیرستان وغیرہ ایجنسیوں پر مشتمل ہے اور دوسرا زیرِ قانون علاقہ ہے جیسے ہزارہ، مردان، پشاور، ڈیرہ اسماعیل خان وغیرہ، اس کے علاوہ کچھ پٹیاں ہیں جو انتظامی ضروریات کے تحت زیرِ قانون اضلاع کے ماتحت ہیں، انہیں ہم نیم قبائلی علاقے کہہ سکتے ہیں۔

ہزارہ ڈویژن جو دریائے سندھ کے مشرق میں واقع ہے اور جہاں سرکار کی عمل داری ہے، اس سے ملحقہ ایک نیم قبائلی علاقہ ہے جو ’’کالا ڈھاکہ‘‘ کے نام سے جانا جاتا ہے۔ ہمارے ممدوح ومحبوب اور راہِ حق کے شہید مفتی صالح محمدؒ کا تعلق اسی سرزمین سے تھا۔ یہ علاقہ صدیوں سے آزاد اور خود مختار چلا آرہا تھا، قبائلی روایات اور طرزِ معاشرت کو اس نے من وعن محفوظ رکھا تھا اور یہاں کے باشندے اپنے نزاعات کا تصفیہ شریعت اور مقامی رسم ورواج کے مطابق کیا کرتے تھے۔ اس علاقے کی تاریخ بتاتی ہے کہ سکھ یہاں اپنا تسلط نہیں جما سکے، مغل بھی اسے زیر نہ کر سکے اور انگریز کو بھی یہاں لاشیں چھوڑ کر بھاگنا پڑا۔ اب یہ علاقہ باقاعدہ حکومتِ پاکستان کا حصہ بن چکا ہے اور مقامی آبادی چونکہ پشتون اکثریت پر مشتمل ہے، اس لئے ان کی زبان کی رعایت سے اس کا نام ’’تورغر‘‘ رکھا گیا ہے۔ تذکرہ اور تاریخ کی کتابوں میں اسے ’’کوہ سیاہ‘‘ اور تبلیغی جماعت کے عرف میں اسے ’’بیت السلام‘‘ کہا جاتا ہے۔ مؤخر الذکر کے علاوہ سب کا مطلب تورغر یعنی کالا پہاڑ ہے۔ ’’تسمیۃ الکل باسم الجزء‘‘ درسی زبان کی ایک مشہور

اصطلاح ہے، ورنہ مجموعی لحاظ سے یہ علاقہ سبز پوشاک اوڑھے رہتا ہے، جو پہاڑ قد میں اونچے ہیں وہ موسم سرما میں سَروں پر سفید عمامے سجا لیتے ہیں۔ گرمیوں میں جب سورج تپتا ہے تو اس کی گرم شعاعیں ان پہاڑوں پر جلتی آگ کا منظر پیش کرتی ہیں۔ ان ہی پہاڑوں کے درمیان چٹانوں سے ٹکراتا، شور مچاتا اور بل کھاتا ہوا دریائے سندھ بہتا ہے جو پاکستان کا عظیم آبی ذخیرہ، زرعی حیات کا ضامن اور پرشکوہ تہذیبوں کا محافظ ہے، جس کی قدامت، وجاہت اور عظمت نے ہر دور کے شعراء، قلمکاروں اور دانشوروں سے خراجِ تحسین وصول کیا ہے۔

دریائے سندھ کے دونوں کناروں پر تاتاری نسل کے ہندو حکمراں چلے آتے تھے۔ ایک طرف مداخیل اور دوسری طرف امازئی آباد تھے۔ حضرت اخون سالاک کابل گرامیؒ جو سترھویں صدی کے بزرگ گزرے ہیں ان کی جہادی مہم کے نتیجے میں یوسف زئی قبیلے نے اُن ہندوؤں کو یہاں سے بے دخل کیا۔ اب زمانہ موجودہ میں دریا کی مشرقی سمت پر حسن زئی، چغرزئی، بسی خیل اور نصرت خیل آباد ہیں اور مغربی جانب امازئی اور مداخیل کی آبادیاں ہیں۔ مفتی صالح محمد کاروڑیؒ اسی مداخیل قبیلے سے تعلق رکھتے تھے۔

عربوں میں جس طرح قومیت اور خاندان کا شاخ در شاخ سلسلہ ہے اور اتحادِ نسب کا بعید ترین تعلق ''شعب'' سے ظاہر کیا جاتا ہے اور آخری اور قریبی حلقہ ''اسرۃ'' اور ''عائلۃ'' ہے اور درمیان میں اوپر سے نیچے آتے ہوئے شعب کے بعد ''قبیلہ'' پھر ''عمارہ'' پھر ''بطن'' پھر ''فخذ'' اور پھر ''فصیلہ'' ہے، اسی طرح قبائلی بھی ایک پیچ در پیچ اور شاخ در شاخ خاندانی سلسلے میں منقسم ہیں۔ پہلے قوم ہے، پھر قبیلہ ہے، پھر خیل ہے، پھر خاندان ہے اور خاندان گھرانوں میں تقسیم ہے۔ مفتی صاحب پشتونوں میں یوسف زئی اور یوسف زئیوں میں مداخیل اور مداخیل کی شاخ حسن خیل اور اس کی شاخ مندامانہ اور مندامانہ کی شاخ موسیٰ خیل سے تعلق رکھتے تھے۔

آپ کے گاؤں کا نام ''کاروڑ'' ہے، جو کہ اصل میں ''کہروڑ'' تھا اور ایک ہندو کا نام تھا، مگر امتدادِ زمانہ سے کاروڑ ہوگیا، اسی نسبت سے آپ کاروڑی لکھتے اور کہلاتے تھے۔ یہ گاؤں تقریباً پانچ سو گھرانوں پر مشتمل ہے اور بجلی، گیس، ٹیلیفون، سڑک اور ہسپتال جیسی ضروری اور بنیادی سہولیات سے محروم ہے۔ ٹیبل نما پہاڑوں پر واقع ہونے کی وجہ سے گاؤں تک چڑھنے کا راستہ بہت دشوار گزار ہے اور ضروریاتِ زندگی سر پر اٹھا کر یا جانوروں پر لاد کر اوپر پہنچائی جاتی ہیں۔ اسی پسماندہ اور دور افتادہ گاؤں میں داوا خان بن مقتدر خان کے گھرانے میں جس بچے نے آنکھ کھولی، اسی کا نام صالح محمد ہے۔ آپ کی دو بہنیں ہیں اور تینوں بھائیوں میں آپ منجھلے تھے۔ دو بیوائیں، دو بیٹے اور تین بیٹیاں

آپ نے سوگوار چھوڑی ہیں۔

شہید مفتی صاحبؒ کا گاؤں دریائے سندھ کے کنارے آباد ہے۔ اردگرد کا ماحول انسانی مزاج کی تشکیل اور سیرت کی تعمیر میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ یہ ایک طاقتور عامل سمجھا جاتا ہے جو انسانی خد وخال سے لے کر اس کی طرزِ معیشت ومعاشرت اور جذبات وخیالات تک کو متاثر کرتا ہے۔ مفتی صاحب کی طبیعت میں اس عامل کا گہرا اثر پایا جاتا تھا۔ دریائے سندھ میں تموج اور تلاطم رہتا ہے تو اس کے فرزند کی زندگی میں بھی ایک ہیجان اور اضطراب تھا، یہ ریگ زاروں کو گلزاروں میں بدلتا ہے تو اس کے سپوت کا مشن بھی بنجر اور سوختہ زمینوں کو لہلہاتے سبزہ زاروں میں تبدیل کرنے کا تھا، اس کی تند وتیز موجیں پہاڑوں سے سر ٹکرا کر آگے بڑھتی ہیں تو اس کا بیٹا بھی کسی خارجی سہارے کے بغیر محض اپنی فطری لیاقت اور ذاتی صلاحیت کے بل بوتے پر آگے بڑھا تھا۔ اے دریا...! اگر تجھ پر زرعی حیات کا انحصار ہے تو ان پر روحانی حیات کا مدار تھا، تو اگر تہذیبی اور تمدنی روایات کا امین ہے تو وہ دینی اقدار اور نبوی علوم کا محافظ تھا، چٹانیں کھسک کر تیرے پیندے میں آگرتی ہیں، مگر تو اپنا راستہ تبدیل کرتا ہے، نہ ہی تیرا ہیجان اور روانی متاثر ہوتی ہے، پھر تعجب کیا ہے کہ تیرے بیٹے نے مخالف بادِ مخالف اور نامساعد حالات کو کبھی اہمیت نہیں دی، یہ سبق تیرا ہی سکھایا ہوا تھا، اگر وہ کشادہ دل اور وسیع الظرف تھے اور سب کے لئے سینے میں جگہ رکھتے تھے تو تیرا معاون دریاؤں کو سینے سے لگانا اور انہیں دامن میں بھر کر بہنا کیا معنی رکھتا ہے؟، تو تبت سے نکل کر بحیرہ عرب میں اپنا وجود گم کردیتا ہے، اگر انہوں نے اپنی ہستی مٹادی اور جان جاں نثار کردی تو یہ خصلت تیری بدولت ان کی فطرت میں ودیعت تھی۔

دریا کو بہنے اور پھیلنے کے لئے وسیع رقبہ چاہئے تو دریا صفت انسان کو بھی کام کا وسیع میدان چاہئے ہوتا ہے۔ پانی پڑے پڑے گدلا ہوجاتا ہے، مشینری زنگ آلود ہوجاتی ہے، صلاحیت بھی اگر آزمائی نہ جائے تو مرجھا جاتی ہے۔ مفتی صالح محمدؒ جس قوم اور قبیلے سے تعلق رکھتے تھے ان کے مزاج میں انفرادیت پسندی ہے، دنیا سے ان کا ربط وضبط کم ہے اور پہاڑوں نے انہیں باقی دنیا سے الگ تھلگ رکھا ہے، وہ ان پہاڑوں کو شدت سے چاہتے ہیں، اپنے حال پر نازاں، ہمہ دم فرحاں اور سدا بہار شاداں رہتے ہیں۔ بعض قبائلی بوڑھے ایسے ہیں جنہوں نے آج تک اپنے علاقے سے باہر قدم نہیں رکھا ہے، ان باتوں کا تقاضا تھا کہ آپ تمام عمر بے نام اور گمنام رہتے اور آپ کو اپنی فطرت میں ودیعت صلاحیتیں آزمانے کا موقع ہی نہ ملتا، مگر اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ خیر کا ارادہ فرمایا اور آپ کو اس نعمت سے نوازا جس کا احسان اس نے خاندانِ یوسف علیہ السلام پر یہ کہہ کر جتلایا ہے کہ ہم تمہیں دیہات سے لے آئے ”وجاء بکم من البدو“۔ (یوسف:۱۰۰)

دیہات سے شہر آنے کا حقیقی سبب تو وہی ہے جو اوپر بیان ہوا، مگر اس کا ظاہری سبب وہ رسم ہے جو صدیوں سے قبائل میں رائج ہے اور ابتدائی اسرائیلی عہد کی یادگار ہے، جس کے تحت قبیلہ اور اس کے تحتی افراد کے درمیان وقتاً فوقتاً زمین کا تبادلہ ہوتا رہتا ہے۔ یہ رسم ''ویش'' کے نام سے مشہور ہے۔ اس کے پسِ پشت فلسفہ یہ ہے کہ ہر خاندان اور خاندان کا ہر فرد کچھ عرصے کے لئے بہترین زمین سے متمتع ہو سکے، تاکہ اقتصادی قوت کے بل بوتے پر سیادت کے ارتقا کو روکا جا سکے۔ گویا زمین کی عارضی تقسیم کا نام ''ویش'' ہے۔

قبائل جب ان زمینوں پر پہنچے تھے تو انہوں نے زمین کی تقسیم کا یہ منصفانہ نظام وضع کیا تھا، اس نظامِ اراضی کے تحت تقریباً آدھی زمین شاملات یعنی مشترکہ چراگاہ کے طور پر چھوڑی گئی اور بقیہ تمام خیلوں میں برابر تقسیم کردی گئی اور خیل کا حصہ اس کے مختلف خاندانوں میں بانٹ دیا گیا۔ وراثتی نظام کے تحت پشت در پشت منتقلی اور خاندان کے پھیلاؤ اور ان میں تقسیم کی وجہ سے فرد کا حصہ اتنا قلیل رہ گیا کہ گزراوقات اس پر مشکل ہوگئی، نتیجۃً قبائل کے افراد ہجرت پر مجبور ہوگئے۔ تعجب خیز امر یہ ہے کہ عموماً یہ تبادلے بلاکشت وخون ہوتے ہیں اور کبھی زمین اور چراگاہوں کے ساتھ رہائش گاہیں بھی تبدیل ہوجاتی ہیں۔ دس پندرہ سال قبل حسن زئی قوم میں اسی قسم کی تقسیم ہوئی تھی۔ اس رسم سے کمال واقفیت مفتی صاحب کے لئے اراضی اور شاملات کے متعلق نزاعات کے تصفیے میں بہت آسانیاں پیدا کرتی تھی۔

بہرحال ہجرت کی وجہ جو بھی ہو، مفتی صاحب پانچ سال کی عمر میں اپنے والد کے ہمراہ کراچی منتقل ہوئے۔ اولین رہائش نرسری کے علاقے میں ایک ڈیرے میں تھی، اسی علاقے میں تیسری جماعت تک تعلیم حاصل کی، آپ کے والد کا بیان ہے کہ میں موم بتی کی روشنی میں انہیں پڑھایا کرتا تھا۔ نرسری سے آپ قصبہ کالونی منتقل ہوئے اور مدرسہ اشاعت القرآن میں ناظرہ پڑھنا شروع کیا، قاری سلطان عمر صاحب دینی علوم میں آپ کے اولین استاد ہیں، اس کے بعد جامعہ ربانیہ میں ثانیہ تک کی کتب پڑھیں، اس دوران آپ کی والدہ ماجدہ بھی گاؤں سے کراچی تشریف لے آئیں۔ چھٹیوں میں دورہ تفسیر کے لئے شاہ پور چلے گئے اور ارادہ سوات میں درس نظامی کی تکمیل کا تھا، مگر والد صاحب راضی نہ ہوئے اور بادل نخواستہ کراچی واپس آنا پڑا۔ رابعہ تک مخزن العلوم بنارس میں پڑھا اور خامسہ سے جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن میں داخلہ لیا اور یہیں سے ۱۹۹۳ء میں سند فراغت حاصل کی، جامعہ کے استاد اور جامع مسجد بنوری ٹاؤن کے امام مولانا سید یوسف حسن طاہر الحسینی اور جامعہ کے مدرس مولانا قاری زبیر احمد صاحب اور مولانا عزیز الحق صاحب (حال مقیم برطانیہ) آپ کے ہم درس اور ہم سبق رہے ہیں۔ جامعہ ہی سے مفتی نظام الدین شامزئی شہیدؒ اور مفتی عبدالسلام چاٹگامی مدظلہ العالی کے زیر

سابیہ افتاء کی مشق کی اور تخصص کی سند حاصل کی۔ آپ کی تشنگی دوسالہ تخصص سے دور نہیں ہوئی، اس لئے چار سال مزید فتوی نویسی کی مشق کے لئے آتے رہے، حالانکہ حضرت قاری ضیاء الحق صاحب کے مدرسے جامعہ تعلیم القرآن متصل الفلاح مسجد میں بہ حیثیت مدرس آپ کا تقرر ہو چکا تھا۔

حضرت مفتی نظام الدین شامزئیؒ فرمایا کرتے تھے کہ ''لڑکے صرف فاضلِ وفاق ہونے کو کافی سمجھتے ہیں اور پھر شکایت کرتے ہیں کہ دنیا ان کی قدر نہیں کرتی''۔ یہ فرمانے کے بعد روئے سخن مخاطبین کی طرف کر کے فرماتے تھے: ''تم اپنے اندر کمال پیدا کرلو اور پھر آبادیوں سے دور نکل جاؤ اور کسی اونچے پہاڑ کی چوٹی پر بیٹھ جاؤ، دنیا تمہیں وہاں بھی ڈھونڈ نکالے گی، المیہ یہ ہے کہ لوگ کمال اور صلاحیت پیدا کئے بغیر دنیا سے ناقدری کی شکایت کرتے ہیں۔'' یہ نہیں ہوسکتا تھا کہ جوہر شناس نگاہوں اور کمال کی قدردان شخصیتوں سے آپ اوجھل رہ جاتے، اس لئے ۱۹۹۸ء میں جامعہ کے دارالافتاء میں بہ حیثیت مفتی آپ کا تقرر عمل میں آیا۔

جامعہ میں خدمتِ افتاء کے ساتھ آپ جامعہ درویشیہ میں تخصص کے نگراں اور مشرف تھے اور وہاں دورہ حدیث میں ترمذی شریف کا درس بھی آپ کے سپرد تھا، اس کے علاوہ جامعہ احیاء العلوم پیر کالونی بھی ایک آدھ گھنٹے کے لئے تشریف لے جاتے۔ شہادت کے سال جامعہ میں اصول فقہ کی کتاب نورالانوار آپ کے زیرِ تدریس تھی۔

حضرت شہیدؒ نام کی بجائے کام اور دعووں سے زیادہ عمل پر یقین رکھتے تھے۔ آپ کی باتوں میں تو تقریر کا زور اور فصاحت و بلاغت کا جوش نظر نہیں آتا تھا اور زبان میں بھی کسی قدر علاقائیت کی جھلک تھی، جس کی بناء پر آپ کی حقیقی شخصیت پردہ خفاء میں رہتی اور نو وارد آپ کے متعلق درست رائے قائم کرنے میں غلطی کر جاتا تھا، مگر آپ کے ہاں عملیت تھی اور بقول مولانا سید سلیمان ندویؒ کے اسی کی دنیا کو ضرورت ہے ورنہ دلکش نعروں، بلند بانگ دعووں، میٹھی میٹھی باتوں، مؤثر تمثیلوں اور دل آویز حکایتوں کی یہاں کمی نہیں۔ آپ کی اسی عملیت پسندی کا نمونہ آپ کی قائم کردہ جامع مسجد نور اور اس سے ملحقہ جامعۃ النور الاسلامیۃ ہے۔ مدرسے میں سات سو کے لگ بھگ بچے حفظ و ناظرہ کی تعلیم حاصل کررہے ہیں جس میں اَسّی (۸۰) کی تعداد سایۂ پدری سے محروم یتیم بچوں کی ہے۔ خود آپ کی زندگی عسرت اور تنگی میں گزری ہے، جس کی ایک وجہ قلیل پر قناعت اور نزاع کے خوف سے اپنے حق سے دستبرداری بھی ہے۔ شہادت سے کچھ ہی عرصہ قبل قرض کے بار سے سبکدوش ہوئے تھے، مگر ان بچوں کے لئے آپ کے ہاں بہت کچھ تھا، خود ان کے دروازے پر جا کر ان کو ضروریات مہیا کرتے تھے۔ نجی مجلس میں فرمایا کرتے تھے کہ مجھے مکتب اور مدرسے اور ان معصوموں کی بدولت اللہ تعالیٰ سے نرمی کی

امید ہے۔ اسی جذبے کے تحت آپ نے ایک مطلقہ سے عقد ثانی فرمایا تھا اور اس کے پہلے شوہر سے بچے بھی اپنے زیر کفالت اور زیر تربیت لے لئے تھے۔

عام زندگی میں آپ سادگی پسند اور جفاکش دکھائی دیتے تھے۔ طبیعت کے ہنس مکھ اور خوش مزاج تھے۔ قد درمیانہ، بدن ٹھوس اور جسم چست وچابک تھا جس کی وجہ وہ ماحول تھا جس میں محنت اور جفاکشی کے بغیر گذارا مشکل ہے۔ محنت اور غیرت، خودداری اور خوداعتمادی آپ کے خون میں شامل تھی۔ اپنی دنیا کے آپ بادشاہ اور دوسروں کی بے جا اطاعت سے ناآشنا تھے۔ اپنے کام میں مگن، اردگرد کی غیر تعلیمی سرگرمیوں سے لاتعلق اور نمایاں ہونے کے شوق سے قطعاً نابلد تھے۔ میلے ٹھیلوں اور غیر ضروری بھکیڑوں میں الجھنے کی آپ کو فرصت نہ تھی۔ بڑوں سے مؤدبانہ، رفقاء سے دوستانہ اور چھوٹوں سے مشفقانہ اور خیرخواہانہ رویہ رکھتے تھے، وقت کے پابند تھے، سردی ہو یا گرمی، حالات پرامن ہوں یا گولیوں کی گھن گرج ہو، مفتی صالح محمد اپنی نشست پر موجود ہوتے تھے۔ گھریلو کام خود انجام دینے کے عادی تھے، پچاس کلو کی بوری خود ہی اٹھا کر گھر لایا کرتے تھے۔ اپنا ذاتی مکان تعمیر کیا تھا جس کا نقشہ، کٹنگ، شیٹرنگ اور مہارت کے متقاضی تمام کام خود انجام دیئے تھے، صرف تعمیری سازوسامان کے لانے، اٹھانے، ملانے وغیرہ کے کام اجرت پر کرائے تھے۔ رات کے اوقات میں ایک ماربل فیکٹری میں تشریف لے جاتے، وہاں کے منتظم کریم صاحب کا بیان ہے کہ اپنی ذکاوت اور ذہانت کی بدولت مفتی صاحب کچھ ہی عرصہ میں نوے فیصد کام جان گئے تھے۔ اہل علاقہ اور آپ کے درمیان کوئی فاصلے نہیں تھے۔ تخصص کے جو طلبا فارغ ہوکر جاچکے ہیں، وہ مسلسل آپ سے ربط میں رہتے تھے اور آپ ان کی معاونت اور رہنمائی فرماتے اور انہیں مفید مشوروں سے نوازتے تھے، شام کے اوقات میں اسی وجہ سے آپ کا فون بہت مصروف ملتا تھا، منٹوں اور سیکنڈوں کو مادیت کے ترازو میں تولنے والی ذہنیت کے نزدیک آپ کا یہ عمل اوقات کا ضیاع تھا، مگر جس کا مقصد ہی ہمہ وقت خیر کا فیضان ہو اس کے لئے یہ باتیں بے معنی تھیں۔

جو علمی سرمایہ آپ نے یادگار چھوڑا ہے ان میں فقہ کی مشہور کتاب ''کبیری'' پر آپ کے تعلیقات اور اضافہ عنوانات ہیں۔ مرحوم شہید اپنی حیات میں اس کا تذکرہ کیا کرتے تھے، اللہ کرے زیور طبع سے آراستہ ہوجائے۔ کبیری پر کام کا آغاز دوران حج حرم مدنی میں کرلیا تھا۔ کفایت المفتی اور فتاوی رحیمیہ آپ کی تخریج شدہ متداول ہیں۔ فتاوی دارالعلوم دیوبند کو ابواب پر مرتب کیا تھا۔ فتاوی محمودیہ پر کسی قدر کام کیا تھا، مگر کسی عارض کے سبب سے روک دیا تھا۔ سب سے اہم استنساخ (کلوننگ) کے موضوع پر آپ کی کتاب ہے، جو اپنے موضوع پر نہایت قیمتی معلومات، پرمغز تبصروں اور جدید طبی اصولوں کے بیان پر مشتمل ہے۔ کتاب سے اندازہ ہوتا ہے کہ مواد کے جمع کرنے میں غیر معمولی محنت

اٹھائی گئی ہے۔ کسی کو ان کی آراء اور قائم کردہ فیصلوں سے اختلاف ممکن ہے، مگر وہ مؤلف کی تحقیق اور دلائل کی داد دیئے بغیر نہیں رہ سکتا ہے۔ اس موضوع پر اردو زبان میں اس سے بہتر، معلومات آفریں اور محققانہ کتاب شاید ہی کوئی ہو۔ لطف کی بات یہ ہے کہ یہ تمام کام فراغت کے بعد ابتدائی یا زیادہ سے زیادہ درمیانی سالوں کا ہے، آخری سالوں میں کچھ لکھنے لکھانے کا سلسلہ متروک تھا، حالانکہ تحقیق وتصنیف کا ذوق رکھتے تھے، قلم وقرطاس سے تعلق کے انقطاع پر حزین تھے اور اپنے علمی منصوبوں کی عدم تکمیل کا حسرت سے ذکر کیا کرتے تھے۔ تصنیف وتالیف کا یہ سلسلہ جاری کیوں نہ رہ سکا، رفتار کم بلکہ ختم کیوں ہوئی؟ اب اس کا ذکر فائدہ تو کوئی نہیں رکھتا، البتہ غم میں مزید اضافے کا سبب ضرور ہے۔

فقہ کے علاوہ سیاست اور اس کا خاص باب بین الاقوامی تعلقات آپ کا پسندیدہ موضوع تھا۔ اس موضوع پر گفتگو کے وقت معلوم ہوتا تھا کہ کسی یونیورسٹی میں آئی آر کا پروفیسر اس موضوع پر لیکچر دے رہا ہے۔ خطے کی صورت حال، داخلی حالات اور مستقبل کے امکانات پر اپنی مخصوص رائے رکھتے تھے۔ اقوام عالم میں افغان قوم کے متعلق اقبال کے نظریے ''افغان باقی کہسار باقی'' سے متفق تھے۔ پاکستانی قوموں کی عادات وخصائص اور ان کی اصل ونسل کو بیان کرتے ہوئے شاخ در شاخ تقسیم کرکے بالکل تحتانی درجے تک پہنچ جاتے تھے۔ کسی مبالغہ اور رنگ آمیزی کے بغیر بعض قوموں کے متعلق اتنی واقفیت رکھتے تھے کہ وہ خود اپنے آپ کے متعلق بھی اتنا نہیں جانتی ہوں گی۔

ان سطور کی تحریر کے وقت مفتی صالح محمدؒ کی شہادت کو ایک مہینے سے زائد ہوگیا ہے، مگر دل اب بھی اسے ایک حقیقتِ واقعہ کے طور پر قبول کرنے کو تیار نہیں ہے اور کیسے تسلیم کرلے جبکہ جذبات سے عاری اور داخلی احساسات سے خالی بے جان اشیاء میں بھی صرف جسمانی قربت سے ایک تعلق پیدا ہوجاتا ہے اور ایک کے الگ کرنے سے دوسرا مزاحمت کرتا ہے، انسان تو پھر انسان ہے، سینے میں دل اور دل میں جذبات رکھتا ہے۔ ہم زبان کو شہداء کی یاد سے بند رکھیں یہ تو طاقت میں ہے مگر دل پر کس کا زور چلتا ہے اور سوچ پر کیسے پہرے بٹھائے جاسکتے ہیں؟ جبکہ پورا کا پورا ماحول ان کی یاد دلاتا ہے، جب ان کی نشست کی طرف نگاہ اٹھتی ہے تو چشم تخیل میں وہ بیٹھے نظر آتے ہیں، لوگوں کا مجمع ان کے اردگرد لگا ہوا ہے، زبانی دریافت کرنے والے سامنے جبکہ تحکیم کے لئے تشریف لانے والے ٹولیاں بنائے انتظار میں بیٹھے ہیں، ہجوم اتنا ہے کہ برابر میں استاذ محترم مفتی عبدالقادر صاحب کو اپنی نشست تک پہنچنے میں دقت ہورہی ہے، آوازیں اتنی بلند ہورہی ہیں کہ رفقاء کا کام متاثر ہورہا ہے اور انہیں بار بار آواز پست رکھنے کی تلقین کی جارہی ہے، فون ابھی رکھا نہیں کہ دوبارہ بجنے لگتا ہے، دائیں طرف خواتین پردے میں اپنا دکھڑا سنا رہی ہیں تو سامنے کاغذات کا ڈھیر لگا پڑا ہے، کچھ فتاوی دستخط کے

منتظر تو کچھ تصحیح طلب، طلبہ کچھ کا غذ اٹھاتے ہیں اور اس سے زیادہ رکھ دیتے ہیں، اس دوران پوچھنے والے کو جوابات، طلبہ کو ہدایات اور سامنے کاؤنٹر والوں کو احکامات دیئے جارہے ہیں۔

اس قدر کام کا دباؤ کہ ذھن ماؤف اور اعصاب جواب دے جائیں اور انسان سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر دور نکل جائے، مگر وہ اللہ کا بندہ نہ تھکتا ہے نہ ضبط نفس کھوتا ہے اور نہ مزاج میں کوئی چڑ چڑاپن پیدا ہوتا ہے، زیر تربیت طالب علم کی کسی فحش غلطی کی وجہ سے اگر تھوڑی دیر کے لئے طبیعت میں کوئی جھنجھلاہٹ پیدا بھی ہوتی ہے تو فوراً اس پر قابو پالیتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ کوئی بھی ذہنی اور دماغی کام خصوصاً فتویٰ نویسی جیسی نازک اور حساس ذمہ داری پرسکون علمی ماحول چاہتی ہے، مگر وہ یہاں مفقود ہے جس کی وجہ وہی کثرت سے لوگوں کی مراجعت ہے۔ مفتیان کرام کتابوں کے درمیان براجمان ضرور ہوتے ہیں، مگر کام کے اوقات میں ان کتابوں کو چھونے کی نوبت کم ہی آتی ہے، صرف سابقہ تجربات اور پچھلی معلومات کے سہارے کام چلانا پڑتا ہے۔

فتویٰ ایک طرح کی نیم عدالتی کاروائی ہے۔ مفتی عدالتی کارروائی میں مدد دیتا ہے۔ اس طرح کی نیم عدالتی کارروائی میں صورت حال اس وقت بہت نازک ہوجایا کرتی ہے جب فریقین غصے سے مغلوب ہوجاتے ہیں، پہلے تو صرف آوازیں بلند ہوتی ہیں، پھر گالم گلوچ شروع ہوجاتی ہے اور بالآخر ایک دوسرے کے خلاف اٹھ کھڑے ہوتے ہیں، مگر مفتی صاحب ایسے ماحول کا ذرا برابر اثر نہیں لیتے تھے، ان کا ذہن مسلسل اپنے ہدف پر مرکوز رہتا تھا۔

قبائلی علاقوں کے سوالات خاص دلچسپی سے آپ حل کرتے تھے، جس کی وجہ ان کے ماحول، رسم ورواج اور عرف وعادات سے آپ کی واقفیت تھی۔ بدل، ننواتی، شرمالہ، تور، توئی، ویش، جغ وغیرہ رسومات سے اور میاں، آستانے دار، ملا، تورے دار وغیرہ اقوام کی تقسیم سے ایسے واقف تھے جیسے پوری زندگی ان ہی کے درمیان گزری ہو۔ میں تو صرف یہ دیکھ کر حیران ہوجاتا تھا کہ آپ مختلف بولیاں سمجھتے کیسے ہیں؟۔ مہینے ڈیڑھ پہلے ایک سوال آیا کہ میں نے نذر مانی ہے کہ ''کفارت'' کے روزے رکھوں گی، آپ نے جواب میں دو مہینے مسلسل روزے رکھنا تحریر کیا، اس پر کچھ اختلاف رائے ہوا، طے یہ ہوا کہ عرف کی تحقیق کی جائے، جب ایسا کیا گیا تو حقیقت وہی نکلی جو آپ نے تحریر کی تھی۔ کسی جرگے کا فیصلہ آپ کے سامنے پیش کیا جاتا تو اس نظر سے دیکھتے کہ آیا جرگے نے حق وباطل اور جائز ناجائز کا فیصلہ کیا ہے یا صرف صورتحال کو پرامن رکھنے کی کوشش کی ہے یا صرف قبائلی روایات بیان کرکے مسئلہ نمٹا دیا گیا ہے۔

کسی سوال کے جواب میں جب ضرورت محسوس کرتے وضاحت طلب کرتے، مگر انداز ایسا اختیار کرتے تھے کہ سوال کا منشا ظاہر نہیں ہونے دیتے تھے، جس سے سائل آپ کے ذہن کو پڑھنے سے قاصر رہتا تھا۔ نوآموز لوگ تنقیح لیتے ہوئے جواب بھی سمجھا دیتے ہیں اور جواب معلوم ہونے کے بعد لوگ

اسی کے مطابق وضاحت دیتے ہیں۔ دیانت عام ہوتی تو ایسا کرنے میں حرج نہیں تھا، مگر جس کرپٹ معاشرے میں ہم جی رہے ہیں اس میں تنقیح کے ضمن میں اصل مسئلہ بتادینا لوگوں کے حقوق ضائع کرنا ہے۔ مدعی یا مدعی علیہ پر بھی اگر فیصلے سے پہلے فیصلے کے آثار ظاہر ہوجائیں تو وہ فیصلے کے ڈر سے تاخیری حربے یا کارروائی کو سبوتاژ کرنے یا منصف بدلنے یا پھر کم از کم اس کی نیت پر شک کرنا شروع کردیتا ہے۔

مفتی صاحب مرحوم تحکیم طلب مسائل کی بھی سماعت فرمایا کرتے تھے، اس خدمت کو جس احسن طریقے سے انہوں نے نبھایا اس کی وجہ ''تنازعات کے تصفیہ'' کا وہ خداداد ملکہ تھا جو حق تعالیٰ نے انہیں مرحمت فرمایا تھا۔ ان کی یہ صفت ہمارے لئے باعث رشک اور ان کے لئے قابل فخر تھی۔ ظاہر میں یہ ایک وحدانی صفت ہے، مگر حقیقت میں کئی صفات کا مجموعہ ہے، مثلاً کسی تنازع کے حل کے لئے اولین شرط معاملہ فہمی ہے۔ مفتی صاحب اس قدر زیرک اور معاملہ فہم واقع ہوئے تھے کہ سرسری سی سماعت کے بعد مسئلے کی جڑ تک پہنچ جاتے تھے، مگر ہمدردی اور خیرخواہی کا جذبہ تھا کہ فیصلہ واضح ہوجانے کے باوجود اسے جلد صادر نہیں فرماتے تھے، بلکہ حتی الامکان صلح وصفائی اور مصالحت کی کوشش کرتے تھے، فریقین کو بار بار اس کا موقع دیتے تھے، اس سلسلے میں وقت کا سوال ان کے نزدیک غیراہم تھا، اس کا نتیجہ تھا کہ اہل معاملہ گلے مل کر اور خنداں وفرحاں ان کے پاس سے رخصت ہوتے تھے۔

ثالث کا کردار ادا کرتے وقت الفاظ سے زیادہ معانی اور تعبیر سے زیادہ مقصود پر نگاہ رکھنی پڑتی ہے۔ بعض لوگ دعویٰ لے کر آتے ہیں، مگر ان کا مقصد کسی نئے حق کا حصول نہیں، بلکہ اپنے موجودہ حقوق کو مدعی علیہ کی مداخلت سے محفوظ کرنا ہوتا ہے، گویا وہ اقدام کے پردے میں دفاع چاہتے ہیں، مگر صاف لفظوں میں اس کا اظہار نہیں کرتے ہیں۔ کبھی مدعی کا ظاہری دعویٰ کچھ ہوتا ہے، مگر اصل مطلوب کچھ اور ہوتا ہے۔ کچھ لوگ اپنی طلاقت لسانی اور زور بیانی سے منصف کا ذہن متاثر کرنے کی کوشش کرتے ہیں، مگر ایسی کوئی کوشش یا چالاکی ان کے سامنے کامیاب نہیں ہوسکتی تھی۔ سماعت کے خاتمے پر جو فیصلہ تحریر فرماتے تھے، اس میں واقعات کا خلاصہ، فیصلہ طلب امور، متنازع امور کا فیصلہ، فیصلہ کی وجوہات اور شہادات وغیرہ سب کا بیان ہوتا تھا، ایک عدالتی فیصلے کی پوری روح اور حقیقت اس میں موجود ہوتی تھی، صرف اصطلاحات کا بیان رہ جاتا تھا۔

آج ضرورت اس بات کی ہے کہ تحکیم کے شعبہ کو وسعت دی جائے اور اسے ایک منظّم ادارے کی صورت میں سامنے لایا جائے، زمانے کو اس کی ضرورت ہے، شریعت اسے تسلیم کرتی ہے، دور نبوت میں اس کا ثبوت ملتا ہے، قضاء کا یہ اہم باب ہے۔ زمانہ جاہلیت میں بھی اس کی مثالیں ملتی ہیں، عکاظ کے میلے میں نزاعات کو فیصل کرنے کے لئے ثالث مقرر ہوا کرتے تھے۔ خود ہمارے ہاں قانون ثالثی کے نام سے جو قانون رائج ہے، اس کی رو سے اگر جانبین یہ معاہدہ کرلیں کہ ہم آپس میں

پیدا شدہ تنازع کا فلاں سے فیصلہ کرائیں گے تو تمام عدالتوں کا اختیار سماعت ختم ہوجاتا ہے، مگر بدقسمتی یہ ہے کہ قانون ثالثی وہی قانون ہے جو پورا کا پورا انگلستان کا ہے اور اٹھا کر یہاں نافذ کردیا گیا ہے۔ ساٹھ سال میں ہم اس میں کوئی ترمیم بھی نہیں کرسکے ہیں اور جہاں کی ہے وہاں اسے بہت الجھا دیا ہے۔ اگر تنازعات کے تصفیہ کے اس متبادل نظام کو منظّم اور مرتب کیا جائے تو یہ مسلمانوں کی ایک بہت بڑی خدمت ہوگی۔ لوگ مروجہ عدالتی نظام سے مایوس ہوچکے ہیں، ضرورت پڑنے پر بھی عدالت کا سہارا لینا پسند نہیں کرتے ہیں، کیونکہ وہاں وقت اور پیسہ بہت خرچ ہوتا ہے، نظام طویل اور پیچیدہ ہے اور یہاں کے کلچر اور ثقافت کے خلاف ہے، نتیجہ یہ ہے کہ دیوانی مقدمے کے بعد فوجداری مقدمہ شروع ہوجاتا ہے اور ایک مرتبہ عدالت جانے کے بعد پھر وہاں سے نکلنا دشوار ہوجاتا ہے۔ گورنمٹ قانون پر قانون بناتی ہے، مگر اصل مسئلہ قانون کی روح کے مطابق اس پر عمل درآمد کا ہے، قانون بذات خود اتنی اہمیت نہیں رکھتا جتنی اہمیت وہ ہاتھ رکھتے ہیں جو اسے نافذ کرتے ہیں، ایسے ہاتھ کرپٹ اور بدعنوان ہیں۔ بالائی عدالتوں میں کرپشن کم ہوئی ہے، لیکن عوام کا زیادہ تر واسطہ نچلی سطح کی عدالتوں سے پڑتا ہے۔ اگر کسی کے حق میں دعوی ڈگری ہوجائے تو اس کے بعد اہم مرحلہ اس کے نفاذ کا آتا ہے، یہاں آکر کمزور بے بس ہوجاتا ہے، ایک بڑھیا کس طرح ایک طاقتور مافیا سے قبضہ چھڑا سکتی ہے؟ اور اگر نہیں چھڑا سکتی تو کاغذ کا وہ پرزہ اس کے کس کام کا ہے؟ ایک محترم جج صاحب کے بقول ہمارے ہاں انصاف پانے کے لئے عمر نوح، صبر ایوب، گنج قارون اور حیات خضر چاہئے۔

عدل وانصاف آسمانی کتابوں کا مقصد اور پیغمبروں کی تعلیم وتبلیغ کا حصہ رہا ہے، اس نظامِ عدل کا ایک جزء تحکیم بھی ہے اور تحکیم کے احیاء واصلاح کی ہمیں قدرت بھی ہے، اس لئے اس موضوع پر گفتگو ذرا طویل ہوگئی، ورنہ اصل مقصود تو مرحوم شہید کے طریقۂ انصاف کو بیان کرنا تھا۔ وہ انصاف کرتے تھے اس لئے ان کے ساتھ بھی انصاف ہوگا۔ یہاں اگر عدالتِ انصاف نہیں لگتی تو عن قریب ایک بڑی عدالتِ انصاف لگنے والی ہے، مفتی صالح کو وہاں کچھ کہنے کی ضرورت نہ ہوگی۔ ''لہو پکارے گا'' کا شاعرانہ تخیل اس دن حقیقت کا روپ دھارے گا اور وہی دن ہوگا جب صحیح معنی میں سینے کی جلن اور کلیجے کی تپش ٹھنڈی ہوگی۔

اس دنیا میں ہماری تسکین اور ہمت افزائی کے لئے شہید کے والد کے وہ وجد آفریں، ایمانی قوت سے بھرپور اور جذبۂ تسلیم ورضا میں ڈوبے ہوئے کلمات کافی ہیں جو انہوں جواں سال اور خون میں لت پت بیٹے کے لاشے کو دیکھ کر کہے تھے کہ ''مجھے فخر ہے کہ میرا بیٹا خاندان کا پہلا عالم تھا، خاندان کا پہلا مفتی تھا اور اب یہ اعزاز بھی مجھے حاصل ہوگیا ہے کہ میرا بیٹا اپنے خاندان کا پہلا شہید ہے''۔

☆☆......☆☆

یادوں کے بجھے ہوئے سویرے!

مولانا محمد بلال بربری
استاذ جامعہ

اچھی طرح یاد ہے، اور وہ پر لطف منظر اب بھی، جب کہ میں یہ تحریر قلمبند کرنے لگا ہوں، میرے دماغ کے پردے پر ایک محفوظ انمٹ فلم کی مانند چل رہا ہے، درجہ سادسہ کا سال ہے، اور جلالین شریف کا درس جاری ہے، سورۂ نساء کی آیت میراث کی تفسیر شروع ہوئی، فن میراث کی پیچیدگیوں اور فن میراث پر دسترس کے حصول میں مشکلات کے متعلق دوران گفتگو میں یہ بات کان میں پڑتی ہے: ''ہمارے جامعہ کے دارالافتا میں بھی ہمارے ایک مفتی صاحب کو فن میراث میں وہ کمال حاصل ہے کہ اگر کوئی نیند میں بھی ان سے میراث کا کوئی مسئلہ دریافت کرلے تو وہ اس کو بالکل ٹھیک ٹھیک بتادیں گے، اور وہ مفتی صالح محمد صاحب کاروڑی ہیں''۔ یہ وہ سب سے پہلا موقعہ تھا جب حضرت استاذ مفتی صالح محمد کاروڑی شہیدؒ کے تذکرۂ خیر میں یہ کلمات' ایک ایسی شخصیت کی زبان سے سنے جو اپنی گفتگو میں الفاظ کے انتخاب اور ان کی ادائیگی کے بارے میں انتہائی محتاط واقع ہوئی ہے، اور درحقیقت اس وقت یہ کلمات سن کر اَن سنے کر دیئے، البتہ دورۂ حدیث کے اختتام تک میراث کے مسائل حل کرتے وقت ان کلمات کی صدائے باز گشت دماغ کے کسی گوشے میں ضرور سنائی دیتی رہی۔

۲۰۰۹ء میں جب میرا تخصص فی الفقہ میں داخلہ ہوا اور دارالافتا سے باقاعدہ اور مسلسل ربط کا سلسلہ شروع ہوا، تو چونکہ تخصص سال اول وسال دوم کے طلبہ کی درسگاہ ایک ہی تھی، تب تخصص سال دوم کے طلبہ ساتھیوں کے ذریعے حضرت استاذ مفتی صالح محمد کاروڑی شہیدؒ کے متعلق جو منتشر طور پر سماعی تعارف ہوا، اس کے متفقہ نکات یہ تھے کہ: ''مفتی صالح صاحب بہت ہی سخت ہیں''، ''استفتاء کی تاریخ واپسی سے ایک دن یا دو دن پہلے ہی اگر فتوی ان کی جگہ پر تصحیح کے لئے نہ پہنچے تو خیر نہیں ہے''، ''جب دارالافتاء میں ''چھوٹے'' کی صدا گونجے تو پکارنے والے مفتی صالح صاحبؒ ہیں، جو بلا قید عمر ہر ایک کو ''چھوٹے'' کہہ کر بلاتے ہیں''، ''مفتی صالح صاحب کی تصحیح کی باری میں فتویٰ انتہائی مختصر اور ''ٹو دی پوائنٹ'' ہونا چاہئے، تفصیلات سے مکمل گریز''، ''اگر کسی تحریر میں کوئی غلطی محسوس ہوتی ہو، یا مثلاً تاریخ واپسی کے بعد ان کی جگہ پر رکھا جانا ہو تو وہ فتوی مفتی صاحبؒ کی جگہ پر ان کے سامنے نہ رکھا جائے، بلکہ یا ان کے آنے سے پہلے یا ان کے جانے کے بعد رکھا

جائے، مبادا ان کی نظر کسی غلطی یا کوتاہی پر پڑ جائے اور پھر وہ سب کچھ ہو جس کو ساتھی اپنی یادداشت میں لکھ کر اپنے ''میڈیا'' کے ذریعے پھیلا دیں''، ''اگر فتوے میں کوئی گڑ بڑ ہو تو مفتی صاحبؒ بہت اچھے ''ناشتے''، یا ''دوپہر کے عمدہ کھانے''، یا ''شام کی دودھ پتی چائے'' سے تواضع کرتے ہیں''، یعنی اگر صبح کے وقت استاذ محترمؒ کسی طالب علم ساتھی کو کسی غلطی پر تنبیہ کے لئے بلاتے تو یہ اس کے لئے ''دن کا میٹھا آغاز'' اور ''صبح کا بہترین ''ناشتہ''، دوپہر کے وقت یہ طلبی ہوتی تو ''دوپہر کا لذیذ کھانا''، اور اگر کسی کی ایسی ہی ''قسمت'' شام کے وقت ''یاوری'' کرتی تو یہ اس کے لئے ''دودھ پتی چائے کے کپ'' کی نوید ہوتی، بلکہ ان اصطلاحات کا دائرہ تو تمام اساتذۂ کرام کی ''تواضعات'' کو جامع وشامل تھا۔

ظاہری بات ہے کہ ''لاء اینڈ آرڈر'' کی اتنی کشیدہ صورتحال، اور ''کورٹ مارشل'' کے اتنے سخت اصولوں کو سن کر بہ استثنائے چند جو سب کی حالت ہوتی تھی، وہی میری حالت تھی، نتیجہ یہی ہوا کہ جب سال دوم والے ساتھیوں کا قافلۂ علم کوچ کر گیا اور تمرین افتا کی وادی میں ہمارے سال کے ساتھیوں نے قدم رکھا تو مفتی صاحبؒ کا یہی تأثر سب کے دماغوں پر مسلط تھا اور جو اصول وقواعد سال گزشتہ کے ساتھیوں سے سن رکھے تھے، اور ہم تک وہ بطور وراثت منتقل ہوئے تھے، انہی کی مکمل پاسداری کی گئی، حتی کہ صبح کے ناشتے، دوپہر کے کھانے اور شام کی چائے تک کی اصطلاحات تک میں کسی قسم کی ترمیم کو گوارا نہیں کیا گیا۔ تخصص فی الفقہ سے فراغت تک میرا حال یہ تھا کہ میں بلاوجہ شدید استاذ محترمؒ کے سامنے جانے کی کبھی بھی جرأت نہیں کرسکا، حتیٰ کہ جب راستے سے گزرتے، ٹکراؤ ہو جاتا تو ہمارے مدارس کے عام رواج کے موافق راستہ چھوڑ کر ایک جانب کھڑا ہو جاتا لیکن سلام کے الفاظ منہ کے اندر ہی رہ جاتے، ان الفاظ کے باہر لانے کی قوت نہیں پاتا تھا۔ لیکن تخصص فی الفقہ مکمل کرلینے کے بعد میری انتہائی خوش قسمتی سے جب حضرت استاذؒ سے گھل ملنے کا موقع میسر آہی گیا، تب آپؒ کی مرنجاں مرنج طبیعت، آپؒ کا ذوق ظرافت، طلبہ سے آپؒ کا پر خلوص اور بے لوث و بے غرض قلبی تعلق اور آپؒ کی اس ظاہری سختی کے پردے کی اوٹ سے ایک انتہائی نرم خو اور نرم دل انسان آشکارا ہوا۔ اس انکشاف نے وہ تمام کدورتیں اور دوریوں کی پرچھائیاں جو بشری اور فطری کمزوریوں کی بنا پر دل پر چھائی ہوئی تھیں، یکدم ویکسر صاف کر کے دل کو قلعی کر دیا، اور آپؒ کی محبت دل میں جاگزیں، بلکہ پیوست ہوگئی۔

نحیف البدن، میانہ قامت، سخت جانی وسخت کوشی کی واضح علامات لیا ہوا گندمی رنگ، آنکھوں پر عینک، اور اس عینک کو نیچے کی جانب رکھ کر اوپر سے دیکھنے کا ایک مخصوص انداز، سیدھا سادا لباس جس میں پرتکلف مفتیانہ جاہ وجلال کی کوئی شان جھلکتی نظر نہ آتی تھی، سر پر جالی والی ٹوپی، جو ایک خاص وضع کے ساتھ ہر وقت سر پر رہتی تھی، انداز گفتگو میں مادری زبان پشتو کے محسوس ہوتے اثرات، لیکن اردو الفاظ کے استعمال میں کسی قسم کی شکستگی یا جھول سے مبرا، چلتے وقت سینہ کشادہ، کندھے اچکے ہوئے، کبھی جھکتی، کبھی اٹھتی نظریں، لیکن راہ گزرتے ہوئے نہ کوئی گھن گرج ہوا کرتی اور نہ ہٹو بچو کا شور۔

دوپہر کے کھانے کے وقفے میں سال گزشتہ تک میرا معمول تھا کہ میں دارالافتاء میں اپنے کچھ اساتذہ اور دیرینہ احباب کے ساتھ دسترخوان پر کھانے میں شریک ہوا کرتا تھا، میرے لئے یہی وہ حسین لمحات ہوا کرتے تھے جب آپؒ کے ساتھ خوب کھل کر گفتگو ہوتی اور آپؒ سے مختلف قسم کی علمی باتیں، سیاسی نکات، ادبی ظرائف، تاریخی سلسلے، اور مزید برآں ''خوش گپیاں''، اور ''چھیڑ چھاڑ'' سننے کو ملتیں۔ کبھی مولانا شمس الحق افغانیؒ کے علمی شہ پارے، کبھی تقسیم ہند و پاک اور دوقومی نظریے کے سیاسی اثرات، کبھی مولانا اعزاز علیؒ کی ''نفحة العرب'' وغیرہ سے کشید کئے ہوئے ادبی قصے، کبھی افغانیوں، پشتونوں، بلوچیوں، میمنوں اور گجراتیوں کے تاریخی پس منظر اور پیش منظر۔ تخصص فی الفقہ کے دورانیے میں آپؒ کی شخصیت کا جو عکس لوحِ دل پر ثبت تھا، اس کی بنا پر میرے لئے آپؒ کی شخصیت کے اس پرلطف اور دلنشیں رخ کا انکشاف ایک اچھنبا تھا، جلد ہی آپؒ کے سامنے مجھے بھی ''جرأت گفتار'' ہو ہی گئی، جس کا میں کبھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا اور پھر آپؒ کے ساتھ محفل کا رنگ، استاذ اور شاگرد کی محفل کی بجائے، گہرے مونس ورفیق کی محفل کا سا معلوم ہونے لگا: ع

بہت لگتا ہے جی ان کی صحبت میں

حال ہی میں مولانا شمس الحق افغانیؒ کے جملہ افادات، تالیفات ورسائل اور ملفوظات، ایک عمدہ مجموعے کی صورت میں شائع ہوئے ہیں، اس مجموعے کے بازار میں آنے کے کچھ ہی دن بعد آپؒ نے دوران گفتگو فرمایا کہ ''میں نے اس مجموعے کا مکمل سیٹ خرید لیا ہے''، اسی طرح اس مجموعے میں موجود مولانا شمس الحق افغانیؒ کے دروس تفسیر کی خوب تعریف فرمائی، اور اس کے بعد گاہے گاہے مولانا شمس الحق افغانیؒ کی تحقیقات سنا کر طبیعت شاد فرماتے رہتے تھے۔ جس انداز کے ساتھ آپؒ یہ تحقیقات بالاستیعاب سنایا کرتے تھے، اس سے ہی معلوم ہوتا تھا کہ آپؒ غیر معمولی حد تک مولانا افغانیؒ کی شخصیت سے متأثر تھے اور معقولات میں کسی صاحب علم کو ان کے پائے کا تسلیم نہیں فرماتے تھے۔ اگرچہ مولانا شمس الحق افغانیؒ کی علمی شخصیت اور معقولات پر مولانا افغانیؒ کی دسترس ویسے ہی روز روشن کی طرح آشکارا ہے، لیکن آپؒ سے متعدد بار مولانا افغانیؒ کی تعریف وتوصیف سن کر اس مجموعے سے استفادے کا طبعی رجحان دوچند ہوگیا۔

برصغیر کی سیاسیات کے باب میں ''مدنی الطبع'' تھے، اور حضرت مدنیؒ کی سیاسی بصیرت کے بے حد مداح تھے۔ تقسیم ہند و پاک کے متعلق اپنے اختیار کردہ نکتۂ نظر کے بارے میں انتہائی منشرح الصدر تھے، اور اس بارے میں اس کے مخالف کسی رائے کو تسلیم کرنے سے یکسر بیزار تھے۔ ایک صاحب نے جو آپؒ سے بہت زیادہ بے تکلف تھے، ایک موقع پر اپنے کسی سیاسی نکتۂ نظر کی جو آپؒ کے سیاسی موقف کے برخلاف تھا، وکالت کرتے ہوئے جب یہ کہا کہ ''میرے اختیار کردہ اس سیاسی نظریے کی فقہی بنیادیں مضبوط ہیں، البتہ یہ سیاسی نظریہ معروضی صورت حال میں نتیجہ خیز اس وجہ سے ثابت نہ ہوسکا کہ اس نظریے کو اپنی وکالت

کے لئے درست اور ایمان دار لوگ نہ مل سکے‘‘ اس واقعے کے بعد جب بھی آپؒ کی ان صاحب سے ملاقات کی صورت ہوتی تو بڑے مزے لے لے کر ان صاحب کے اس جملے پر کہ ’’لوگ صحیح نہیں ملے‘‘ ان کو چھیڑا کرتے تھے، اور آپؒ کا یہ انداز مزاح تمام حاضرین مجلس کے چہروں پر مسکراہٹیں بکھیر دیتا۔

قوم افغان آپؒ کی دلچسپی کا خصوصی مرکز تھی، جا بجا ان کی غیرت، ان کی ہمت، اور ان کی شجاعت کو داد تحسین سے نوازتے اور تاریخی واقعات سے اپنی بات کو مدلل کر کے بیان کرتے، نیز وہاں کی مختلف شخصیات کے تعارف اور ان کی مدحت میں رطب اللسان رہتے، اور اپنی بات کو اتنی قوت اور جوش کے ساتھ پیش کرتے کہ سامعین کو واقعی اپنا ہم نوا بنا لیتے۔ اسی مدح سرائی سے جب آپؒ دیگر اقوام کے ساتھ موازنہ کرتے ہوئے قوم افغان کے خصائل وشمائل کو دیگر اقوام کے خصائل وشمائل کے بالمقابل شمار کرتے تو آپؒ مفتی سے مؤرخ نظر آنے لگتے۔ ’’دریائے کابل سے دریائے یرموک تک‘‘ مؤلفہ مولانا ابوالحسن علی ندویؒ آپؒ کی نشست پر موجود کتابوں میں مستقل موجود رہتی تھی، جو آپؒ کے اس قوم افغان اور ان کے خطۂ ارضی سے آپؒ کی محبت کی علامت تھی۔ محمد بن قاسمؒ کے سندھ میں داخلے کی کیا صورت بنی؟ سندھ میں بیرون سندھ سے آنے والی قوموں کے آبسنے کا سبب اور محرک کیا ہوا؟ تقسیم بر صغیر سے کس کو کیا فائدہ ہوا اور کس کو کیا نقصان؟ گجراتیوں اور میمنوں کی تاریخی وابستگی اور ان کے نمایاں اوصاف وخصوصیات کیا ہیں؟ وغیرہ وہ سوالات تھے جن کے جوابات آپؒ خوب جی کھول کر مزے مزے سے دیتے۔ اس وقت میں دوران گفتگو آپؒ کے انداز کو چشم تصور میں واضح طور پر دیکھ رہا ہوں اور آپؒ کے سادہ اور مخصوص تکیۂ کلام ’’صحیح ہے نا‘‘ کی مٹھاس کانوں میں رس گھولتی محسوس ہو رہی ہے۔

میری نظر میں آپؒ کی شخصیت کا ایک انتہائی نمایاں پہلو آپؒ کا اخفائے حال تھا۔ آپؒ کے حین حیات آپؒ کے قریبی رفقاء واحباب تک کو آپؒ کی گونا گوں علمی ودینی ورفاہی مصروفیات کی مکمل واقفیت نہ تھی۔ آپؒ کی دن بھر کی مصروفیات سن کر جہاں حیرت اور تعجب کا جھٹکا لگا، وہیں آپؒ کی للّٰہیت اور خلوص نے دل میں آپؒ کی عظمت کو اور بڑھا دیا، دارالافتاء میں آپؒ کی جو مصروفیات تھیں، ان کا بوجھ اور ان کی ذمہ داری کما حقہ وہی جان سکتے ہیں جن کو اس راہ کے نشیب وفراز معلوم ہوں، ورنہ جن کا دارالافتاء سے صرف مسائل پوچھنے کی حد تک رابطہ ہو یا جن کا صرف دارالافتا سے گزر ہی ہوا ہو، وہ مسند افتا کی بھاری ذمہ داری کو کبھی نہیں سمجھ سکتے ہیں، اور یہی وجہ ہے کہ جب ایسے ہی ناسمجھوں کی طرف سے کسی ناسمجھی کا اظہار بڑی دلیری کے ساتھ سننے میں آتا تو عقل ان کی جہالت وناواقفیت پر سراپا ماتم ہو جاتی ہے، جس کو کبھی سر میں درد ہی نہ ہوا ہو، سر درد سے کراہتا ہوا مریض اس کو اپنی تکلیف بتائے، تو کیسے؟ دارالافتا کی ان تھک ہمہ جہتی مصروفیات کے بعد تدریسی سلسلہ، وہ بھی صرف ایک جگہ بیٹھ کر نہیں، بلکہ تین مختلف جگہوں پر مختلف اوقات میں، اگر یہ خلوص کی علامت نہیں، تو پھر اس کو کیا کہا جائے؟

ایک مرتبہ آپؒ دوران گفتگو کوئی بات بتلانے لگے تو سلسلۂ کلام میں تذکرہ آیا ’’میں ایک جگہ جمعہ

پڑھاتا ہوں''، پھر یک دم زور دے کر جملہ معترضہ کے طور پر کہا''لیکن یاد رکھو میں اس جمعہ پڑھانے کا کوئی معاوضہ نہیں لیتا ہوں''اس وقت میرا خیال یہی تھا کہ کبھی کبھار کہیں کسی مسجد میں کسی کی جگہ جمعہ پڑھالیا کرتے ہوں گے، کیوں کہ آپؒ باقاعدہ امام نہیں تھے،شہادت کے بعد اس سر بستہ راز سے پردہ اٹھا کہ آپؒ نے اپنے رہائشی علاقے میں اہل محلّہ سے وفا کا یہ نمونہ وہاں ایک مسجد (مسجد نور) کی تعمیر کا انتظام سنبھالنے اور ایک دینی مدرسے (جامعۃ النورالاسلامیۃ) کی بنیاد دھرنے کی صورت میں پیش فرما رکھا تھا، اور جس مسجد میں جمعہ پڑھانے کی آپؒ بات فرمایا کرتے تھے، وہ یہی مسجد نور تھی، جس کے بانی ومبانی خود آنجناب کی ذات تھی۔اس مدرسے میں سینکڑوں طلبہ نور نبوت سے اپنے سینوں کے چراغ روشن کررہے ہیں، اوران طلبہ میں ان بچوں کی بھی معتد بہ تعداد ہے، جن کے سروں سے ان کے والد کا سایہ اٹھ چکا ہے، اورحضرت شہیدؒ ان کے سروں پر شفقت کا ہاتھ رکھ کر ان کے سروں پرموجود بالوں کی تعداد کے بقدر ہر گھڑی اجروثواب کی روحانی لذت سے بہرہ اندوز ہورہے ہیں۔

ملکی وبین الاقوامی کئی علمی ومذہبی وسیاسی شخصیات جامعہ میں وقتاً فوقتاً قدم رنجہ فرماتی رہتی ہیں، اور بعض اوقات مہمانوں کی قدر بلند کے پیش نظر جامعہ کے خارجی اطراف اوراندرونی درودیوار میں غیر معمولی اثرات نظر آتے ہیں، لیکن آپؒ کو میں نے بارہا دیکھا کہ اس شور وشغب سے مکمل یکسور ہتے ، اورآپؒ کے معمولات میں کوئی فرق محسوس نہیں ہوتا، جیسے کچھ ہوا ہی نہیں اور نہ کچھ ہونے جارہا ہے، اوروں کے لئے وہ دن بہت کچھ ہوتے ہوئے بھی آپؒ کے لئے وہ دن بھی ایک معمولی دن ہی ہوتا اور اوروں کے جلو میں اپنے آپ کو نمایاں کرنے سے آپؒ مکمل طور پر گریزاں رہتے، یہ بھی آپؒ کی اسی صفت اخفاء کا ایک اور مظہر تھا۔

اللہ تعالیٰ آپؒ کی اس صفت اخفا اور صفت خلوص سے مجھ سمیت آپؒ کے جملہ تلامذہ کو حصہ عطا فرمائے۔

پانچ سال کی عمر میں اپنے گاؤں کاروڑ سے کراچی کا سفرِ ہجرت کرنے والا، تقریباً تین دہائیاں طلب علم نبوت میں گزار کر، تبلیغ علم کا علم بلند کئے علم پھیلانے کا مخصوص مشن لئے ، ۱۸ربیع الاول ۱۴۳۴ھ بمطابق ۳۱رجنوری ۲۰۱۳ء کی دوپہر کو بھی معمول کے مطابق ایک محاذ سے دوسرے محاذ کی طرف اپنا فریضہ ادا کرنے ہی جارہا تھا کہ پیغام اجل آپہنچا، اور ہجرت کے بعد شہادت کے مرتبے سے بھی سرفراز ہوا۔دارالافتا کا ایک دلچسپ عہد جس میں''چھوٹے'' کی آواز گونجتی تھی، قوم افغان کی قصیدہ خوانی ہوتی تھی، مختلف قوموں کے تاریخی ادوار اوران کے ارتقاء کی دلنشین انداز میں تحلیل ہوتی تھی، ختم ہوا، اور شہید راہ علم مفتی صالح محمد کاروڑیؒ، ڈالمیا کے قبرستان کی خاک میں آسودہ خواب ہوئے، لیکن آپؒ کی یادوں کے دیے نہ جانے کتنے ہی دلوں میں جل رہے ہیں، جن کے باعث کتنی ہی آنکھوں سے ایک سیل رواں مسلسل جاری ہے:

جان کر من جملہ خاصۂ مے خانہ مجھے
مدتوں رویا کریں گے جام و پیمانہ مجھے

مجموعۂ محاسن

مولانا عبدالحمید ناخدا
دارالافتاء جامعہ

حضرت مولانا مفتی صالح محمد شہیدؒ

۱۸ربیع الاول ۱۴۳۴ھ بمطابق ۳۱/جنوری ۲۰۱۳م بروز جمعرات استاذِ محترم حضرت مولانا مفتی صالح محمد صاحب کاروڑی نوراللہ مرقدہٗ استاد ورفیق دارالافتاء جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن کراچی محض ۴۲/سال کی عمر میں مادرِعلمی سے جامعہ اسلامیہ درویشیہ جاتے ہوئے خلعۂ شہادت سے سرفراز ہوکر اپنے ہزاروں متعلقین کوغم زدہ چھوڑ کر اپنے مخدوم اور خادم کے ہمراہ لبوں پر دل آویز تبسم لئے پرسکون چہرے کے ساتھ رفیقِ اعلیٰ سے ملاقات کے لئے چل دیئے۔ إنالله وإناإليه راجعون۔

حضرت مفتی صاحب شہید رحمہ اللہ سے عمر کے اس مختصر دورانیہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کی نشرواشاعت کے سلسلہ میں جوعظیم کام لئے ہیں، بیشک یہ حضرت شہید رحمہ اللہ کی عنداللہ قبولیت کی واضح دلیل ہے اور آپ رحمہ اللہ نے شہرت اور نام ونمود سے مستغنی ہوکر جس پوشیدگی اور اخفاء کے ساتھ ان خدمات کوانجام دیا ہے، یہ آپ کے اخلاص اور للّٰہیت کی کھلی دلیل ہے، جس پر آپ کی مظلومانہ شہادت نے ناقابلِ تردید تصدیقی مہر بھی ثبت کردی ہے۔ حضرت شہید رحمہ اللہ کی ساری زندگی دین سیکھنے ،سکھانے اوراس کی نشرواشاعت میں گزری۔ آپ اپنی ذات میں ایک انجمن تھے، آپ بیک وقت مدرس بھی تھے، مفتی بھی تھے، حَکَم بھی تھے، مؤلف بھی تھے، خطیب بھی تھے، مسجد ومدرسہ کے منتظم اورصدر بھی تھے۔ غرضیکہ آپ کی شخصیت صفاتِ حسنہ کا ایک ایسا مجموعہ تھی، جس کی ہر ہرصفت اپنی جگہ بے مثال تھی۔

حضرت شہید رحمہ اللہ نے ۱۹۹۳ء میں جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن سے سندِ فراغت حاصل کی اوراس کے بعد جامعہ ہی میں حضرت مولانا مفتی عبدالسلام صاحب چاٹگامی مدظلہ العالی اور حضرت مولانا مفتی نظام الدین صاحب شامزئی شہید رحمہ اللہ کی زیرِنگرانی تمرینِ فتاویٰ کی تربیت حاصل کی۔ فراغت کے بعد تقریباً ۴/سال تک آپ اپنی دیگر مصروفیات کے ساتھ ساتھ محض اپنے شوق کی بنیاد پر اپنے اساتذہ کے زیرِتربیت فتویٰ نویسی کی مشق بھی کرتے رہے۔ آپ کے شوق، ثابت قدمی، اور بہترین استعداد کی بنیاد پر اساتذہ کرام نے آپ پر اعتماد کا اظہار کرتے ہوئے ۱۹۹۸ء میں آپؒ کو مادرِعلمی میں بحیثیت رفیق

دارالافتاء خدمت کا مستقل موقع فراہم کیا، آپ نے اپنے اساتذہ کے اعتماد کی بھرپور لاج رکھی اور تادمِ شہادت اس خدمت کو پوری تندہی کے ساتھ اس طرح سرانجام دیا کہ حق ادا کردیا۔ آپ رحمہ اللہ دن بھر درس وتدریس اور فتاویٰ کے علمی میدان میں خدمات کی ادائیگی میں بے انتہا مصروف رہا کرتے تھے۔ آپؒ کی انتھک محنت کا کچھ معمولی سا اندازہ آپ کی ان خدمات کو دیکھ کر لگایا جاسکتا ہے جو بوقتِ شہادت آپ کے ذمہ تھیں۔

۱:. دارالافتاء بنوری ٹاؤن میں کل وقتی مصروفیت:

دارالافتاء میں جو اہم ترین خدمات آپ کے سپرد تھیں، وہ مندرجہ ذیل ہیں:

☆ دستی جمع ہونے والے فتاویٰ کی تصحیحات، اور اس سلسلہ میں طلبہ کی راہ نمائی کرنا۔
☆ مسائل معلوم کرنے کے لئے آنے والی خواتین کو سننا اور ان کے مسائل کو حل کرنا۔
☆ متنازع مسائل میں تحکیم کرنا۔
☆ فون پر مسائل بتانا۔
☆ زبانی معلومات کے لئے آنے والوں کی شرعی مسائل میں رہنمائی کرنا۔

۲:. تدریس:

مندرجہ ذیل کتب آپ کی زیرِ تدریس تھیں:

☆ جامع الترمذی۔ حدیث مبارکہ کی یہ معرکۃ الآراء کتاب دو جگہ آپ کے زیرِ تدریس تھی:
۱:...... جامعہ اسلامیہ درویشیہ سندھ مسلم سوسائٹی (جہاں جاتے وقت یہ حادثہ فاجعہ پیش آیا)
۲:...... جامعہ احیاء العلوم للبنات پیر کالونی۔
☆ شرح عقود رسم المفتی ودیگر کتب تخصص فی الفقہ الاسلامی (جامعہ اسلامیہ درویشیہ میں)
☆ نورالانوار (جامعہ بنوری ٹاؤن میں)

۳:. اشراف ونگرانی:

آپ رحمہ اللہ جامعہ اسلامیہ درویشیہ میں تخصص فی الفقہ الاسلامی کے مشرف ونگران بھی تھے۔

۴:. خطابت:

مسجد نور کٹی پہاڑی میں آپ خطابت کے فرائض انجام دیا کرتے تھے۔

۵:. منتظم:

آپ رحمہ اللہ مسجد نور کے صدر اور منتظم بھی تھے، اور اس مسجد کے ساتھ آپ نے حفظ وناظرہ کا ایک مدرسہ بھی قائم کیا ہوا تھا اور اس کی نسبت اپنے محبوب استاذ حضرت مولانا مفتی احمد الرحمٰن صاحب رحمہ اللہ کی طرف کی ہوئی تھی۔ اس ادارے کا مکمل انتظام وانصرام حضرت شہید رحمہ اللہ کے ہاتھ میں تھا، اس مدرسہ میں فی

الوقت ۷۰۰ بشمول سایۂ پدری سے محروم ۸۰ ریتیم طلباء زیرِ تعلیم ہیں ۔حضرت نے یہ کام اس قدر پوشیدگی کے ساتھ انجام دیا کہ آپ کے بہت سارے قریبی اور بے تکلف ساتھی بھی آپ کی حیات میں اس سے لاعلم اور بے خبر رہے، اور بہت سوں پر یہ عقدہ آپ کی حیاتِ جاودانی کے بعد کھلا۔ یقیناً یہ حضرت شہید رحمہ اللہ کے لئے ایسا صدقہ جاریہ ہے، جس سے وہ اُس عالم میں بھی ہر لحظہ مستفید ہور ہے ہوں گے اور ان شاء اللہ! ہوتے رہیں گے۔

آپ کو اللہ تعالیٰ نے خصوصی ذہانت اور قوی حافظہ عطا فرمایا تھا، جزئیات میں آپ کا استحضار کمال کا تھا، حوالہ جات کی تخریج میں آپ کو ملکہ حاصل تھا، جس کا واضح اور بین ثبوت آپ رحمہ اللہ کی وہ شاندار خدمات ہیں جو آپ نے اردو میں فتاویٰ کی معیاری ترین کتاب ''کفایت المفتی ''اور'' فتاویٰ رحیمیہ'' جیسی اہم کتاب کی تخریج کرکے ادا کی ہیں، اس کے علاوہ اردو میں فتاویٰ کی ضخیم ترین کتاب ''فتاویٰ محمودیہ'' کے معتد بہ حصے کی بھی تخریج فرما چکے تھے کام زیرِ تکمیل تھا کہ جامعہ فاروقیہ سے فتاویٰ محمودیہ کا تخریج شدہ نسخہ طبع ہوگیا، آپ رحمہ اللہ کا مقصد چونکہ اس خدمت سے شہرت کا حصول نہ تھا، بلکہ ایک علمی ضرورت کو پورا کرنا تھا اس لئے آپ نے یہ فرما کر کہ ''مقصد حاصل ہوگیا'' اس پر کام بند کردیا تھا۔ قدیم مسائل کے ساتھ ساتھ جدید مسائل پر بھی آپ کی گہری نگاہ تھی اور پیش آمدہ جدید مسائل پر آپ کی رائے انتہائی وقیع اور وزنی ہوا کرتی تھی۔ آپ کے متحرک قلم سے نکلنے والے بیش بہا فتاویٰ جات کے علاوہ ''کلوننگ'' کے موضوع پر ایک مستقل رسالہ بھی ''استنساخ'' کے نام سے طباعت کے زیور سے آراستہ ہوکر اس اہم ترین موضوع پر بہت سوں کی رہنمائی کا ذریعہ بن چکا ہے۔

اس قدر دینی وعلمی خدمات کے ساتھ ساتھ آپ رحمہ اللہ کے تجارتی مشاغل بھی تھے، جنہیں آپ جامعہ کا وقت پورا کرنے کے بعد رات گئے تک سرانجام دیتے تھے۔ اس قدر مصروفیت کا نتیجہ ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ آپ مسکراہٹ اور خوش طبعی کے نام سے بھی واقف نہ ہوتے لیکن یہ حضرت شہید رحمہ اللہ کا کمال تھا ،کرامت تھی کہ اس قدر جسمانی مشقت اور ذہن کو تھکا دینے والی مصروفیات کے باوجود آپ کے چہرے کی بشاشت میں کوئی فرق نہ آتا اور آپ جس مجلس میں بیٹھتے اپنی دلچسپ گفتگو اور منفرد انداز سے شرکاء کے لبوں پر تبسم بکھیر دیتے۔ حضرت شہید رحمہ اللہ کی باغ بہار شخصیت، خوش مزاجی، برادرانہ بے تکلفی، وسعتِ مطالعہ ، ذہانت وذکاوت اور حاضر جوابی کا اندازہ تو وہی لوگ کرسکتے ہیں جنہیں حضرت کے ساتھ نجی مجالس میں بیٹھنا نصیب ہوا ہو، بلا شک وشبہ جس نجی مجلس میں آپ موجود ہوتے میر مجلس آپ ہی ہوتے۔

حضرت شہید رحمہ اللہ جن شخصیات سے متأثر تھے ان میں علم وعمل اور سیاست میں شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ، حضرت مولانا مفتی محمود رحمہ اللہ اور حضرت مولانا غلام غوث ہزاروی رحمہ اللہ جبکہ ادب وخطابت میں مولانا ابوالکلام آزاد رحمہ اللہ، اور علوم وفنون میں مولانا شمس الحق افغانی رحمہ اللہ خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں، مذکورہ بالا شخصیات کا تذکرہ حضرت شہید رحمہ اللہ کثرت کے ساتھ انتہائی عقیدت اور جوش وخروش سے فرمایا کرتے تھے، نیز تاریخ، سیاست اور تہذیب وثقافت آپ رحمہ اللہ کے پسندیدہ ترین موضوعات تھے جن پر آپ بلا تکان گفتگو فرمایا کرتے تھے۔ اہلِ علم خاص طور پر شعبہ افتاء سے وابستہ حضرات

اس بات سے بخوبی واقف ہیں کہ فتویٰ کے میدان میں عرف و عادات کی واقفیت کس قدر اہمیت کی حامل ہے، حضرت ممدوح شہید رحمہ اللہ کی منجملہ خصوصیات اور امتیازات میں سے ایک بہت بڑی خصوصیت اور شانِ امتیازی عرف و عادت سے بھرپور واقفیت تھی، اقوام عالم کی تہذیب پر آپ رحمہ اللہ کی معلومات انتہائی حیرت انگیز تھیں، دنیا کے ہر خطہ میں بسنے والی اکثر اقوام کی تہذیب وثقافت اور رسم و رواج سے باخبر تھے خاص کر پاکستان اور افغانستان میں بسنے والی معروف اقوام میں شاید ہی کوئی قوم ایسی ہوگی جس کی تاریخ اور تہذیب سے آپ کو واقفیت نہ ہو آپ کی یہ مہارت آپ کے فتاویٰ کی قوت کو بھی دوبالا کردیا کرتی تھی۔

آپ رحمہ اللہ کی شخصیت کا مختصرا تجزیہ کیا جائے تو ایک ایسی خود دار اور خوش مزاج شخصیت سامنے آتی ہے جو ”والدین کے لئے قابلِ فخر فرزند، بیویوں (آپ رحمہ اللہ نے دو نکاح فرمائے تھے) کے لئے خیال رکھنے والا شوہر، اولاد کے لئے مشفق اور فکرمند باپ، اساتذہ کے لئے قابلِ اعتماد شاگرد، طلباء کے لئے مصلح اور جان سے عزیز تر استاد، دوستوں کے لئے ہمدرد اور مخلص ساتھی عامۃ الناس کے لئے نافع مفتی اور بعد میں آنے والوں کے لئے قابلِ تقلید“ تھی۔ اسی وجہ سے حضرت شہید رحمہ اللہ کی شہادت سے متأثر ہونے والوں کی فہرست بھی بہت طویل ہے ایک طرف ضعیف والدین کی آنکھیں اپنے فرمانبردار بیٹے کی فرقت کے غم سے اشک آلود ہیں تو دوسری طرف اہلِ خانہ اپنے غم گسار کے یوں اچانک چلے جانے سے آزردہ ہیں، ایک طرف معصوم بچے والد کے پرشفقت سائے سے محرومی پر انگشت بدنداں ہیں تو دوسری طرف روحانی فرزندگان محبوب استاذ سے محرومی پر حیران و پریشان ہیں، ایک طرف دوستوں کے قلوب میرِ محفل کی یاد میں مجروح ہیں تو دوسری طرف رفقاء کے سینے پرخلوص رفیق کی جدائی کے تصور سے چھلنی ہیں:

تم کیا گئے کہ رونقِ ہستی چلی گئی

اس ناکارہ کی شومیٔ قسمت کہ حضرت شہید رحمہ اللہ کی پرلطف رفاقت کا صرف ڈیڑھ سال ہی میسر آسکا، لیکن اس قلیل عرصہ میں حضرت شہید رحمہ اللہ کی پدرانہ شفقت اور برادرانہ بے تکلفی کے باعث محبت اور انسیت کا ایسا گہرا تعلق قائم ہو چکا تھا کہ گویا صدیوں کی آشنائی ہے۔ حضرت رحمہ اللہ کی باکمال، زندہ دل شخصیت کے بارے میں لکھتے ہوئے یادوں کا ایک طوفان ہے جس کی موجیں ذہن کے پنہاں خانوں سے امڈ امڈ کر صفحۂ قرطاس پر بہنے کے لئے ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش میں لگی ہوئی ہیں لیکن دل جو حکم ہے اس کا فیصلہ یہ ہی ہے کہ:

”قلم بشکن سیاہی ریز کاغذ سوز دم درکش
حمید ایں قصۂ عشق است در دفتر نمی گنجد“

اللہ تعالیٰ حضرت ممدوح شہید رحمہ اللہ کی خدمات وشہادت کو قبول فرمائے آپ کے پسماندگان کو صبر جمیل عطاء فرمائے اور آپ کے لگائے ہوئے باغات کو تا قیامت سرسبز رکھے اور آپ رحمہ اللہ اس کے ثمرات سے محظوظ ہوتے رہیں (آمین)

خوردنی وظاہری استعمال کی اشیاء میں

الکحل کی آمیزش والے رنگوں کا استعمال

مولوی عثمان الدین سردار

بخدمت جناب حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم !............السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

درج ذیل مسئلہ میں شرعی رہنمائی فرمانے کی درخواست ہے:

کھانے پینے کی اشیاء میں مختلف اقسام کے رنگ (colors) استعمال ہوتے ہیں، ان کے حصول کے مختلف ذرائع ہیں، جن میں سے معدنیات (minerals) رنگوں کے حصول کا اہم ذریعہ ہیں، البتہ یہ بات واضح رہے کہ ان رنگوں کے حصول کے دوران کرسٹلز (crystals) بناتے وقت کسی مرحلہ پر الکحل کا استعمال ہوتا ہے (کسی چیز کو صاف کرنے کے لئے کرسٹلز کا بنایا جانا ضروری ہوتا ہے) لیکن یہ ضرور ہے کہ آخری مرحلہ میں وہ الکحل پاؤڈر کی شکل میں آجاتا ہے اور باقی تقریباً اُڑ جاتا ہے، تاہم یہ بات ممکن ہے کہ کچھ الکحل باقی رہ جائے، مگر اس کی مقدار انتہائی کم ہوتی ہے۔

رنگ کا استعمال

مذکورہ رنگ کا بنیادی طور پر استعمال کھانے پینے کی مختلف اشیاء میں ہوتا ہے، یہ رنگ اب کھانے پینے میں تقریباً ضروری جزو بن چکا ہے، اس سے کوئی نشہ نہیں ہوتا، مذکورہ بالا معلومات کی روشنی میں چند سوالات کے جوابات ارشاد فرمانے کی درخواست ہے:

۱:......کیا مذکورہ رنگ حلال ہے؟

۲:......کیا کھانے پینے میں مذکورہ رنگ کا استعمال کرنا اور وہ کھانے کھانا جائز ہے؟ خواہ وہ رنگ کھانے میں ذائقہ بڑھانے کے لئے ہوں یا اسے خوشنما بنانے کے لئے؟

۳:......مذکورہ رنگ میں اگر الکحل کی مقدار کچھ نہ کچھ رہ گئی ہو، خواہ قلیل ہی کیوں نہ ہو، کیا اس

کا استعمال جائز ہے؟

۴:......کیا کھانے پینے کے علاوہ دواؤں میں اس رنگ کا استعمال جائز ہے؟

تصدیق: مذکورہ بالا سائنسی معلومات درست ہیں۔ڈاکٹر فصیح اللہ خان، جامعہ کراچی

مستفتی: سرفراز حمید

الجواب حامداً ومصلیاً

۱،۲،۳،۴:......صورتِ مسؤلہ میں معدنیات سے مذکورہ رنگوں کے حصول کے دوران کرسٹلز بناتے وقت جو الکحل استعمال ہوتا ہے، اس کے حکم سے متعلق تفصیل یہ ہے کہ اگر وہ الکحل خشک وتر کھجور اور خشک وتر انگور اور منقی سے حاصل کیا گیا ہو تو اس صورت میں مذکورہ رنگ (جس میں خشک وتر کھجور اور خشک وتر انگور اور منقی سے حاصل شدہ شراب سے کشید کردہ الکحل کا استعمال کیا گیا ہو) کسی بھی صورت میں حلال نہیں ہوگا اور اس کا کھانے پینے کی اشیاء اور دواؤں میں استعمال کرنا بھی جائز نہیں ہوگا اور ایسے کھانے جن میں یہ رنگ استعمال ہوا ہو، وہ بھی جائز وحلال نہیں ہوں گے، خواہ ان رنگوں میں الکحل کی مقدار باقی رہی ہو یا نہ رہی ہو۔

اور اگر مذکورہ رنگوں کے حصول کے دوران استعمال کیا جانے والا الکحل خشک وتر کھجور اور خشک وتر انگور اور منقی سے حاصل کردہ شراب سے کشید کردہ نہ ہو، بلکہ ان کے علاوہ چیزوں مثلاً آلو، لکڑی اور گنا وغیرہ سے کشید کردہ شراب سے حاصل کیا گیا ہو تو ایسی شراب کی حلت وحرمت سے متعلق شیخین (امام ابوحنیفہ، امام ابویوسف) اور دیگر ائمہ کرام کے درمیان اختلاف ہے۔شیخین کے قول کے مطابق مؤخر الذکر شراب سے بننے والے الکحل کا حکم جواز کا معلوم ہوتا ہے، جن رنگوں میں مؤخر الذکر الکحل شامل ہوگا، ایسے رنگ بذات خود بھی حلال ہوں گے اور ان کا کھانے پینے کی اشیاء اور دواؤں میں استعمال بھی جائز ہوگا، جبکہ احناف میں سے امام محمد اور دیگر ائمہ کرام کے نزدیک چونکہ شراب مطلقاً حرام ہے، اس لئے کسی بھی قسم کی شراب سے حاصل شدہ الکحل مذکورہ رنگوں میں استعمال ہوگی، وہ رنگ بھی حلال نہیں ہوں گے اور ان کو کھانے پینے کی اشیاء اور دواؤں میں استعمال کرنا بھی جائز نہیں ہوگا اور متأخرین کی تصریح کے مطابق فتویٰ بھی امام محمد اور ائمہ ثلاثہ کے قول پر ہے، اس لئے حتی المقدور ہر قسم کی الکحل ملی ہوئی اشیاء سے احتیاطاً اجتناب کا حکم ہے۔

فتاویٰ شامی میں ہے:

”(قوله به يفتىٰ)أی بقول محمد وهو قول الأئمة الثلاثة لقوله عليه الصلوٰة والسلام ”كل سكر حرام“رواه مسلم وقوله عليه الصلوٰة والسلام

"ماأسکر کثیرہ فقلیلہ حرام" رواہ أحمد وابن ماجة والدار قطنی وصححہ (قولہ غیرہ) کصاحب الملتقی والمواھب والکفایة والنھایة والمعراج وشرح المجمع وشرح درر البحار والقھستانی والعینی حیث قالوا: الفتویٰ فی زماننا بقول محمد لغلبة الفساد وعلل بعضھم بقولہ: لأن الفساق یجتمعون علیٰ ھٰذہ الأشربة ویقصدون اللھو والسکر بشربھا. أقول : الظاھر أن مرادھم التحریم مطلقاً وسد الباب بالکلیة وإلا فالحرمة عند قصد اللھو لیست محل الخلاف بل متفق علیھا کما مر ویأتی یعنی لماکان الغالب فی ھٰذہ الأزمنة قصد اللھو لاالتقوّی علی الطاعة منعوا من ذالک أصلاً ،تأمل". (ردالمحتار علی الدر المختار، کتاب الأشربة، ۶/۴۵۵، ط:سعید)

البتہ موجودہ زمانہ میں چوں کہ ماٴکولات ومشروبات اور دواؤں وغیرہ میں الکحل کا استعمال عام ہو چکا ہے، اس لئے الکحل ملی ہوئی اشیاء اور ادویہ کے بارے میں متاٴخرین علماء نے یہ تفصیل بیان کی ہے کہ جو الکحل اشربہ محرمہ اربعہ یعنی خشک وتر کھجور اور خشک وتر انگور اور منقی سے بنی ہوئی شراب سے کشید کر کے حاصل نہ کیا گیا ہو، بلکہ ان کے علاوہ دیگر چیزوں مثلاً آلو، لکڑی اور گنا وغیرہ سے حاصل کیا گیا ہو تو ایسے الکحل کی آمیزش والی ادویہ اور اشیاء کو مفتی اعظم ہند مفتی کفایت اللہؒ، حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ اور مفتی عبدالرحیم لاجپوری رحمہم اللہ نے امام ابوحنیفہؒ اور امام ابویوسف رحمہما اللہ کے قول کے مطابق مباح قرار دیا ہے، چنانچہ حضرت تھانویؒ انہی الکحل والی اشیاء سے متعلق ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں:

''سوال: انگریزی دوا جو پینے کی ہوتی ہے، اس میں عموماً اسپرٹ ملائی جاتی ہے، یہ قسم ہے اعلیٰ درجہ کے شراب کی، یعنی شراب کا مست ہے تو جب اس امر کا تعین ہو چکا اور مسلم ہے تو انگریزی ہسپتال کی دوا پینا جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب: اسپرٹ اگر عنب وزنب ورطب تمر سے حاصل نہ کی گئی ہو تو اس میں گنجائش ہے، للاختلاف ورنہ گنجائش نہیں للاتفاق''۔ (امداد الفتاویٰ، ۴/ ۲۰۹، ط: مکتبہ دارالعلوم کراچی)

امداد الفتاویٰ میں دوسری جگہ ہے:

''بہت مشہور ہے کہ پڑیوں میں شراب پڑتی ہے، غایت شہرت سے مظنون ہوتا ہے کہ یہ امر صحیح ہے، مگر چوں کہ تحقیق سے یہ معلوم ہوا کہ وہ شراب جس کو اسپرٹ کہتے ہیں، خلاصہ جن شرابوں کا ہے وہ اشربہ محرمہ مذکورہ فی الکتب الفقہیہ کے علاوہ ہیں جو کہ امام محمدؒ کے نزدیک مطلقاً نجس وحرام ہیں اور شیخینؒ کے نزدیک طاہر اور قدر مسکر

سے کم حلال بھی ہے، اس لئے عموم بلویٰ کی وجہ سے صحتِ صلوٰۃ کا حکم دیا کرتا ہوں، مگر خلافِ احتیاط سمجھتا ہوں''۔ (امداد الفتاویٰ، ۴/۹۶، ط: مکتبہ دار العلوم کراچی)

کفایت المفتی میں ہے:

''سوال: جن دواؤں میں اسپرٹ ہو، ان کا استعمال کیسا ہے اور شراب کس حالت میں دواءً استعمال کی جاسکتی ہے؟

الجواب: اسپرٹ کی دوائیں علاج کے لئے مباح ہیں، شراب بوقتِ ضرورت جب کہ طبیب حاذق کہہ دے کہ اب علاج یہی ہے جائز ہوتی ہے''۔ (کفایت المفتی، ۹/۱۴۸، ط: دار الاشاعت)

فتاویٰ رحیمیہ میں ہے:

''سوال: سینٹ جس میں الکوہل کی ملاوٹ کبھی ۹۰ فیصد، کبھی ۷۰ فیصد، کبھی ۶۰ فیصد ہوتی ہے، اس کا استعمال جائز ہے یا نہیں؟ اس کو لگا کر نماز پڑھنا کیسا ہے؟۔

الجواب: اسپرٹ کے متعلق تحقیق یہ ہے کہ یہ تیز شراب کا جوہر ہے، اس میں سے بذریعہ علم کیمیاء خاص منشی جزء علیحدہ کرلیا جاتا ہے، اس کا نام الکوہل ہے، اگر انگور یا کھجور یا منقی سے بنی ہو تو بالاتفاق ناپاک اور حرام ہے، ایک قطرہ بھی استعمال کرنا جائز نہیں ہے اور جو اسپرٹ بیر، آلو، جَو، گیہوں سے بنتی ہے، اس میں اختلاف ہے۔ نمازی آدمی کو ایسی اسپرٹ لگانے سے بچنا چاہئے، لیکن اگر کسی نے ایسا سینٹ لگا کر نماز پڑھ لی تو چوں کہ اسپرٹ کی مقدار مانع جواز سے کم ہوگی، اس لئے نماز ادا ہوجائے گی، لیکن کراہت سے خالی نہیں اور اگر سینٹ کی شیشی سے بدن پر چھڑکا (اسپرٹ کا) تو اس کی مقدار زیادہ ہوگی، لہٰذا نماز مشتبہ ہوگی، اس لئے اس سے احتراز کرنا چاہئے''۔ (فتاویٰ رحیمیہ، ۱۰/۱۵۷، ط: دار الاشاعت)

بناء بریں الکحل ملی ہوئی اشیاء سے خوردنی وظاہری استعمال میں احتیاط مطلوب ہے، اگر انگور، کھجور کے علاوہ اشیاء والی شراب سے حاصل شدہ الکحل ہو تو حضرات شیخین امام اعظم اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ کے قول کی روشنی میں متأخرین اکابر اہل فتویٰ نے گنجائش دی ہے۔ واللہ اعلم

الجواب صحیح	الجواب صحیح	الجواب صحیح	کتبہ
محمد انعام الحق	ابوبکر سعید الرحمٰن	رفیق احمد بالاکوٹی	عثمان الدین سردار

تخصصِ فقہِ اسلامی جامعہ علوم اسلامیہ

علامہ بنوری ٹاؤن

نقد و نظر

نقد و نظر

تبصرے کے لئے ہر کتاب کے دو نسخوں کا آنا ضروری ہے

ادارہ

مصطفوی مدنی عالمی ریاست

فاروق احمد۔ صفحات: ۶۸۸۔ قیمت: ۷۵۰ روپے۔ ملنے کا پتہ: علی احمد چودھری، ۵۶/حبیب پارک بالمقابل منصورہ، لاہور۔

زیر تبصرہ کتاب جناب فاروق احمد صاحب نے ۲۳ ؍سالہ دور نبوت کو سامنے رکھتے ہوئے اس کے اہم واقعات کو قرآن کریم، سنت نبویہ اور مستند تاریخ کے دلائل و براہین سے مزین اور بڑے سہل اور دل نشین انداز میں مرتب کیا ہے۔ اس کتاب کے پڑھتے ہوئے قاری جہاں سیرت کے اہم پہلوؤں سے روشناس ہوجاتا ہے، وہاں اسے اہم دینی مآخذ سے بھی آگاہی ہوجاتی ہے۔ مؤلف نے حضور اکرم ﷺ کا جہاں دعوت کا اسلوب اور اس راہ میں آنے والی مشکلات، مصائب، آلام اور تکالیف کا ذکر کیا ہے، وہاں حضور اکرم ﷺ کی ثابت قدمی، صحابہ کرامؓ کی جانثاری و وفاداری کو بھی شان دار الفاظ کی لڑی میں پرویا ہے۔ کتاب کو کل اٹھائیس ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے:

۱:...... بعثت نبوی سے ہجرت حبشہ تک۔ ۲:...... کارکن ملتے گئے اور کارواں بنتا گیا۔ ۳:...... دین میں ہجرت کی اہمیت، ضرورت اور اس کا مقام۔ ۴:...... قید شعب ابی طالب اور اس کا پیغام امت مسلمہ کے نام۔ ۵:...... سفر طائف اور اس کے ثمرات ونتائج۔ ۶:...... بیعت عقبہ اولیٰ وثانیہ اور مدنی اسلامی ریاست کا مقام۔ ۷:......معراج مجتبیٰ اور اس کے تحائف۔ ۸:......ہجرت الی المدینہ۔ ۹:...... مدنی دور کا باقاعدہ آغاز۔ ۱۰......اسلامی مواخات، ضرورت واہمیت۔

اس طرح کے ابواب کا عنوان قائم کرکے ہر ایک اہم واقعہ کو اس کے تحت بیان کیا گیا ہے۔ کتاب ہر اعتبار سے لائق قدر اور پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے۔

پُرسکون زندگی

محمد وصی فصیح، محمد کاشف اقبال۔ صفحات: ۴۸۶۔ عام قیمت: ۳۲۰ روپے۔ ناشر: مکتبہ بیت العلم، اردو بازار کراچی۔

مکتبہ بیت العلم کے کارپردازان اور ذمہ داران کو اللہ تعالیٰ بہت ہی جزائے خیر عطا فرمائے کہ عامہ مسلمین کی ضروریات، مسائل اور حالات کو سامنے رکھتے ہوئے ان کے حل کی طرف پیش قدمی کرتے ہوئے بڑی آسان اور عام فہم کتابیں مرتب کرکے ان تک پہنچانے کی سعی فرماتے رہتے ہیں۔

زیر تبصرہ کتاب ''پرسکون زندگی'' بھی اسی سلسلہ کی کڑی ہے، جس میں بتایا گیا ہے کہ زندگی بامقصد گزاریئے، اچھے تعلقات کے سنہری اصول، معاملات کی صفائی، راحت رساں بنئے وغیرہ، گویا چھوٹی چھوٹی نصائح جو قرآن اور حدیث سے ماخوذ ہیں، ان کے ذریعے ہر بات سمجھانے کی کوشش کی گئی ہے۔ کتاب ہر فرد، ہر گھر اور ہر لائبریری کی ضرورت ہے۔

جمعیت علمائے اسلام اور کارکنان کے لئے لائحہ عمل

محمد ریاض درانی۔ صفحات: ۲۳۰۔ قیمت: ۱۵۰ روپے۔ جمعیت پبلیکیشنز، رحمان پلازہ مچھلی منڈی، اردو بازار، لاہور۔

کسی بھی جماعت کے لئے اس کے کارکن اساس اور ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتے ہیں۔ نظم وضبط کی پابندی، نصب العین سے سچی محبت اور اس کے حصول کی لگن جیسے اعلیٰ اوصاف کے حامل کارکنان ہی ہر جماعت کا اثاثہ اور سرمایہ شمار ہوتے ہیں۔ انہیں سے جماعتیں مضبوط ہوتی ہیں اور یہی تربیت یافتہ افراد مستقبل میں اپنے نظریات کے محافظ اور باطل نظریات کے مقابلہ میں سد سکندری کا کام دیتے ہیں۔

اب سوال یہ ہے کہ ان کی تربیت کیسی ہو؟ اس سوال کے جواب کے لئے زیر تبصرہ کتاب ''جمعیت علماء اسلام اور کارکنان کے لئے لائحہ عمل'' کا پڑھنا اور ہضم کرنا جمعیت علمائے اسلام کے ہر کارکن کے لئے ضروری ہے۔ مؤلف نے کتاب کو چار ابواب پر تقسیم کیا ہے:

پہلا باب: اسلام میں اجتماعیت کی اہمیت۔ دوسرا باب: جمعیت علماء اسلام۔ تیسرا باب: جمعیت کے اغراض ومقاصد اور کارکنان کے لئے لائحہ عمل۔ چوتھا باب: جمعیت کا استحکام کن شرائط سے مشروط ہے۔ ہر باب کے تحت کئی ذیلی عناوین ہیں، جن سے مقصد کی خوب تشریح اور وضاحت ہوجاتی ہے۔ بہرحال کتاب پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ امید ہے کہ جمعیت کے کارکنان اس کتاب کی ضرور قدر افزائی فرمائیں گے۔

اسلام اور منشیات

حضرت مولانا مفتی حفیظ الرحمٰن۔ صفحات: ۴۱۶۔ قیمت: درج نہیں۔ ناشر: دار التصنیف، جامعہ دار العلوم سعیدیہ اشاعت التوحید والسنۃ اوگی، مانسہرہ، پاکستان۔

زیر تبصرہ کتاب مؤلف کے ان مضامین کا مجموعہ ہے جو انہوں نے اس موضوع پر قسط وار ماہنامہ ''السعید'' میں تحریر کئے اور اب نظر ثانی اور اضافوں کے بعد اسے کتابی شکل میں شائع کرنے کا اعزاز حاصل کیا ہے۔ مؤلف نے اس کتاب کو آٹھ ابواب میں تقسیم کیا ہے: باب اول: لفظ خمر کی تحقیق۔ باب دوم: نشہ کا مفہوم۔ باب سوم: اخباری تراشے۔ باب چہارم: منشیات اسمگلنگ کے مختلف طریقے۔ باب پنجم:

منشیات کے اڈے۔ باب ششم: منشیات کے نقصانات۔ باب ہفتم: منشیات سے متعلق عرب وعجم کے علمائے کبار کے اقوال وفتاویٰ۔ باب ہشتم: پاکستان کے اہم دینی مدارس وجامعات کے فتوے۔ مؤلف کتاب ''باعث تالیف'' عنوان کے تحت لکھتے ہیں: ''تاہم مجموعی طور پر عرب علماء کی رائے راقم کو متفق نظر آتی ہے کہ منشیات کی جملہ اقسام کے استعمال، تجارت، زراعت اور اس میں ہر قسم کے تعاون، نیز ان میں ملازمت کو بھی حرام قرار دیتے ہیں۔ البتہ پاکستان کے اہم مدارس کے مفتیان عظام کی رائے قدرے مختلف ہے کہ ان علمائے کرام کے نزدیک منشیات کی فہرست ایک جیسی نہیں بلکہ ہر قسم کا حکم الگ ہے''۔

بہرحال مؤلف نے اس مسئلہ پر ایک وافر ذخیرہ علمائے امت اور مفتیان کرام کے سامنے جمع کر کے رکھ دیا ہے وہ اس پر غور فرمائیں اور اپنی تحقیقات سے امت مسلمہ کی راہنمائی فرمائیں۔

سید ابوالاعلیٰ مودودی کے اسلامی نظریات

مولانا محمد بشیر احمد حامد حصاری۔ صفحات: ۱۸۸۔ قیمت: درج نہیں۔ مکتبۃ الفیض (۵) غزنی اسٹریٹ، اردو بازار۔ موبائل فون: ۰۳۳۱۴۲۷۵۹۵۵

زیر تبصرہ کتاب کے مؤلف محدث العصر حضرت علامہ سید محمد یوسف بنوری نور اللہ مرقدہ کے اولین شاگردوں میں سے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو تحریر کا عمدہ ذوق عطا فرمایا ہے۔ قاری جب بھی آپ کی تحریر کردہ کسی کتاب کو اٹھاتا ہے تو وہ اس وقت تک اسے نہیں رکھ پاتا جب تک کہ وہ کتاب ختم نہ ہو جائے۔ آپ کئی کتابوں کے مصنف ہیں، زیر تبصرہ کتاب بھی آپ کی تصنیف ہے اور یہ اس کا تیسرا ایڈیشن ہے۔ اس میں آپ نے سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب کے اسلامی نظریات، خصوصاً ان کی یہ بات کہ ''اسلام ایک تحریک کا نام ہے'' پر مفصل بحث کی ہے اور اس کی خامیوں کی طرف نشان دہی کی ہے۔ مؤلف نے جماعت اسلامی کو بہت ہی قریب سے دیکھا، جماعت کے متفق اور کارکن رہے، مودودی صاحب کے لٹریچر کا نہ صرف یہ کہ خود مطالعہ کیا بلکہ وہ دوسروں کو بھی اس سے روشناس کراتے رہے. اس اعتبار سے آپ کی تحقیق علمی حلقوں میں کافی وقعت اور حیثیت رکھتی ہے۔ بہرحال کتاب ہر اعتبار سے لائق قدر اور قابل مطالعہ ہے۔

فیوض الحرمین

بیانات: حضرت مولانا محمد یوسفؒ المعروف حضرت جی ثانیؒ۔ مرتب: مفتی معراج حسین چترالی۔ صفحات: ۱۹۴۔ قیمت: درج نہیں۔ ملنے کا پتہ: ادارۃ الرشید نزد جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی۔

زیر تبصرہ کتاب عالم دین، عارف باللہ، داعی الی اللہ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بن حضرت مولانا الیاس صاحبؒ کے زیادہ تر ان نادر خطبات وبیانات کا مجموعہ ہے جو آپ نے حرمین کی سرزمین پر کئے ہیں۔ مرجع التبلیغ اور فضائل اعمال کے مؤلف شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی قدس سرہ فرماتے تھے کہ: ''تبلیغ کا کام کرنے والے احباب سے اصرار کے ساتھ میری درخواست ہے کہ حضرت مولانا محمد

الیاس صاحبؒ اور حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ کے ملفوظات وارشادات اور دونوں کی سوانح عمریاں اور مکاتیب بہت اہتمام سے مطالعہ میں رکھا کریں کہ یہ کام کرنے والوں کے لئے قیمتی موتی ہیں‘‘۔

یہ بیانات تبلیغی جماعت سے منسلک جناب حاجی عبداللہ احمد پٹیل صاحب مقیم اوسا کا زامبیا کے پاس محفوظ تھے، انہوں نے یہ بیانات تحریر کرکے حضرت مولانا مفتی معراج حسین چترالی صاحب استاذ مدرسہ تعلیم الاسلام گلشن عمرؓ شاخ جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کو دیئے۔ انہوں نے بہت ہی محنت اور کوشش کے ساتھ تقریر کے اسلوب کو تحریر کے انداز میں ڈھالا، لیکن اس کے ساتھ کہ اصل کا رنگ غالب رہے۔ مولانا کی محنت قابل ستائش ہے۔ کتاب، ترتیب، کمپوزنگ، کاغذ، طباعت، جلد، ہر اعتبار سے عمدہ اور لاجواب ہے۔

سعی الفقیر شرح نحو میر

مولانا محمد جمیل صاحب۔ صفحات: ۲۳۲۔ قیمت: درج نہیں۔ ناشر: مکتبہ محمودیہ عبدالستار روڈ، شیرانی مارکیٹ، کوئٹہ، فون: ۰۳۳۴-۲۷۹۳۸۰۸

قرآن کریم، حدیث نبوی، فقہ اور عربی عبارات کو کما حقہ سمجھنے کے لئے جتنا علم نحو کی ضرورت ہوتی ہے، وہ کسی صاحب علم پر مخفی نہیں، اس لئے ہر دور میں اس علم کی خدمت کی جاتی رہی ہے اور خصوصاً برصغیر میں نحو میر کو اللہ تعالیٰ نے بہت ہی مقبولیت بخشی ہے، جس کی تشریح کے لئے درجنوں کتابیں شائع ہوئی ہیں۔ زیر تبصرہ کتاب ’’سعی الفقیر شرح نحو میر‘‘ بھی اسی سلسلہ کی کڑی ہے۔ مؤلف نے اس شرح میں درج ذیل خصوصیات کا اضافہ کیا ہے:

۱:- سب سے پہلے نحو میر کا متن ذکر کرکے اس کا لفظی ترجمہ کیا گیا ہے۔

۲:- مصنف کی عبارت کی دل نشین تشریح کی گئی ہے۔

۳:- بحث سے متعلقہ ضروری فوائد اور ترکیبی ضوابط کو ذکر کیا گیا ہے، نیز مثالوں کی ترکیب کی گئی ہے۔

۴:- ہر بحث کے آخر میں ’’تمرینی سوالات‘‘ کے عنوان سے اجراء کے لئے مثالیں ذکر کی گئی ہیں، جو اکثر قرآن کریم سے ماخوذ ہیں۔

۵:- سوالات کے بعد ’’نمونہ حل سوالات‘‘ کے عنوان سے تین سوالوں کو حل کرکے اجراء کا طریقہ بتایا گیا ہے۔

۶:- ہر بحث کے آخر میں پوری بحث کو نقشے کی مدد سے سمجھایا گیا ہے۔

۷:- کتاب کے آخر میں پوری نحو میر کا خلاصہ پیش کیا گیا ہے۔

۸:- پچاس مشکل اور کثیر الوقوع الفاظ کی ترکیب پیش کردی گئی ہے۔

کتاب کے شروع میں کئی اکابر مدرسین کی تقریظات ثبت ہیں، جو کتاب کی ثقاہت کے لئے ایک بڑی دلیل ہیں۔ امید ہے کہ طلبہ اس کتاب سے ضرور استفادہ کریں گے۔